AsliAhleSunnet.com

5 NO: 22182

معارف
تاریخ علوم
۱۹۳

مطبوعات الجامعۃ السلفیہ

(۹)

مختصر

تاریخِ ادبِ عربی

حصہ اوّل

جاہلی دور

از

مقتدیٰ حسن ازہری

ناشر

ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والدعوۃ والافتاء بالجامعۃ السلفیۃ بنارس الہند

AsliAhleSunnet.com

S. No. 22162
تاریخ علوم و فنون
۶۹۱

مطبوعات الجامعة السلفیه
(۹)

مختصر

تاریخِ ادبِ عربی

حصہ اوّل

جاہلی دور

از

منقتدیٰ حسن ازہری

ناشر

ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والدعوۃ والافتاء بالجامعۃ السلفیۃ بنارس الہند

AsliAhleSunnet.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	مختصر تاریخ ادب عربی ج ۱
مصنف	ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری
ناشر	ادارۃ البحوث الاسلامیۃ، بنارس
کاتب	عبدالرحمٰن بستوی ۸۶ء
اشاعت دوم	شوال ۱۴۰۶ھ جون ۱۹۸۶ء
مطبع	فوٹو آفسٹ پرنٹرس دہلی

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب بنارس ۲۲۱۰۱۰

۲۔ مکتبہ ترجمان، ۴۱۱۶۔ اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰۶

۳۔ دارالمعارف، محمد علی بلڈنگ بھنڈی بازار، بمبئی ۴۰۰۰۰۳

AsliAhleSunnet.com

اِنتسَاب

والدِ محترم محمد یٰسین سعید،
اور والدہ محترمہ بلقیس نعمان کے نام
جن کی بے پناہ محبت، عظیم قربانیوں اور پر خلوص دعاؤں کے طفیل
اللہ تعالیٰ نے مجھے علم سے محبت اور علماء سے عقیدت کی
توفیق عطا فرمائی۔

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي
صَغِيرًا

مقتدی حسن

AsliAhleSunnet.com

مُقَدَّمَہ

(طبعِ ثانی)

تاریخ ادب عربی حصہ اوّل کی دوسری اشاعت قارئین کرام کے سامنے ہے، اس میں پہلی اشاعت کے مقابلہ میں بعض اہم اضافے کئے گئے ہیں، جن کی طرف متعدد تبصرہ نگاروں اور قدر دانوں نے توجہ دلائی تھی، ان اضافوں سے قطعِ نظر اشعار کو مشکول کرکے ان کا اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے، اور اس طرح طلبہ کے لئے اس کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔ سابقہ اشاعت میں کتابت وطباعت کی بے شمار غلطیاں تھیں، جن کا سبب کچھ بھی رہا ہو لیکن بدنامی مؤلف کی ہوئی، اس اشاعت میں کوشش کی گئی ہے کہ کتابت کی غلطیاں اگر ختم نہ ہوں تو کم ضرور ہو جائیں۔

اشاعتِ اوّل کے بعد مؤلف یا ناشر کو جو خطوط موصول ہوئے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب کو جس مقصد کے پیشِ نظر ترتیب دیا گیا تھا وہ بڑی حد تک پورا ہوا، اور اس سے قارئین کو فائدہ حاصل ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

میرے ایک مخلص کرم فرما اور بنگلہ دیش کے جانے پہچانے فاضل نے اس کتاب کا بنگلہ ترجمہ کرکے ڈھاکہ سے شائع کیا ہے، میں ان کی ذرہ نوازی کا شکر گزار ہوں اور ان کے لئے دعاءِ خیر کرتا ہوں، جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

ناظرین کرام سے عرض ہے کہ وہ اس اشاعت پر بھی اپنے تاثرات وتجاویز سے نوازیں۔ رب کریم سے دعاء ہے کہ اس اشاعت کو زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنائے، اور ہمیں اخلاص عطا فرمائے، انہ ولیّ التوفیق۔

جامعہ سلفیہ بنارس

۲۸ ربیع الاوّل ۱۴۰۶ھ

(مقتدیٰ احسن ازہری)

AsliAhleSunnet.com

پیشِ لفظ

عربی ادب کی تاریخ کے موضوع پر عرب اور مستشرقین اہل قلم کی متعدد مفید کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ بروکلمن، مصطفیٰ صادق الرافعی، جرجی زیدان اور احمد حسن الزیات کی کتابوں کو خاص مقبولیت و شہرت حاصل ہے۔ پھر بھی یہ موضوع مزید تفصیل و تشریح کا محتاج ہے، دورِ جاہلیت سے لے کر آج تک کی طویل مدت میں ہر دور کے ادبی مظاہر، شخصیات کا علمی، تاریخی و تنقیدی تجزیہ اور فنی و ثقافتی خدمات و تاثیرات وغیرہ جزئیات میں سے ہر ایک پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے عربی ادب کی تاریخ مرتب کرنے کا احساس آج کے علمی دور میں زیادہ شدید ہو چکا ہے۔

قاہرہ یونیورسٹی میں عربی ادب کے استاذ ڈاکٹر شوقی ضیف نے عربی ادب کی تاریخ کے موضوع پر بیش قیمت کام کیا ہے، مذکورہ خطوط کی رعایت کرتے ہوئے عربی ادب کی تاریخ کے موضوع پر انکی کتاب تقریباً منفرد ہے۔ کتاب کو انھوں نے "تاریخ الادب العربی" کے نام سے موسوم کیا ہے پھر ہر دور کیلئے ایک مستقل حصہ مخصوص کر کے اس کو اسی دور کا نام دیا ہے، مثلاً "العصر الجاہلی" اور "العصر الاسلامی" وغیرہ۔

اردو زبان میں عربی ادب کی تاریخ پر کتابوں کی بے حد کمی ہے، حالانکہ عربی زبان و ادب سے تعلق رکھنے والوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اردو میں اس موضوع پر جو چند کتابیں دستیاب ہیں ان سے عربی ادب اور ادبا کا سرسری تعارف تو ضرور ہو جاتا ہے لیکن حالات و شخصیات کا تجزیہ اور ہر دور کی فنی خصوصیات و تاثیرات کے بارے میں واقفیت نہیں ہوتی۔

زیرِ نظر کتاب میں ڈاکٹر شوقی ضیف کی کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے میں نے یہ کوشش کی ہے کہ اردو کے ذریعہ عربی ادب کا مطالعہ کرنے والے قارئین کے سامنے ایک مفصل

AsliAhleSunnet.com

خاکہ آجائے جس سے انھیں عربی ادب کی مشہور شخصیات اور ہر دور میں اس کے ارتقاء و تغیر کا اندازہ ہوجائے۔ شوقی ضیف کی کتاب کے علاوہ دیگر کتب سے بھی مفید مباحث کا اضافہ کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب سے ایک بڑی کمی پوری ہوجائے گی۔

مقتدیٰ حسن ازہری
مرکزی دار العلوم، بنارس۔
جون ۱۹۷۵ء

AsliAhleSunnet.com

تمہید

لفظ ادب عرب قوم نے بدویت کے دور سے نکل کر تہذیب و تمدّن کے دور میں جب قدم رکھا تو عربی زبان بھی اس تبدیلی سے متاثر ہوئی اور بہت سے الفاظ کے مفہوم میں تغیر پیدا ہوا، انہی الفاظ میں لفظِ ادب بھی داخل ہے۔ آج اس لفظ سے مراد وہ بلیغ انشائی کلام ہے جس کا مقصد قاری و سامع کے جذبات کو متاثر کرنا ہو۔ ادب کا یہ مفہوم متعین ہونے سے قبل مختلف ادوار میں اس لفظ کے معانی بدلتے رہے۔

جاہلی دور میں شعراء کے اس لفظ کو استعمال کرنے کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ البتہ طرفہ بن العبد کے ایک شعر میں "آدِب" کا لفظ "داعی الی الطعام" کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے، کہتا ہے[1]

نحنُ فی المشتاۃ ندعو الجفلیٰ　　　لاتریٰ الآدِبَ فینا ینتقِرُ

"ہم موسمِ سرما میں (جو عام طور پر قحط کا زمانہ مانا جاتا ہے) عام دعوت دیتے ہیں، ہماری قوم کا داعی مدعو اشخاص میں تفریق نہیں کرتا۔"

ادب کا لفظ اگر دال کے سکون کے ساتھ بولا جائے تو اس کا مفہوم ہوتا ہے "بلانا، دعوت دینا"۔

چنانچہ "مادُبہ" دعوت کے کھانے کو کہتے ہیں، اور اسی سے اَدَبَ، یَاْدِبُ فعل مشتق ہے، جس کا معنی ہے دعوت کرنا اور کھانے پر بلانا۔ لیکن اَدَب کا لفظ جب دال کے فتحہ کے ساتھ

---

[1] دیوانِ طرفہ، قصیدہ نمبر ۵

AsliAhleSunnet.com

بولا جاتا ہے تو اس سے اخلاقی تربیت کا مفہوم مراد ہوتا ہے۔

طرفہ کے مذکورہ شعر کے علاوہ کسی دوسرے شعر سے اس لفظ کے کسی غیر محسوس معنیٰ میں مستعمل ہونے کا ثبوت نہیں ملتا، البتہ ایک حدیث میں اسے تہذیب اخلاق کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے جس کے الفاظ ہیں، "ادبنی ربی فاحسن تادیبی"[1] ایک مخضرم شاعر سہم بن حنظلہ غنوی نے بھی اس لفظ کو تہذیبِ اخلاق ہی کے مفہوم میں استعمال کیا ہے[2]

لَا يَمْنَعُ النَّاسُ مِنِّي مَا اَرَدتُّ وَلَا ... اُعْطِيهِمُ مَا اَرَادُوْا حُسْنَ ذَا اَدَبَا

"لوگ میرے ارادہ کو روک نہیں سکتے، اور جو چاہیں میں ان کو دیتا نہیں، یہ صورت از راہِ ادب بہتر ہے۔"

ممکن ہے جاہلی دور میں بھی یہ لفظ اخلاقی مفہوم کے لئے استعمال ہوا ہو، لیکن کسی منقول کلام سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔

لیکن بعض مصنفین کا خیال ہے کہ "ادب" کا لفظ جاہلی دور میں بھی تہذیب نفس اور عمدہ طریقے کی اتباع کے اخلاقی مفہوم میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ صاحب امالی نے ابوسفیان سے متعلق عتبہ بن ربیعہ کا قول نقل کیا ہے جس میں کہا ہے کہ "یؤدب اھلہٗ ولا یؤدبونہٗ" یعنی وہ اپنے اہل کو ادب دیتا ہے، اور وہ اسے ادب نہیں دیتے۔ اسی طرح العقد الفرید میں کسریٰ کے سامنے علقمہ بن علاثہ کا یہ قول منقول ہے: "وبالرائ الفاضل والادب معروف" یعنی اسے اچھی رائے اور ادب سے شہرت حاصل ہے۔ اسی طرح اعشیٰ نے بھی اپنے ایک شعر میں لفظ ادب کو اخلاقی مفہوم میں استعمال کیا ہے[3]

قرآن کریم میں گو لفظِ ادب استعمال نہیں ہوا ہے، لیکن متعدد احادیث میں اس کا استعمال ہوا ہے۔

---

[1] النہایۃ لابن الاثیر ۱/۳ مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۱۱ھ۔ [2] الاصمعیات نمبر ۱۲، مطبوعہ دار المعارف۔
[3] الادب العربی بین الجاھلیۃ والاسلام ص ۹۔

AsliAhleSunnet.com

اموی دور میں ایک طرف اس لفظ کے تہذیبِ اخلاق کے مفہوم میں استعمال ہونے کا سراغ ملتا ہے تو دوسری طرف ایک نئے تعلیمی مفہوم پر بھی اس کی دلالت سامنے آتی ہے، چنانچہ خلفاء وملوک کی اولاد کو شعر و خطب اور تاریخ و انساب وغیرہ علوم کی تعلیم دینے والے اشخاص کو "مؤدبین" کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے، اس نئے استعمال کی وجہ سے اب لفظ ادب لفظ "علم" کے متوازی مفہوم پر دلالت کرتا تھا کیونکہ اس دور میں علم سے علومِ شرعیہ مثلاً فقہ، حدیث اور تفسیر مراد لئے جاتے تھے۔

عباسی دور میں یہ لفظ تہذیبی و تعلیمی دونوں مفہوم میں استعمال ہونے لگا، چنانچہ ابن المقفع نے حکیمانہ اقوال اور اخلاقی و سیاسی نصائح پر مشتمل اپنے دو رسالوں کا نام "الادب الصغیر" اور "الادب الکبیر" رکھا۔ ابو تمام متوفی ۲۳۲ھ نے اسی مفہوم کی رعایت کرتے ہوئے دیوانِ حماسہ کے ایک باب کا نام باب الادب رکھا جس میں منتخب اشعار جمع کئے۔ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ کی مشہور زمانہ تصنیف الجامع الصحیح کی "کتاب الادب" پر بھی یہی مفہوم منطبق ہوتا ہے۔ ابن المعتز متوفی ۲۹۶ھ نے بھی اپنی تصنیف "کتاب الادب" میں ادب کا مذکورہ مفہوم ہی مراد لیا ہے۔ دوسری و تیسری صدی ہجری اور اس کے بعد کے ادوار میں بھی لفظ ادب کا اطلاق عربوں کے اشعار و اخبار کی معرفت پر ہونے لگا اور اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں ان کو "کتبِ ادب" کے نام سے شہرت ہوئی، مثلاً جاحظ متوفی ۲۵۵ھ کی کتاب "البیان والتبیین" اور المبرد متوفی ۲۸۵ھ کی کتاب "الکامل" ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ کی "عیون الاخبار" ابن عبد ربہ متوفی ۳۲۸ھ کی "العقد الفرید" اور الحصری متوفی ۴۵۳ھ کی "زہر الآداب" کا شمار بھی اسی نوعیت کی ادبی کتابوں میں ہوتا ہے۔

اس کے بعد لفظِ ادب کے مفہوم میں مزید وسعت پیدا ہوئی اور اس سے دینی علوم کے علاوہ جملہ اجتماعی و ثقافتی علوم مراد لئے جانے لگے۔ چوتھی صدی ہجری میں اخوان الصفا کی مشہور جماعت نے اپنے رسائل میں لفظ ادب کا یہی وسیع مفہوم مراد لیا ہے، چنانچہ ان رسائل میں علوم لغت، بلاغت، تاریخ و اخبار کے ساتھ ساتھ علم سحر، کیمیا، حساب، معاملات اور تجارت سب

AsliAhleSunnet.com

کا ذکر ہے۔ پھر ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ نے اس لفظ کو علوم دینیہ وغیر دینیہ سب کے لئے عام کر دیا ہے۔[1]

تیسری صدی ہجری ہی سے لفظ ادب سے وہ قواعد بھی مراد لئے جاتے ہیں جن کی کوئی خاص طبقہ پابندی کرتا ہے۔ اس مفہوم کی جانب بھی متعدد تصنیفات سے اشارہ ملتا ہے، مثلاً "ادب الکاتب" لابن قتیبہ اور "ادب الندیم" لِکشاجم متوفی ۳۵۰ھ، ادب القاضی، ادب الوزیر، ادب الطعام، ادب المعاشرۃ اور ادب السفر وغیرہ نام کی کتابوں یا ابواب میں بھی ادب کا قواعد ہی والا مفہوم مراد ہے۔

گزشتہ صدی کے وسط میں پھر اس لفظ کے مفہوم میں تبدیلی ہوئی اور اس کے دو معنیٰ مراد لئے جانے لگے۔ ایک تو عمومی معنیٰ جو فرانسیسی لفظ (HITTERATURE) کا مرادف ہے اور اس سے مراد کسی زبان کی ہر طرح کی تحریر ہے، خواہ اس کا تعلق علم، فلسفہ یا ادب کے کسی بھی پہلو سے ہو۔ گویا عقل وشعور کی اپج کو ادب سے تعبیر کیا جائے گا، دوسرا مخصوص معنیٰ جس میں صرف مفہوم کی تعبیر ضروری نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ یہ تعبیر حسین وجمیل ہو، تاکہ قاری وسامع کے جذبات کو متاثر کر سکے جیسا کہ شاعری، خطابت، ضرب الامثال، قصّوں، ڈراموں اور مقامات کے فن میں ہوتا ہے۔

ادب کے عناصر

ادب کے خصائص وامتیازات کے سلسلہ میں عرب ناقدین کی نظر لفظ اور معنیٰ تک محدود تھی، کیونکہ یہی دونوں اصل میں ادب کے عنصر ہیں، اسی لئے انہوں نے بلاغت کو لفظ یا معنیٰ یا ان دونوں میں محدود کیا تھا، لیکن بعد کے ناقدین میں عبدالقاہر جرجانی نے دقتِ نظر اور وسعتِ فکر سے کام لیتے ہوئے ادبی عناصر کے دائرہ کو مزید وسیع کیا اور اس طرح جدید ناقدین سے بے حد قریب ہو گئے۔

جدید ناقدین نے ادب کے عناصر وارکان کو چار چیزوں میں محصور قرار دیا ہے۔

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ۸۴۲ (المطبعۃ البہیہ)

AsliAhleSunnet.com

سب سے پہلا عنصر عاطفہ (جذبہ) یا شعری تجربہ ہے، اور اس سے ادیب کے نفس کی وہ حالت مراد ہے جو کسی موضوع یا منظر سے پیدا ہوتی ہے، اور اسے اس طرح متاثر کرتی ہے کہ وہ اس کو بیان کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ عاطفہ کو ادب کا سب سے اہم رکن مانا جاتا ہے، اس کے ذریعہ ادیب کی شخصیت، اس کے ذوق اور مزاج کی عکاسی ہوتی ہے۔

دوسرا عنصر حقیقت یا نظریہ ہے، اس عنصر پر عاطفہ کی بنیاد ہے۔ کیونکہ جب تک کوئی حقیقت یا نظریہ پیش نظر نہ ہو عاطفہ میں حرکت و زندگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ موت کی تلخ حقیقت پیش نظر نہ ہو تو انسان کے اندر رنج و غم کا وجود نہیں ہو سکتا۔

تیسرا عنصر خیال ہے، انسانی جذبات کو ابھارنے کے لئے خیال ایک ضروری وسیلہ ہے، ادب کا امتیاز یہ ہے کہ اشیاء کو تخیل کی مدد سے اس طرح پیش کیا جائے کہ ان سے جذبات برانگیختہ ہو جائیں۔

چوتھا عنصر عبارت یا اسلوب ہے، اس وسیلہ کے ذریعہ ادیب اپنے احساس و شعور کو سامعین تک منتقل کر دیتا ہے، ادب کے عناصر میں عبارۃ کا مقام بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ بلکہ بعض ناقدین نے اس کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے، کیونکہ جذبات کو ابھارنے میں عبارت کے حسن و جمال کا بہت زیادہ دخل ہے، اگر کلام کی ترکیب اور اس کا سبک عمدہ ہو تو ادیب کا مافی الضمیر اس میں آئینہ کی طرح نظر آتا ہے۔

تاریخ ادب

ادب کے مفہوم کی گزشتہ توضیح سے "تاریخ ادب" کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے۔ اگر مورخ لفظ ادب کے عام معنی کا لحاظ کرے گا تو اسے قوم کی عقلی و فکری پوری زندگی کی تاریخ سے بحث کرنی ہوگی، اور اگر ادب کا مخصوص مفہوم ملحوظ ہوگا تو شعراء اور انشاء پردازوں کی تاریخ کے اس حصہ پر روشنی ڈالنی ہوگی جس کا تعلق ادب اور اسکے ارتقاء سے ہوگا۔

ادب کے عمومی مفہوم کو پیش نظر رکھ کر جو تاریخ کی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بروکلمن کی "تاریخ الادب العربی"، اور جرجی زیدان کی "تاریخ آداب اللغۃ العربیہ" زیادہ اہم ہیں۔ ان

AsliAhleSunnet.com

دونوں مصنفین نے عرب قوم کی فکری و ادبی زندگی کی مکمل تصویر پیش کی ہے، بروکلمن کا درجہ جرجی زیدان سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ اس نے مصنفین اور ان کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ آثار کا زیادہ تفصیلی ذکر کیا ہے۔

ادب کے مخصوص مفہوم کی بنیاد پر تاریخ کا مرتب ادباء و شعراء کی تاریخ پیش کرتے ہوئے ان کی ادبی شخصیات اور ان کو متاثر کرنے والے سماجی، اقتصادی، دینی اور سیاسی امور کا جائزہ لے گا اور ہر دور کے ادبی رجحانات اور مکاتب فکر کا تفصیلی ذکر کرے گا۔ تاریخ ادب کی اس صفت میں اجمال کے بجائے تفصیل اور عمومی احکام کے بجائے شعراء و ادباء کے آثار کا تجزیہ کیا جائے گا۔

گزشتہ صدی میں سائنس و تجربہ کے رجحان کا دباؤ جب ہر چیز پر بڑھا تو ادب اور تاریخ ادب کے مطالعہ کے لئے بھی اس کی روشنی میں اصول متعین کئے گئے۔ سینٹ بیو (SAINTE-BEUVE) ٹین (TAINE) اور برنٹیر (BRUNETIERE) کے نظریات اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

پھر بیسویں صدی کے اوائل میں علومِ انسانیہ (HUMANITIES) کی تاثیر و ترقی سے تاریخ ادب پر طبیعیاتی علوم کا دباؤ کم ہوا اور اسے تاریخ، قانون، سماجیات اور نفسیات کے ضمن میں داخل کیا گیا۔

ڈاکٹر شوقی ضیف نے اپنی تاریخ میں ادب کے خصوصی مفہوم کے پیش نظر اہم شخصیات اور ان کے ادبی کارناموں کا جائزہ لیا ہے اور تاریخ ادب کے سلسلہ میں جدید یورپین مؤرخین کے اصول و نظریات سے بھی استفادہ کیا ہے، ساتھ ہی ان کے بہت سے ان نظریات پر تنقید کی ہے جن کی دلائل سے تائید نہیں ہوتی۔

عربی ادب کی تاریخ کے ادوار

اکثر مؤرخین نے عربی ادب کی تاریخ کو پانچ بنیادی ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

۱ — دورِ جاہلیت، جس کا اطلاق اسلام سے پہلے کے زمانے پر ہوتا ہے۔

AsliAhleSunnet.com

۲۔ دورِ اسلام جو ظہورِ نبوی ؐ سے شروع ہو کر ۱۳۲ھ میں اموی حکومت کے زوال پر ختم ہوتا ہے۔ بعض مؤرخین نے اسلامی دور کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے: اوّل ابتدائے اسلام کا دور جو خلفائے راشدین کے دور کو شامل ہے، دوم اموی دور۔

۳۔ دورِ عباسیین، جو ۱۳۲ھ سے شروع ہو کر ۶۵۶ھ میں تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی پر ختم ہوتا ہے۔ بعض مؤرخین نے اس دور کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے: دورِ عباسی اوّل جو تقریباً ایک صدی کا زمانہ ہے۔ اور دورِ عباسی دوم۔ اور بعض مؤرخین نے عباسی دور کو تین حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصّہ تو اسی سو سالہ مدت پر مشتمل ہے، اور دورِ عباسی دوم ۳۳۴ھ میں ختم ہو جاتا ہے۔ جب کہ بغداد پر بنی بویہ کا غلبہ ہوا تھا، اور دورِ عباسی سوم ۳۳۴ھ سے شروع ہو کر تاتاریوں کے بغداد پر تسلط تک پہنچتا ہے۔

۴۔ چوتھا دور بغداد پر تاتاریوں کے قبضہ سے شروع ہو کر ۱۲۱۳ھ ۱۷۹۸ء میں مِصر پر فرانسیسیوں کے حملے پر ختم ہوتا ہے۔

۵۔ پانچواں دور جسے دورِ جدید کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ۱۷۹۸ء سے شروع ہو کر دورِ حاضر تک ممتد ہے۔

AsliAhleSunnet.com

پہلی فصل

جزیرۂ عرب کی قدیم تاریخ

۱۔ جزیرۂ عربیہ کے جغرافیائی حالات[1]

جزیرۂ عرب برّاعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اسے جزیرہ یا جزیرہ نما اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے تین طرف یعنی مغرب، مشرق اور جنوب میں سمندر واقع ہے۔ دنیا میں مسافت کے لحاظ سے اس جیسا کوئی دوسرا جزیرہ نما نہیں ہے۔ اس جزیرہ کے جنوب میں بحرِ ہند اور مشرق میں بحرِ عُمان و خلیج عرب ہے۔ شمال میں مغرب کی طرف اس کی سرحدیں فلسطین و شام سے اور مشرق کی طرف عراق اور الجزائر کے شہروں سے متصل ہیں۔

یونانی و رومی علمار جغرافیا نے جزیرہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ صحرائی حصہ، پتھریلا حصہ، صالح و مناسب حصہ۔ صحرائی حصہ کے حدود کی انھوں نے تعیین نہیں کی ہے لیکن ان کے کلام سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس سے وہ لوگ شمالی حصہ کا وہ صحرا مراد لیتے ہیں جو مغرب میں بلادِ شام سے متصل اور مشرق میں عراق و حیرہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی کے شمال میں تدمر کی سلطنت قائم تھی جس پر الزبار کے خاندان کی حکمرانی تھی۔ پتھریلے حصہ سے ان کی مراد جزیرہ نما سینار اور اس سے متصل پہاڑی

---

[1] اس موضوع پر مزید تفصیل کے لئے عربی جغرافیا کی عام کتابوں کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا: "تاریخ العرب قبل الاسلام" از جواد علی (مطبوعہ بغداد ج ۱ ص ۹۶ و مابعد) کتاب "تاریخ العرب" (مطول) از فیلیب حتی (عربی ترجمہ) ج ۱ ص ۱۵ و مابعد اور "قلب جزیرۃ العرب" از فواد حمزہ۔

AsliAhleSunnet.com

بلندیاں ہیں جو حجاز کے شمال اور بحیرہ مردار کے جنوب میں واقع ہیں، اسی حصہ میں نبطیوں کی سلطنت قائم تھی اور انہوں نے "سلع بطرا" شہر کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ صالح حصہ (العربیۃ السعیدۃ) کا اطلاق جزیرہ کے وسطی اور جنوبی حصہ پر ہوتا تھا۔

عرب جغرافیہ دانوں نے جزیرہ کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے: تہامہ، حجاز، نجد، عروض اور یمن۔

تہامہ بحیرۂ قلزم کے تنگ ساحلی حصہ کو کہتے ہیں، جنوب میں اسے تہامۃ الیمن کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ کہیں کہیں اس کی چوڑائی پچاس میل تک پہونچ گئی ہے۔ نشیبی زمین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قدیم عرب کے لوگ اسے غور کے نام سے یاد کرتے تھے، اس کی زمین ریتیلی اور گرم ہے، یمن اور حجاز میں حدیدہ، جدہ اور ینبع نامی بندرگاہیں اسی علاقہ میں واقع ہیں۔

حجاز تہامہ کے مشرق میں سراۃ کی پہاڑیوں کا سلسلہ شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا ہے، یہ حصہ تہامہ اور نجد کے مابین حد فاصل اور حجاز کے نام سے معروف ہے۔ اس علاقہ میں وادیوں اور آتش فشاں پہاڑوں کی کثرت ہے، اس کی زمین بھی ریتیلی ہے۔ چونکہ اس حصہ میں چشمے اور کنویں زیادہ پائے جاتے ہیں اس لئے مختلف بڑے گاؤں آباد ہیں۔ مثلاً مدینہ، وادی القریٰ فدک اور مدینۃ الحجر۔ اسی وادی کے گاؤں خیبر اور فدک میں یہود بھی آباد تھے جو شمال میں تیمار تک اور جنوب میں یثرب تک پھیلے ہوئے تھے۔ حجاز کے اہم شہروں میں مکہ مکرمہ ہے جس میں کعبہ تعمیر ہوا ہے۔ اسے اسلام سے قبل اہل مکہ نے اپنے بتوں کا مسکن بنایا تھا اور حج کیلئے یہاں جمع ہوتے تھے، مکہ کے بازاروں میں وہ خرید و فروخت بھی کیا کرتے تھے، مکہ سے ۷۵ میل جنوب مشرق میں طائف واقع ہے جہاں وادیوں اور کنوؤں کی کثرت کی وجہ سے ہر طرف شادابی ہی شادابی نظر آتی ہے۔ اس علاقہ میں قوم ثمود کے بہت سے آثار و نقوش دریافت ہوئے ہیں۔

نجد عربی زبان میں زمین کے بلند حصے کو "نجد" کہتے ہیں، اور پست کو "غور" یا "تہامہ" اسی وجہ سے سرزمین عرب کا وہ حصہ جس کے شمال میں ملک شام، مشرق میں عراق عرب و احسار، جنوب میں احقاف و یمامہ اور مغرب میں حجاز واقع ہے، نجد کے نام سے موسوم ہے۔

AsliAhleSunnet.com

یہ حصہ آب و ہوا کی خوبی، سرسبزی و پیداوار کے لحاظ سے بہ نسبت عرب کے دیگر حصوں کے بہتر ہے۔

نجد کا خطہ ایک وسیع خطہ ہے اور عرب کے دیگر حصوں کی بہ نسبت اس میں آبادی بھی زیادہ ہے، بجز بیابانوں کے سارا ملک بستیوں سے معمور ہے جن میں اس قدر قبائل بستے ہیں جن کا شمار مشکل ہے۔

نجد کے مشہور اضلاع یہ ہیں: حائل، القصیم، السدیر، الوشم، المحمل، العارض، الخرج، وادی الفرع، الافلاج، وادی الدواسر۔

نجد کے جنوب میں بلاد عسیر ہے جس میں مختلف بہادر اور جنگجو قبائل کی سکونت ہے۔ شرقِ نجد میں احسار اور قطیف واقع ہیں۔ یہ خط کی سرزمین ہے جو اپنے نیزوں کی خوبی کیوجہ سے عربی شاعری میں بے حد مشہور ہے۔[1]

عروض کا علاقہ یمامہ، بحرین اور اس سے متصل حصوں پر مشتمل ہے۔ یہ حصہ ظہورِ اسلام کے وقت مختلف گاؤں سے آباد تھا۔ مثلاً ہجر، سدوس اور منفوحۃ آخر الذکر گاؤں میں اعشیٰ کی قبر واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہیں پر طسم وجدیس کے قبیلے بھی آباد تھے۔ بحرین، بصرہ سے عمان تک پھیلا ہوا ہے، دورِ جاہلیت میں قبیلۂ عبد القیس یہیں آباد تھا۔ اس وقت یہ حصہ کویت، احسار، جزائر بحرین اور قطر پر مشتمل ہے۔ اس میں پانی کی کثرت ہے۔ اس کے قدیم شہروں میں ہجر اور قطیف ہے۔

یمن جزیرہ کی پانچویں قسم یمن ہے جس کا اطلاق پورے جنوبی علاقہ پر ہوتا ہے۔ حضر موت، مہرہ اور شحر اس میں شامل ہیں، یمن کے مشہور شہروں میں زبید، ظفار، صنعار، عدن اور نجران ہیں، وادیوں میں تبالہ اور بیشہ مشہور ہیں۔

مجموعی لحاظ سے جزیرہ کا موسم شدید گرم ہے، نجد کے حصہ میں گرمی میں بادِ سموم چلتی

---

[1] تاریخ نجد از حافظ اسلم جیراجپوری ص۵

AsliAhleSunnet.com

ہے جس سے جسم جھلس کر رہ جاتا ہے۔ مشرق سے چلنے والی ہوا جسے یہ لوگ صبا کے نام سے یاد کرتے ہیں، خوشگوار ہوتی ہے، اکثر شعرا اپنے کلام میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ عام طور پر بارش کم ہوتی ہے، البتہ گرمی میں جنوبی علاقہ میں بارش زیادہ ہوتی ہے، اسی طرح شمال مغرب میں جاڑے کے موسم میں بارش ہوتی ہے۔ یمن اور شمالی حجاز میں کبھی کبھی بارش کی وجہ سے سیلاب بھی آجاتا ہے۔ امرؤ القیس نے اپنے معلقہ میں تیمار کے قریب ایک سیلاب کا ذکر کیا ہے۔ پورے جزیرہ میں کہیں کوئی جھیل جھاڑی یا نہر وغیرہ نہیں ہے۔

جنوب، مشرق اور حجاز دیمامہ کے گاؤں میں کھیت اور پھل کے باغات بکثرت ہیں۔ جدید دور میں یمن قہوہ کے لئے اور طائف انگور کے لئے مشہور رہے۔ جزیرہ میں کھجور کے درختوں کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

حیوانات میں شعرا کے یہاں اونٹ، گھوڑے، بکریوں، ہرن، شتر مرغ، زرافہ، نیل گاؤ، شیر، بجو، بھیڑیئے اور چیتے وغیرہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ پرندوں میں چیل، کوا، کرگس، باز اور قطا کا ذکر آتا ہے، سانپ، بچھو اور گوہ وغیرہ کے نام بھی عربوں کے کلام میں جا بجا آئے ہیں۔

۲۔ سامی لوگ

"سامیین" کا لفظ مشرق وسطیٰ میں بسنے والی ان قوموں کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے جن کی لسانی قربت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اصل میں ایسے لہجات میں گفتگو کرتی تھیں جو باہم ایک دوسرے سے قریب تھے اور بعد میں الگ الگ زبان کی شکل اختیار کرلی، ان زبانوں کو اصطلاحاً سامی زبانوں کے نام سے یاد کیا جانے لگا ہے۔ یہ لفظ سام ابن نوح علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ جن کا تذکرہ توریت میں وارد ہوا ہے، اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سامی نام کی کوئی مخصوص قوم نہیں ہے بلکہ زبانوں کے ایک مجموعہ میں کچھ باہمی تعلقات یا مشترک امور ایسے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام زبانیں کسی ایک اصل سے پیدا ہوئی ہیں، کیونکہ ان میں افعال کے اصول، زمانے، کلمات کے اصول ضمائر، اور اعداد میں مشابہت ہے۔

علمائے لسانیات نے سامی زبانوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے، شمالی اور جنوبی۔ پھر

AsliAhleSunnet.com

شمالی قسم دو قسموں میں تقسیم ہے، مشرقی اور مغربی۔ مشرقی قسم کے ذیل میں اکادی زبان آتی ہے جو بابلی اور اشوری زبانوں پر مشتمل ہے۔ مغربی قسم میں اوجریتی، کنعانی اور آرامی زبانیں شامل ہیں کنعانی ہی سے فینیقی، عبری اور موابی زبانیں متفرع ہیں۔ جنوبی قسم عربی شمالی (فصحیٰ) اور عربی جنوبی اور حبشی میں تقسیم ہوئی ہے۔ عربی جنوبی یمن اور اس سے متصل علاقوں کی زبان ہے۔

سامیوں کی اصلی و قدیم سرزمین کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، کچھ لوگوں نے شمالی افریقہ یا صومالیہ، کچھ لوگوں نے وسط ایشیا یا آرمینیا، کچھ لوگوں نے شمالی شام اور کچھ لوگوں نے مابین النہرین کے علاقہ کو ان کا اصلی گہوارہ مانا ہے، لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ بعد کے ادوار میں یہ قومیں جزیرۂ عرب میں آباد ہو گئیں اور یہیں پر مشترکہ رہن سہن سے ملتی جلتی مذکورہ زبانوں کا وجود ہوا۔

چونکہ جزیرہ کی سرزمین خشک و قحط زدہ تھی اور آس پاس میں عراق، شام اور یمن کے علاقے سرسبز و شاداب تھے اس لئے یہاں سے مختلف اوقات میں لوگ ہجرت کر کے دوسرے حصوں میں آباد ہو گئے۔ اکدیین یعنی بابلی و اشوری لوگ ہجرت کر کے عراق گئے جہاں پر ان کی حکومت قائم ہوئی جسے مشرق وسطیٰ کی پہلی سامی حکومت کہا جاتا ہے، اس حکومت کے خاتمہ کے بعد چھوٹی چھوٹی کئی حکومتیں قائم ہوئیں۔ تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح میں بابل کی حکومت قائم ہوئی جس سے حالات میں توازن پیدا ہوا۔ اس حکومت کا مشہور بادشاہ حمورابی تھا جو اٹھارہویں صدی قبل مسیح میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا تھا، یہ بادشاہ ماہر سیاست اور قانون ساز تھا، تین سو سطروں کے ایک دفتر میں اس نے اپنا قانون مدون کیا تھا جو قدیم بابلی قانون کی نہایت صحیح ترجمانی کرتا ہے، اس حکومت میں سامی شخصیت قانون، شعر اور کہانیوں کے عروج کی وجہ سے نمایاں نظر آتی ہے۔

مابین النہرین کے علاقہ میں جو اشوری لوگ ہجرت کر کے آئے تھے ان کی تاریخ چودہویں صدی قبل مسیح سے واضح ہوتی ہے، ایک زمانہ میں نینویٰ ان کا دارالحکومت تھا اور فوجی اعتبار سے ان کی حکومت مضبوط تھی۔ شام، ایشیائے کوچک اور بابل پر اس کا قبضہ تھا۔ ان کے

AsliAhleSunnet.com

دور میں علومِ طب، فلکیات، ریاضیات اور ادب کو ترقی ہوئی تھی۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں "میدیوں" کے نینوی پر قبضہ کے بعد بابل میں کلدانیوں کی حکومت قائم ہوئی (۶۲۶ - ۵۳۸ ق م) ان لوگوں کو علم فلک میں بہت شہرت حاصل تھی۔ انہی کے بادشاہ بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ کیا تھا۔ لیکن جلد ہی ۵۳۸ق م میں کورش کی قیادت میں ایرانیوں نے انھیں زیر کرلیا، پھر حالات میں تبدیلی ہوئی اور چوتھی صدی قبل مسیح میں اسکندر مقدونی نے مشرق وسطیٰ پر قبضہ کرلیا اور اس طرح اکدیوں (بابلی واشوری لوگوں) کی تاریخ کا یہ ورق پلٹ گیا۔

جزیرۂ عرب سے نکلنے والا دوسرا گروہ کنعانیوں کا تھا جو دو ہزار سال قبل مسیح سے شام اور بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل پر آباد ہونا شروع ہوگیا تھا، اور صیدا، صور، جبیل اور بیروت وغیرہ تجارتی شہروں کی بنیاد ڈالی تھی، اس گروہ میں سے ساحل پر رہنے والوں کو یونانی لوگ فینیقیین کے نام سے یاد کرتے تھے، ان لوگوں نے افریقہ، ایشیائے کوچک اور اندلس میں اپنی نو آبادیاں قائم کی تھیں، یہی لوگ خط ابجدی کے موجد مانے جاتے ہیں اور انھیں سے یہ چیز پوری دنیا میں پھیلی، اسی کنعانی گروہ سے عبریوں کا بھی تعلق ہے جو تیرہویں صدی قبل مسیح سے فلسطین میں آباد ہیں، ساتویں صدی قبل مسیح میں اشوریوں نے ان کی شمالی مملکت پر قبضہ کرلیا تھا، اور چھٹی صدی قبل مسیح میں بخت نصر نے ان کے دارالحکومت اورشلیم کو تباہ کرکے انھیں بابل کی طرف بھگا دیا تھا، ان کی زبان پر جلد ہی آرامی زبان کا غلبہ ہوگیا لیکن دینی تعلیمات کی حد تک ان کی زبان باقی رہی۔

جزیرۂ عرب سے ہجرت کرنے والا تیسرا گروہ آرامیوں کا ہے، جو تقریباً پندرہ سو قبل مسیح میں جزیرہ سے نکلا اور صحرائے شام و عراق، خلیج عقبہ اور فرات کے جنوبی حصہ میں آباد ہوا، اس نے بابل اور خلیج عربی کے مابین ایک حکومت بھی قائم کی تھی جو کلدہ کے نام سے معروف تھی اور اسی سے کلدانیوں کا نام ماخوذ ہے، یہی لوگ تیرہویں صدی قبل مسیح میں شمال میں دجلہ و فرات کی سرزمین کی طرف منتقل ہوگئے، فینیقیین سے تعلق کی وجہ سے آرامیوں نے انہی کے ابجدی حروف اختیار کرلئے اور اپنی زبان کو انہی حروف میں لکھنے لگے، ایرانیوں اور رومیوں کے مابین

AsliAhleSunnet.com

جنگ کا میدان یہی علاقہ تھا، اس لئے آرامی لوگ ان دونوں تہذیبوں سے متاثر ہوئے اور اس علاقہ میں یہی لوگ ایرانی، رومی، بابلی، اشوری اور فینیقی تہذیبوں کے وارث بنے، انجیل بھی آرامی زبان میں لکھی گئی تھی کیونکہ حواریین عیسی اسی زبان کو استعمال کرتے تھے۔ اسی زبان کے اہم لہجوں میں سریانی زبان تھی جسے عیسائیوں نے اپنی ادبی زبان کے طور پر اختیار کیا تھا، رُہا (فیما بین النہرین) اور جندیسابور وغیرہ کے مدارس میں یونانی زبان کے ساتھ ساتھ سریانی میں بھی طب وطبیعیات کی تعلیم ہوتی تھی، یہ زبان اپنے مختلف لہجات کے ساتھ مشرق وسطیٰ میں اسلام کی آمد تک ایک زندہ زبان کی حیثیت سے باقی تھی، جب اسلام آیا تو قرآن کی زبان نے اس زبان کو ختم کردیا اور اسوقت یہ صرف بعض حلقوں میں معروف ہے۔

ہجرت کرنے والا آخری گروہ جنوبی عرب کے لوگوں کا گروہ ہے، جو جنوب کی طرف بحرِ ہند کے ساحل کی جانب ہجرت کر کے گئے، بظاہر یمن میں بسنے والے گروہ افریقی ساحل کی جانب ہجرت کر کے بقصد تجارت گئے تھے اور وہاں ایک مملکت قائم کی تھی، جس کے اور جنوبی عرب کے لوگوں کے مابین مسلسل لڑائیوں کا سلسلہ قائم تھا جو ۵۲۵ء میں جنوبی عرب کے لوگوں کی حکومت کے خاتمہ کی صورت میں ختم ہوا، اس مملکت کے حکام نے چوتھی صدی عیسوی سے عیسائی مذہب قبول کرلیا۔[۱]

۳۔ اہلِ جنوب

قدرتی اعتبار سے ملک عرب دو بڑی قسموں میں تقسیم ہے جن کے بیچ میں وسیع صحرا واقع ہے، اس طرح دونوں قسموں کی زندگی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے، جنوب کے لوگ متمدن ہیں اور شمال کے لوگ دیہاتی طرز زندگی سے آشنا اور بارش کے رحم وکرم پر جینے کے لئے مجبور، جنوب میں تمدن کا پتہ عظیم الشان عمارتوں، عبادت گاہوں اور قلعوں سے چلتا ہے، اسی وجہ سے اس علاقے میں کھیت اور باغات کی کثرت تھی، ان

---

[۱] سامی قوموں اور ان کے وطن اوّل کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے۔ تاریخ العرب قبل الاسلام از جواد علی ج ۱ ص ۱۴۵ ومابعد، تاریخ العرب از فلیپ حتی ج ۱ ص ۸ ومابعدہا اور مقدمۃ فی تاریخ الحضارات القدیمہ از طہٰ باقر (دوسرا ایڈیشن) ج ۱ ص ۱۱۵، ج ۲ ص ۲۳۲-۳۰۶۔

AsliAhleSunnet.com

لوگوں کی عراق، شام اور مصر والوں سے وسیع پیمانے کی تجارت بھی ہوتی تھی۔

اہل جنوب کے بارے میں بہت مختصر معلومات حاصل ہیں، عہد قدیم، بعض مصری و بابلی آثار اور یونانی و رومی مؤرخین و سیاحوں کے یہاں دھندلے سے اشارے ملتے ہیں، عربوں نے اسلام کے بعد ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس پر داستان کا رنگ غالب ہے۔ گزشتہ صدی کے وسط تک ان کی تاریخ واضح نہیں تھی، علماء مغرب نے مختلف پتھروں، ہیکلوں اور برج وغیرہ پر خط مسند میں لکھے ہوئے نقوش کو پڑھنے اور حل کرنے کی کوشش کی، یہ نقوش سامی زبان میں لکھے گئے تھے، جو حبشی اور شمالی عربی سے قریب تھی، اسی سے معینی و سبائی دو لہجے نکلے تھے۔

ان نقوش کے ذریعہ ماہرین کو جنوبی عرب کے تمدن، مذاہب، معبودوں، نظام حکومت اور بادشاہوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں، ان ماہرین نے مذکورہ نقوش کی مدد سے یہ متعین کیا کہ جنوب میں پانچ سلطنتیں قائم تھیں، ایک معین جس کا دارالحکومت یمن کے وسط میں معین تھا، دوم جنوب میں سبا جس کا دارالحکومت مأرب تھا، سوم اس کے جنوب مغرب میں مملکت قتبان جس کا دارالحکومت تمنع تھا، چہارم قتبان کے جنوب میں مملکت اوسانیہ تھی، پنجم مملکت حضرموت جس کا دارالحکومت شبوہ تھا، شمالی حجاز میں پائے جانے والے نقوش سے پتہ چلتا ہے کہ معینی لوگوں کا اہل شمال سے تجارتی تعلق تھا اور بعد میں یہ اہل شمال کے طرز و طور سے متاثر ہو گئے تھے اور اس طرح یہ بھی متعین ہو جاتا ہے کہ جنوب کا تمدن انہی کے ذریعہ شمال تک پہونچا۔

ساتویں صدی قبل مسیح میں سبئیوں کو معینیوں پر غلبہ حاصل ہو گیا، ان کا دارالحکومت مأرب تھا، یہاں کے مشہور بند کی تباہی اور ملکہ بلقیس کا سلیمان علیہ السلام کے ساتھ واقعہ مشہور ہے، پھر جنوب کی حکومت پر اہل ظفار کا قبضہ ہو گیا جو حمیری کہلاتے تھے، اس علاقے سے متعلق نقوش سے یہ پتہ چلتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی سے شمال کے لوگ اور دوسرے اعرابی یہاں آکر آباد ہو گئے، کہیں کہیں ان کی زبان ملک کی اصل زبان پر غالب آگئی تھی، اس طرح جنوب کے جو عرب ہجرت کر کے شمال گئے تھے ان پر اہل شمال کی زبان کا غلبہ تھا، اور اسی وجہ سے آخری

AsliAhleSunnet.com

ہموار ہوا۔ کا راستہ پر غلبہ زبان عربی کی جنوب کے لئے زبان عربی کی شمال میں جاہلی دور

اسی دوران جزیرۂ عرب میں یہودیت کا نفوذ بڑھا، کیونکہ پہلی صدی عیسوی میں رومن بادشاہوں نے یہودیوں کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنالیا تھا، جنوب میں نصرانی نفوذ کی وجہ سے پانچویں صدی میں اہل نجران نے نصرانیت کے نئے مذہب کو قبول کرلیا، حمیری بادشاہوں کو یہ ڈر تھا کہ ان کے علاقہ میں نصرانیت کی اشاعت بیزنطینیوں کے قبضہ کے لئے راستہ ہموار کرسکتی ہے، اس لئے انہوں نے اس کی مخالفت کی، انہیں حبشہ کے نصرانی بادشاہوں سے بھی خوف تھا کہ نصرانیت کی راہ سے وہ ملک پر قابض ہوسکتے ہیں۔ اس موڑ پر یہودیت ونصرانیت میں سخت کشمکش پیدا ہوئی، حتیٰ کہ آخری حمیری بادشاہ ذونواس نے جو یہودی مذہب کا پیرو تھا، نجران کے نصرانیوں کو ختم کرنا چاہا، اس کے نتیجہ میں بیزنطہ نے نجاشی کو یمن پر چڑھائی کے لئے مجبور کیا، اس نے ۵۲۵ء میں حملہ کرکے اسے اپنے قلمرو میں داخل کرلیا۔ یہ قبضہ تقریباً پچاس سال تک قائم رہا۔ آخرکار یمن والوں نے ایرانیوں سے مدد طلب کی اور حبشیوں کو یمن سے نکال دیا، ایرانی لوگ ۶۲۸ء تک یمن میں رہے، ان کے گورنر باذان نے جب اسلام قبول کرلیا تو جنوبی عربوں کی قدیم تاریخ کا یہ باب ختم ہوا۔

گزشتہ سطور سے یہ بات تقریباً واضح ہوچکی ہوگی کہ قدیم عربی تمدن کی تاریخ میں جنوبی عرب کے لوگوں کا کردار نمایاں تھا اور یہ تمدن خالص عربی تمدن تھا، اس میں کسی طرح کا کوئی خارجی اثر یا دخل نہ تھا، اہلِ جنوب کا اپنا نظامِ حکومت، قانون ودستور تھا اور فنِ تعمیرات میں انہیں خاص کمال حاصل تھا، یہ لوگ سیارات فلکیہ اور ستاروں کو معبود سمجھتے تھے، اہلِ شمال میں ستاروں کی پرستش یہیں سے آئی ہے، یہ لوگ چاند، سورج اور زہرہ کا ایک ثالوث بنائے ہوئے تھے جس پر ستارہ پرستی کی بنیاد تھی، معینی لوگ چاند کو وُد کہتے تھے اور یہ ان کا سب سے بڑا معبود تھا، سورج کو اس کی زوجہ سمجھتے تھے اور اسے لات کے نام سے یاد کرتے تھے، اور ان دونوں سے عشتر یا عزیٰ یعنی زہرۃ یا وینس کی پیدائش ہوئی تھی، ان تین معبودوں کے علاوہ ان کے کچھ دوسرے معبود بھی تھے۔

ان کے دینی ادب کے بارے میں یہ خیال ہے کہ وہ بہت وسیع تھا لیکن اسلام کے بعد وہ

AsliAhleSunnet.com

سب ختم ہوگیا جس طرح کہ شمال کے دینی ادب کا خاتمہ ہوگیا۔ اہل جنوب ہجرت کر کے جب شمال آئے تو اپنے ساتھ اپنا مذہب و تمدن بھی لے آئے اور اہل شمال پر اس کا گہرا اثر پڑا، گو کہ ظہورِ اسلام تک یہ لوگ ایک علیحدہ عنصر کی حیثیت سے معروف تھے، انھیں قحطانی یا یمنی کہا جاتا تھا، جب کہ اہل شمال عدنانی یا نزاری کہے جاتے تھے، اسلام میں قحطانی قبائل کے حالات کا مطالعہ کرنے والے یہ بات سمجھ سکتے تھے کہ ان قبائل میں نظام سے محبت تھی جب کہ نزاری لوگ اس چیز کو ناپسند کرتے تھے[1]۔

۴۔ اہلِ شمال اس سے وہ عدنانی عرب مراد ہیں جو حجاز و نجد میں سکونت پذیر تھے، ان کے قبائل شام و عراق تک پھیلے ہوئے تھے، ان کی زندگی بدویانہ اور عام طور پر اونٹ اور بکریوں کی پرورش پر منحصر تھی، اسی وجہ سے وہ کسی خاص جگہ جم کر رہ نہیں سکتے تھے۔ اقصائے شمال میں شام و عراق کے مابین کسی زمانہ میں ان کی ایک سلطنت کا پتہ چلتا ہے، جسے دَوْمَۃ الجندل میں انہوں نے قائم کیا تھا اور یہ اشوریوں کے زیرِ اثر تھی۔

مختلف دلائل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شمالی عرب کے لوگ ولادت مسیح سے پیشتر کسی سیاسی وحدت کے ماتحت جمع نہیں تھے، خود ان کی سرزمین کے حالات ایسے تھے جس کی وجہ سے یہ ٹولیوں میں بٹے ہوئے زندگی بسر کرتے تھے، کسی ایسی تحریک یا مذہب سے بھی ان کا واسطہ نہیں تھا جو انہیں ایک حکومت کے زیرِ اثر جمع کر دے۔ تیما میں جو مدائن صالح کے شمال میں واقع ہے، کچھ آرامی نقوش ملے ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس علاقہ میں پانچویں صدی قبل مسیح میں ایک آرامی تجارتی نوآبادی قائم تھی، معینیوں کی ایک نوآبادی شمالی حجاز کے ایک مقام "العلا" میں قائم تھی۔ اسکے باشندے جنوبی عرب سے تعلق رکھتے تھے، ان کی تجارت سلع و بطرا" میں نبطی حکومت کے قیام تک رواج پذیر تھی، تیسری صدی قبل مسیح میں شمالی جزیرہ میں نبطیوں کی عربی ریاست قائم ہوئی تھی،

---

[1] عربوں کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں دیکھئے "تاریخ العرب قبل الاسلام" از جواد علی ج ۱ ص ۱۴۹، اور اہل جنوب کی تاریخ کے لئے دیکھئے، کتاب "التاریخ العربی القدیم" ترجمہ فواد حسنین علی۔

AsliAhleSunnet.com

اس ریاست کے لوگ اہل جنوب سے سامان تجارت وغیرہ لے کر شام ومصر جاتے تھے۔ "بطرا" ان کا دار الحکومت تھا، یونانیوں کے یہاں یہ نام اسی طرح وارد ہوا ہے اور شاید یہ توریت میں وارد شدہ نام "سلع" کا ترجمہ ہے۔ جنوب میں حجر (مدائن صالح) اور شمال میں بصرہ ان کا دار الحکومت تھا۔

گمان یہ ہے کہ نبطی لوگ نجد سے شمالی حجاز نہیں آئے تھے، بلکہ بادیۂ شام سے آئے تھے، اور ایک ترقی یافتہ تمدن کی بنیادیں استوار کرنے میں کامیاب ہوئے تھے جس کے آثار بطرا میں موجود ہیں۔ ان کی حکومت تقریباً چار صدی تک قائم تھی، یعنی تیسری صدی قبل مسیح سے دوسری صدی عیسوی کے اوائل تک بطالسہ اور رومانیوں سے ان کے تعلقات اچھے تھے لیکن ٹائیٹس کے عہد میں یہودی فتنہ نے سر اٹھایا تو رومانیوں نے ان کی آزادی سلب کرلی اور ان کی حکومت کو ۱۰۶ء میں رومن حکومت میں شامل کرلیا۔

مملکتِ تدمر میں دوسری و تیسری صدی عیسوی کے مابین شمالی عرب کے لوگوں کا ظہور ہوا، اس علاقہ میں انھیں کا تسلط تھا، البتہ اس کے اکثر باشندے آرامی تھے۔ رومیوں اور ایرانیوں میں جب شدید کشمکش جاری تھی تو اس وقت تدمر کی سلطنت خاموش اور غیر جانب دار تھی جس سے اسے مزید تقویت حاصل ہوئی اور یہ ایک اہم تجارتی مرکز بن گئی۔ اس مملکت کو اتنی تقویت حاصل ہوئی کہ اس کا ایک بادشاہ اذینہ پورے ملک شام پر قابض ہوگیا اور رومیوں نے بھی اسے مشرق کا بادشاہ تسلیم کرلیا، لیکن اس کی لڑکی زنوبیا (الزباء) کے عہد میں رومیوں نے بیوفائی کی اور زنوبیا سے جنگ کر کے ۲۷۲ء میں اسکی حکومت ختم کردی اور تدمر کو تباہ و برباد کردیا۔ اسکے بعد پھر اس کو کبھی وجود نہیں حاصل ہوا لیکن عربوں کے حافظہ میں ملکہ اور اسکے باپ کی سیرت باقی رہ گئی گو اس پر داستانی رنگ غالب آچکا تھا جس سے اس کی تاریخی حیثیت مجروح ہوگئی تھی۔[1]

---

[1] اہل شمال کی تاریخ کے لئے دیکھئے "تاریخ العرب قبل الاسلام" از جواد علی ج ۱ ص ۲۲، ص ۳۷، ج ۲ ص ۲۷ و مابعد ۳ ص ۵ ومابعد ص ۲۳ ومابعد۔

AsliAhleSunnet.com

کتبات اور عربی کتابت کی ابتدار

جزیرۂ عرب کے جنوب و شمال اور وسط میں جتنے پتھر بھی دریافت ہوئے ہیں ان پر کوئی نہ کوئی یادگار تحریر ضرور ملی ہے، جسے یا تو پیشہ ور خطاطوں نے کندہ کیا ہے یا پھر مویشی چرانے والے یا دوسرے قبائل کے افراد نے۔ ان کتبوں پر عام طور سے دیوتاؤں کے نام ہیں جن سے یہ التجا کی گئی ہے کہ وہ ہماری حفاظت کریں، یا تقرب کے لئے ان کے سامنے جو کچھ نذر و نیاز پیش کی گئی ہے اس کا ذکر ہے، یا قبروں پر مردوں اور ان کے قبیلوں کے نام اور کارناموں کا تذکرہ ہے، اور کہیں کہیں بعض قوانین و شرائع کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

سامی اقوام کے علاقوں میں اس طرح کے کتبے عام طور سے دریافت ہوئے ہیں اور ان کی وجہ سے ماہرین سامیات علمار کو ان اقوام کی تاریخ کے اکتشافات اور سامی زبانوں کی کیفیات، خصائص اور ارتقار کا مطالعہ کرنے میں آسانی پیدا ہوئی ہے۔ ان کتبوں کی مدد سے ہر چیز کی تفصیل فراہم ہو گئی ہے اور اس دور کے بہت سے دینی و ادبی پہلو سامنے آگئے ہیں۔

عراق میں اکدی لوگ "خط مسماری یا اسفینی" میں لکھتے تھے، اور یمن جنوب "خط مسند" میں جس سے حبشی خط اور شمالی عرب کے قدیم لہجات لحیانی، ثمودی اور صفوی کے خطوط وجود میں آئے ہیں۔ لحیانیوں کا قبیلہ شمالی عرب سے متعلق تھا اور اس کی رہائش مقام "العلا" میں تھی، اس قبیلہ کے لوگ حرف تعریف کے لئے "ال" کے بجائے "ہ" استعمال کرتے تھے۔ ان کی تاریخ میں اختلاف ہے بعض ماہرین اس کی ابتدار قبل مسیح کی صدیوں سے کرتے ہیں، اور بعض لوگ بعد مسیح سے، اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ پانچویں صدی عیسوی میں قبیلۂ ہذیل میں ضم ہو گئے تھے۔ ہمدانی نے انھیں قبیلۂ جرہم کے باقی ماندہ لوگوں میں شمار کیا ہے، شاید وہ اس طرح ان کا تعلق یمنیوں سے قائم کرنا چاہتا ہے جس کے یہ لوگ حمایتی تھے، قوم ثمود کی تاریخ پیدائش مسیح سے چند صدی بیشتر سے متعلق ہے، یہ لوگ حضرت مسیح کی پیدائش کے بعد بھی زندہ تھے، اور ان کے مکانات حجر (مدائن صالح) میں موجود تھے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کسی بڑی مصیبت کا شکار ہو گئے تھے اور انہیں طوفان و زلازل نے گھیر لیا تھا، قرآن کریم میں مذکور ہے کہ (فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جَاثِمِيْنَ)

AsliAhleSunnet.com

یعنی ان کو زلزلہ نے آلیا پس اپنے گھروں میں بیٹھے بیٹھے مر گئے" ان کے چھوڑے ہوئے بہت سے کتبات دریافت ہوئے ہیں جو "خط مسند معینی" میں لکھے ہوئے ہیں، لحیانیوں اور صفویوں کی طرح یہ لوگ بھی تعریف کے لئے "ال" کے بجائے "ہ" استعمال کرتے تھے۔

صفوی کتبات جبل دروز اور ارض صفا کے ٹیلوں کے مابین واقع "حرۃ" میں دریافت ہوئے ہیں صفویین کے لفظ سے کوئی قوم یا قبیلہ نہیں مراد ہے، بلکہ علاقہ صفا میں دریافت ہونیوالے کتبات کے لئے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، یہ کتبے خط معینی میں لکھے گئے ہیں، اور ثمودی ولحیانی کی طرح یہ بھی ایک قدیم عربی لہجہ یا زبان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے کتبات کا تعلق سن عیسوی کی ابتدائی صدیوں سے ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لکھنے والے بدویت وحضریت سے مخلوط ایک زندگی بسر کر رہے تھے، کچھ مویشی چراتے تھے، کچھ کاشتکاری کرتے تھے، ان کے پاس کھیت وغیرہ تھے، اور کچھ کا تجارت سے بھی تعلق تھا۔

صفوی، ثمودی اور لحیانی تمام کتبات عربی زبان کے ہیں، انھیں خط معینی جنوبی میں لکھا ضرور گیا ہے، لیکن لسانی خصوصیتیں قریب قریب وہی ہیں جو قرآن کی عربی زبان کی ہیں، حرف تعریف اور بعض لغوی صفات میں اختلاف ضرور ہے لیکن اس سے شمال کی عربی زبان کے ان مراحل کا پتہ چلتا ہے جن سے وہ گزری ہے، اس میں بہت سے افراد، آلہہ اور اصنام کے نام بھی آگئے ہیں۔

ان نقوش وکتبات کے علاوہ نبطی خط میں لکھے ہوئے کچھ دوسرے نقوش بھی دریافت ہوئے ہیں، یہ دار الحکومت بطرا، حجر اور بصریٰ میں زیادہ پائے گئے ہیں، ان نقوش کا تعلق تیسری صدی عیسوی تک سے ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبطی لوگ اس کے بعد عربوں میں ضم ہو گئے، اور روزمرہ کی بات چیت کے لئے عربی زبان اختیار کر لی، لیکن آرامیوں کے ساتھ تجارتی تعلقات کی بنیاد پر ان کے حروف تہجی کو اختیار کر لیا اور اسی میں اپنی زبان لکھنے لگے، اسی وجہ سے بعض محققین انھیں بھی آرامیوں کے ساتھ شمار کرتے ہیں لیکن یہ متعین ہے کہ یہ عرب اور عربی زبان بولنے والے لوگ تھے۔

AsliAhleSunnet.com

جب ان نبطیوں کی حکومت ختم ہو گئی اور یہ نجد و حجاز میں پھیل گئے تو عرب کے شیوخ و امراء نے لحیانی، ثمودی اور صفوی خط چھوڑ کر نبطیوں کا خط اختیار کر لیا اور اسی سے اپنے کتبات وغیرہ لکھنے لگے، جلد ہی نبطی آرامی خط ترقی کر کے عربی خط بن گیا اور اسی میں قرآن کی کتابت ہوئی۔ مسلم مورخین کے یہاں بعض ایسی روایتیں ملتی ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عربی خط حیرۃ میں پیدا ہوا اور یہاں سے مکہ و حجاز میں آیا لیکن حجاز میں جو کتبات اور نقوش دریافت ہوئے ہیں اس سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی، کیونکہ حجاز وغیرہ میں پائے جانے والے کتبات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خط آرامی نے نبطی کی اور نبطی نے عربی کی شکل اختیار کی ہے۔ یہ بات معروف ہے کہ اسلام سے کچھ پہلے حیرۃ عیسائی مذہب پر عامل تھا اور وہاں پر سریانی ثقافت کا دور دورہ تھا، یہ لوگ سریانی خط میں جو عیسائیوں کا خط تھا، لکھتے تھے، ایسی صورت میں یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی، کہ اہل حیرۃ نبطی خط کو ترقی دے کر اس سے عربی خط نکالیں گے، کیونکہ نبطی خط کا تو ان کے یہاں رواج ہی بہت کم تھا، یہ شمالی حجاز کے بت پرستوں کے یہاں رائج تھا۔ مسلم مورخین کی روایتوں میں اس وہم کی بنیاد یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ کوفی خط کو کوفہ میں رواج و ترقی حاصل ہوئی تھی اس لئے انہوں نے یہ سوچ لیا ہو گا کہ اسی ماحول میں عربی خط بھی وجود میں آیا ہو گا اور اسے حیرۃ میں نشو و نما حاصل ہوئی ہو گی۔

لیکن صحیح خیال یہ ہے کہ عربی خط کو خود حجاز میں ترقی ملی، چونکہ یہاں پر تجارت کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اہل حجاز نے اولاً معینی خط اختیار کیا جو لحیانی، ثمودی اور صفوی خطوط میں بدلتا رہا، پھر جب نبطیوں کی سلطنت قائم ہوئی تو انہوں نے آرامی خط کو اختیار کر کے اسے ترقی دی۔ ان کی سلطنت کے زوال کے بعد پورے جزیرہ میں یہ لوگ پھیل گئے اور انہی کے ساتھ ساتھ ان کا نبطی خط بھی رواج پذیر ہوا، اس وقت میں اہل حجاز نے معینی خط چھوڑ کر نبطی خط اختیار کر لیا جو مختلف مراحل سے گزر کر عربی خط میں تبدیل ہو گیا۔

یہ بات کسی فرض و قیاس کی بنیاد پر نہیں کہی جا رہی ہے بلکہ ماہرین سامیات نے نقوش و کتبات کی مدد سے یہ رائے قائم کی ہے اور انہیں حجاز کے شمال اور دمشق جانے کیلئے

AsliAhleSunnet.com

تجارتی قافلوں کے راستوں میں ایسے نقوش و کتبات کا سراغ ملا ہے جن سے صاف طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبطی خط نے بہت جلد عربی خط کی شکل اختیار کرلی تھی، بہرصورت عربی خط نبطی خط سے پیدا ہوا اور عربوں کے بت پرستانہ ماحول ہی میں اسے چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں اس کی آخری شکل ملی، یہ خط کوفی خط سے پوری طرح مختلف و ممتاز ہے، کوفی خط مستدیر اشکال میں لکھا جاتا ہے، اس خط کا وطن حجاز ہی ہے اور یہیں سے اسے رواج و اشاعت ملی ہے [1]

---

[1] اس موضوع پر دیکھیے خلیل یحییٰ نامی کا مضمون "اصل الخط العربی و تاریخ تطورہ الی ما قبل الاسلام" مطبوعہ مجلۃ کلیۃ الآداب بجامعۃ القاہرہ ج ۳ عدد ۱۔ "تاریخ العرب قبل الاسلام" از جواد علی ۱/۱۰؛ ۳/۲۲۳، ۴؛ ۷/۳۶؛ و "تاریخ الادب العربی" از بلاشیر، ترجمہ ابراہیم الکیلانی (دمشق) ج ۱ ف

AsliAhleSunnet.com

دوسری فصل

جاہلی دور

ا۔ زمانہ کی تعیین عام طور پر ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ "دورِ جاہلیت" سے ماقبل اسلام کا پورا زمانہ مراد ہے، اور اس کا اطلاق پیدائش مسیح سے قبل و مابعد کی جزیرۂ عرب کی تاریخ پر یکساں طور سے ہوتا ہے۔ لیکن عربی ادب سے بحث کرنے والے علماء کے یہاں اس دور میں اتنی وسعت نہیں ہے، بلکہ وہ اس سے بعثتِ نبویؐ سے صرف ڈیڑھ سو سال پہلے کا زمانہ مراد لیتے ہیں، جس میں عربی زبان کے خصائص و امتیازات کی تکمیل ہوئی اور جس دور کے اشعار ہم تک پہونچ سکے ہیں، جاحظ نے اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے واضح طور پر لکھا ہے کہ "عربی شاعری نسبتاً کم سن ہے" سب سے پہلے اس کی راہ میں تعیین اور اس فن کی تسہیل کرنے والوں میں امرؤ القیس بن حجر اور مہلہل بن ربیعہ کا نام آتا ہے۔ عربی شاعری کا جائزہ لینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمر ظہورِ اسلام کے وقت تقریباً ڈیڑھ سو سال کی تھی، اور کچھ اور بڑھایا جائے تو دو سو سال کہا جا سکتا ہے[1]

جاحظ کا یہ خیال اس کی دقتِ نظر کا غماض ہے، کیونکہ عربی شاعری کی اس سے پہلے کی تاریخ نامعلوم ہے، بلکہ خود اہلِ شمال کی تاریخ میں ایک طرح کا غموض اور پوشیدگی موجود ہے، اور اسی بنیاد پر یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ تاریخِ ادب میں دورِ جاہلیت سے اسلام سے پہلے کی ڈیڑھ سو سالہ مدت مراد ہے، جس دور کی شاعری اور زبان کا نمونہ ہم تک پہونچا ہے اور جسمیں عربی خط کو اکی

---

[1] الحیوان للجاحظ (مطبوعہ حلبی) ج ا ص ۷۴

AsliAhleSunnet.com

آخری شکل حاصل ہوئی، اور اس سے پہلے کے زمانہ کو جاہلیت اولیٰ کا نام دیا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد لفظ "جاہلیت" کے مفہوم کی تعیین کا سوال سامنے آتا ہے۔ یہ لفظ اس جہل سے نہیں ماخوذ ہے جو علم کی ضد اور نقیض کے طور پر استعمال ہوتا ہے، بلکہ یہ جہل بمعنی بیوقوفی، غصہ اور تیزی سے ماخوذ ہے اور اس کے مقابل "اسلام" کا لفظ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری، اس کے سامنے عاجزی اور عمدہ اخلاق پر دلالت کرتا ہے، یہ لفظ قرآن کریم، حدیث نبوی اور جاہلی اشعار میں بھی حمیت، طیش اور غضب کے معنی میں آیا ہے، سورہ بقرہ میں ہے (قَالُوْا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا؟ قَالَ: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ) وہ بولے کیا تو ہم سے مسخری کرتا ہے، موسیٰؑ نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جاہل بننے سے۔ سورۂ اعراف میں ہے (خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ) تو درگزر کی خو کر اور نیک کام بتلا اور جاہلوں سے علیحدہ رہ۔ سورۂ فرقان میں ہے (وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا) رحمٰن کے نیک بندے وہ لوگ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں اور جاہل لوگ جب ان کا سامنا کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔ حدیث نبوی میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے اس وقت فرمایا تھا جب انہوں نے ایک شخص کو اس کی ماں کی وجہ سے عار دلائی تھی کہ (اِنَّكَ امْرُؤٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ) یعنی تیرے اندر جاہلیت کی خو ہے۔ عمرو بن کلثوم تغلبی کے معلقہ کا شعر ہے کہ ؎

اَلَا لَا يَجْهَلَنْ اَحَدٌ عَلَيْنَا ۔۔۔ فَنَجْهَلَ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِيْنَا

(خبردار ہمارے ساتھ کوئی حماقت نہ کرے، ورنہ ہم اس کا جواب اس سے بڑی حماقت سے دیں گے)

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قدیم وقت سے اس لفظ کو سفاہت، طیش اور حماقت کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے، اسی طرح اس کا اطلاق اسلام سے ماقبل کے زمانہ پر اور اس دور کی بت پرستی اور ان اخلاق پر بھی ہوتا تھا جن کی بنیاد حمیت، انتقام اور دین حنیف کی حرام کی ہوئی مہلکات کے ارتکاب پر تھی۔

AsliAhleSunnet.com

۲۔ شمال کی عرب ریاستیں یعنی غساسنہ، مناذرۃ اور کندۃ

ان ریاستوں کی ابتداء کے بارے میں کوئی واضح بیان ہمارے پاس موجود نہیں، رومیوں نے جب تدمر کا خاتمہ کیا تو یہ ریاستیں صفحۂ تاریخ پر نمودار ہوئیں۔ پانچویں صدی عیسوی سے پہلے کی ان کی تاریخ میں غموض پایا جاتا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رومیوں اور ان کے بیزنطینی خلفاء نے شام میں غسانیوں کی ریاست قائم کی تھی جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ بدویوں کی لوٹ پاٹ سے یہ محفوظ رہ سکیں اور اہل فارس اور ان کے حلیفوں کے ساتھ جنگ میں یہ ریاست رومیوں کی مدد کر سکے، اسی طرح فارس کے بادشاہ ساسانیوں نے مناذرہ کی حکومت قائم کی تھی جو بدویوں کی لوٹ پاٹ سے ساسانیوں کو محفوظ کرنے کے ساتھ ہی رومیوں، بیزنطینیوں اور غسانیوں کے خلاف جنگ میں شاہان فارس کا ساتھ دیتی تھی، ان دونوں ریاستوں کے درمیان نجد کے شمال میں کندۃ کی ریاست قائم کی تھی جو شاہان یمن یعنی سبا، ذی ریدان اور یمنات کی حامی تھی۔

غسانیوں[1] کے بارے میں عرب ماہرین انساب کا خیال ہے کہ وہ یمنی اصل کے تھے، جنوب کے ان عربوں سے ان کا تعلق تھا جو دوسرے قبائل کے ساتھ ہجرت کر کے شمال میں آ بسے تھے مثلاً جذام، عاملہ، کلب اور قضاعہ، ان کی ریاست اردن کے مشرق میں قائم تھی، انھوں نے اپنا کوئی خاص دار الحکومت نہیں بنایا تھا، مختلف اوقات میں جولان، جلولار اور جلق انکے دار الحکومت تھے۔

عرب مؤرخین کا خیال ہے کہ اس خاندان کا بانی جفنہ بن عمرو مزیقیار تھا، اور اسی وجہ سے انھیں "آل جفنہ" بھی کہا جاتا ہے، تاریخی اعتبار سے ان کا پہلا بادشاہ جس کے واقعات پر اطمینان کیا جا سکتا ہے جبلہ ہے، جس نے سنہ ۴۹۷ء میں فلسطین پر چڑھائی کی تھی۔ اس کے بعد

---

[1] غسانیوں کے بارے میں دیکھیے "تاریخ سنی ملوک الارض والانبیاء" از حمزہ الاصفہانی، "کتاب امراء غسان" از نولدکہ عربی ترجمہ از قسطنطین زریق و بندلی جوزی، "تاریخ العرب قبل الاسلام" از جواد علی ۴/ ۱۱۰، "محاضرات فی تاریخ العرب" از صالح احمد العلی ۱/ ۴۴، "تاریخ سوریۃ ولبنان وفلسطین" از فلیپ حتی ۱/ ۴۲۶۔

AsliAhleSunnet.com

اس کا بیٹا حارث (۵۲۸ - ۵۶۹) حاکم ہوا جس کا دور حکومت غسانی تاریخ کا عہد زریں کہا جاتا ہے، اس کی حکومت بطرا سے رصافہ تک پھیل گئی تھی، غسانی چوتھی صدی عیسوی سے نصرانی ہو گئے تھے، حارث کے بعد اس کا بیٹا منذر (۵۶۹ - ۵۸۱) تخت نشین ہوا جو عقیدۃً بیزنطینیوں سے مختلف تھا، انہوں نے موقع پا کر اسے سسلی میں جلاوطن کر دیا، اس وقت نعمان کی قیادت میں اس کے بیٹوں نے رومیوں اور بیزنطینیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا، لیکن ۵۸۴ء کے قریب اس کا بھی وہی انجام ہوا، اسی وقت سے غسانیوں کی وحدت ختم ہو گئی اور ان کی ریاست کے مختلف ٹکڑے ہو گئے جن پر چھوٹا بڑا کوئی حاکم مقرر ہو گیا، ان حکام میں حارث اصغر کا نام زیادہ مشہور ہے، حارث کے بیٹوں نعمان اور عمرو کی فوجی قوت بہت زیادہ تھی، نابغہ ذبیانی نے اپنے اشعار میں دونوں کی مدح کی ہے۔

عمرو بن حارث اصغر ہی حسان بن ثابت کا بھی ممدوح تھا، یہ اس کے اور دوسرے غسانی حکام کے پاس جایا کرتے تھے، عمرو کی تعریف میں ان کا مشہور و طویل قصیدہ ہے جس میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

اَوْلَادُ جَفْنَةَ حَولَ قَبرِ اَبِیهِم　　قَبرِ ابنِ مَارِیَةَ الکَرِیمِ المُفْضِلِ

بِیضُ الوُجُوهِ کَرِیمَةٌ اَحسَابُهُم　　شُمُّ الاُنُوفِ مِنَ الطِّرَازِ الاَوَّلِ

(جفنہ کی اولاد اپنے باپ ابن ماریہ کی قبر کے گرد ہے جو صاحب فضل و سخاوت تھا، یہ لوگ روشن چہرے، عمدہ نسب اور اونچی ناک والے اول درجہ کے لوگ ہیں۔)

بعد کے دور میں غسانیوں کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ انتہائی ناز و نعمت کی زندگی بسر کرتے تھے، حسان بن ثابت، جبلہ بن الایہم کی ایک مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: اس مجلس میں دس لونڈیاں تھیں، پانچ رومی جو رومی بربت پر گا رہی تھیں اور پانچ دوسری اہل حیرہ کا نغمہ سنا رہی تھیں، اس کے پاس مکہ وغیرہ کے عرب مغنی بھی آیا کرتے تھے، جب یہ شراب نوشی کے لئے بیٹھتا تو اس کے نیچے مختلف قسم کے پھول بچھا دیئے جاتے تھے۔ سونے چاندی کے پیالوں میں عنبر و مشک گھول دی جاتی اور مختلف قسم کے بخور و عطریات کا استعمال کیا جاتا تھا۔ جس

AsliAhleSunnet.com

مجلس میں اس کے ساتھ بیٹھتا تھا جسے اس دن کی اپنی خلعت وہ دے دیا کرتا تھا[1]۔

شام میں غسانیوں کی طرح عراق میں مناذرۃ[2] آباد تھے۔ ان کا تعلق قبیلہ لخم سے تھا اور علماء انساب کے بیان کے مطابق یہ اصل میں یمن کے رہنے والے تھے۔ یہ اور بعض دوسرے عرب قبائل عراق میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ غسانیوں کے مقابلہ میں ان کی تاریخ نسبتاً واضح ہے۔ اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ ان کا تعلق اہل فارس سے تھا اور ان کے بادشاہوں نے اپنی تاریخ مدون کر لی تھی اور انہیں سے عربوں نے بھی یہ چیز لی، لیکن ابن الکلبی کا خیال ہے کہ انکی تاریخ حیرۃ کے عبادت خانوں اور گرجوں سے ماخوذ ہے۔

عراق میں فروکش ہونے والے یہ عرب شروع میں خیموں میں زندگی بسر کرتے تھے پھر موجودہ نجف شہر کے جنوب مشرق کے ایک گاؤں میں منتقل ہو گئے جو دریائے فرات سے سیراب ہونیوالے ایک تروتازہ علاقہ میں آباد تھا، اس گاؤں کا نام حیرۃ تھا، جو سریانی لفظ "حرتا" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس کا معنی ہے خیمہ یا کیمپ، جلد ہی ساسانیوں کا مناذرۃ سے تعلق قائم ہو گیا اور انہوں نے بدوؤں کی لوٹ پاٹ سے حفاظت کے لئے مناذرۃ کو حیرۃ پر تسلط دیدیا "رومیوں" بیزنطینیوں اور شام کے عرب غسانیوں کے خلاف لڑائیوں میں بھی ان سے مدد لینا مقصود تھا۔ مناذرۃ ہی کا ایک بادشاہ نعمان الاعور تھا جس نے خورنق و سدیر نامی مشہور قصر تعمیر کرائے تھے۔ تجارت و زراعت کی عمدگی و رواج کی وجہ سے مناذرۃ کی زندگی پُرسکون و باعیش تھی، مرفہ الحالی میں ان کا مقام غسانیوں سے آگے تھا، اسی وجہ سے ان کے قدم بھی زیادہ مضبوط تھے اور تہذیب و تمدن میں ان کا دخل زیادہ تھا۔

مناذرۃ کی تاریخ کا سب سے شاندار دور المنذر بن ماء السماء (تقریباً ۵۱۴-۵۴ء)

---

[1] اغانی (ساسی) ۱۶/۱۴۔

[2] مناذرۃ کی تاریخ کیلئے دیکھئے: "تاریخ العرب قبل الاسلام" از جواد علی ۴/۵، ۱۱۷، "تاریخ العرب (مطول)" از حتی ۱/۱۰۷، "محاضرات فی تاریخ العرب" از صالح احمد العلی ۱/۵۔

AsliAhleSunnet.com

کا دور مانا جاتا ہے، منذر اور ایرانی بادشاہ قباذ کے تعلقات کچھ خراب ہو گئے تھے، جسکا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ قباذ نے مزدکیت کو سرکاری دین قرار دیا تھا اور اسی مذہب کو منا ذرۃ سے بھی منوانیکی کوشش کر رہا تھا، منذر نے انکار کر دیا تو منذر کو معزول کر کے اس کی جگہ حارث بن عمرو کندی کو اقتدار سونپ دیا، لیکن جلد ہی قباذ کی وفات ہو گئی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا کسریٰ انوشروان تخت نشین ہوا، یہ مزدکیت کا مخالف تھا اس لئے اس نے دوبارہ منذر کو حیرۃ کا حاکم بنا دیا، اسکے بعد منذر اور حارث کندی میں طویل لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کے نتیجہ میں دونوں فریق نیست و نابود ہو گئے۔

منذر کے بعد اس کا بیٹا عمرو بن ہند (۵۵۴ - ۵۶۹ء) تخت نشین ہوا، بعض روایتوں کے مطابق حیرۃ کا گرجا اسی کی ماں (ہند) کی طرف منسوب ہے، جو ممکن ہے نصرانی مذہب کی پابند رہی ہو، لیکن خود عمرو بت پرست تھا اور ظالم بھی، اس کے ظلم ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے:

أَبَى القلبُ أَن يهوىٰ السَّدِيرَ وأَهلَهُ ۔۔۔ وَإِن قِيلَ عَيشٌ بِالسَّدِيرِ غَرِيرُ
بِهِ البَقُّ والحُمّىٰ وأُسْدُ خَفِيَّةٌ ۔۔۔ وعَمرُو بنُ هندٍ يعتدِي ويَجُورُ

(دل سدیر اور سدیر والوں کی محبت پر آمادہ نہیں، اگرچہ وہاں کی زندگی دل فریب بتائی جاتی ہے۔ وہاں پر کھٹمل، بخار اور خفیہ شیر ہیں اور وہیں ظالم و جابر عمرو بن ہند بھی ہے۔)

اس کے ظلم و استبداد ہی کی وجہ سے بہت سے شعراء اس کی ہجو کیا کرتے تھے، طرفہ اور متلمس کے ساتھ اس کا واقعہ مشہور ہے، اس کی طرف کچھ اشعار بھی منسوب ہیں، اس کے دور میں حیرۃ ایک بڑا ترقی یافتہ ادبی مرکز بن گیا تھا، کیونکہ یہ شعراء کو بہت زیادہ انعامات و اکرامات سے نوازتا تھا، اس کے دربار میں آنے والے شعراء عمرو بن قمیئہ، مسیب بن علس، حارث بن حلزۃ

لہ اغانی (ساسی) ۲۱ / ۱۲۶۔

AsliAhleSunnet.com

اور عمرو بن کلثوم کا نام آتا ہے۔ مشہور ہے کہ آفر الذکر کے ہاتھوں عمرو بن ہند کی موت ہوئی کیونکہ اس کے دربار میں عمرو بن کلثوم کی ماں لیلیٰ کی توہین ہوئی تھی۔

عمرو کے بعد حیرۃ کی حکومت قابوس پھر منذر رابع کے ہاتھ میں آئی لیکن دونوں کی حکومت مختصر تھی۔ ان کے بعد منذر رابع کے بیٹے ابو قابوس نعمان سوم (۵۸۰-۶۰۲ء) کا دور شروع ہوا۔ اس کی نشوونما عدی بن زید عبادی کے عیسائی خاندان میں ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے نعمان نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ حیرہ کے بت پرست بادشاہوں میں یہ پہلا شخص تھا، جس نے نصرانی مذہب قبول کیا تھا۔ اس کا اقتدار بحرین و عمان تک پھیلا ہوا تھا۔ عمرو بن ہند کی طرح یہ بھی شعراء نواز تھا۔ اوس بن حجر، منخل یشکری، لبید، مثقب عبدی اور حجر بن خالد وغیرہ شعراء اس کے دربار میں آیا کرتے تھے۔ یہی بادشاہ نابغہ ذبیانی کا بھی ممدوح تھا۔ غسانیوں سے نابغہ کے تعلق کی وجہ سے نعمان اس سے کچھ ناراض تھا۔ نابغہ نے اپنے قصیدوں کا ایک مجموعہ اسکے پاس بطور معذرت ارسال کیا جنہیں جاہلی شاعری کا بہترین نمونہ مانا جاتا ہے۔ انھیں قصیدوں میں سے ایک قصیدہ کا شعر ہے:

نُبِّئْتُ اَنَّ اَبَا قَابُوسَ اَوْعَدَنِي وَلَا قَرَارَ عَلٰى زَأْرٍ مِنَ الْاَسَدِ

(مجھے خبر ملی ہے کہ ابو قابوس نے مجھے دھمکی دی ہے، شیر کی دھاڑ پر کسی کو قرار و سکون نہیں حاصل ہو سکتا۔)

بیان کیا جاتا ہے کہ نعمان نے عدی بن زید کو قتل کر دیا تھا جس سے شاہ ایران کسریٰ دوم تنگ آگیا اور نعمان کو قید کرنے کے بعد قتل کر دیا۔ اس کے بعد ایرانیوں نے اس خاندان کے کسی آدمی کو حیرۃ کا حاکم نہیں بنایا بلکہ ایاس بن قبیصہ طائی کو اقتدار عطا کیا۔ نعمان کی حمایت میں قبیلۂ بکر، ایاس اور ایرانیوں کے خلاف باغی ہو گیا اور جنگ ذی قار میں دونوں کو زبردست شکست دی۔ اس وقت سے حیرۃ کے حالات میں اعتدال نہیں پیدا ہو سکا، یہاں تک کہ ۶۳۳ء میں خالد بن ولید نے اس پر قبضہ کر لیا۔

عربوں کے قصے کہانیوں اور اشعار میں حیرۃ اور اسکے حاکموں کا خاصا تذکرہ موجود ہے۔

AsliAhleSunnet.com

کا دور مانا جاتا ہے، منذر اور ایرانی بادشاہ قباذ کے تعلقات کچھ خراب ہو گئے تھے، جسکا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ قباذ نے مزدکیت کو سرکاری دین قرار دیا تھا اور اسی مذہب کو مناذرۃ سے بھی منوانیکی کوشش کر رہا تھا، منذر نے انکار کر دیا تو منذر کو معزول کر کے اس کی جگہ حارث بن عمرو کندی کو اقتدار سونپ دیا، لیکن جلد ہی قباذ کی وفات ہو گئی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا کسریٰ انوشروان تخت نشین ہوا، یہ مزدکیت کا مخالف تھا اس لئے اس نے دوبارہ منذر کو حیرۃ کا حاکم بنا دیا، اسکے بعد منذر اور حارث کندی میں طویل لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کے نتیجہ میں دونوں فریق نیست و نابود ہو گئے۔

منذر کے بعد اس کا بیٹا عمرو بن ہند (۵۵۴ - ۵۶۹ء) تخت نشین ہوا بعض روایتوں کے مطابق حیرۃ کا گرجا اسی کی ماں (ہند) کی طرف منسوب ہے، جو ممکن ہے نصرانی مذہب کی پابند رہی ہو، لیکن خود عمرو بت پرست تھا اور ظالم بھی، اس کے ظلم ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے:

أَبَى القلبُ أَن يهوىٰ السَّدِيرَ وأَهْلَهُ ... وَإِنْ قِيلَ عَيشٌ بِالسَّدِيرِ غَرِيرُ

بِهِ البَقُّ والحمّىٰ وأُسْدٌ خَفِيَّةٌ ... وعَمرُو بنُ هندٍ يعتدِي وَيجورُ

(دل سدیر اور سدیر والوں کی محبت پر آمادہ نہیں، اگرچہ وہاں کی زندگی دل فریب بتائی جاتی ہے۔ وہاں پر کھٹمل، بخار اور خفیہ شیر ہیں[1] اور وہیں ظالم و جابر عمرو بن ہند بھی ہے۔)

اس کے ظلم و استبداد ہی کی وجہ سے بہت سے شعراء اس کی ہجو کیا کرتے تھے، طرفہ اور متلمس کے ساتھ اس کا واقعہ مشہور رہے، اس کی طرف کچھ اشعار بھی منسوب ہیں، اس کے دور میں حیرۃ ایک بڑا ترقی یافتہ ادبی مرکز بن گیا تھا، کیونکہ یہ شعراء کو بہت زیادہ انعامات و اکرامات سے نوازتا تھا، اس کے دربار میں آنے والے شعراء عمرو بن قمیئہ، مسیب بن علس، حارث بن حلزۃ

---

[1] اغانی (ساسی) ۲۱/۱۲۶۔

AsliAhleSunnet.com

اور عمرو بن کلثوم کا نام آتا ہے، مشہور ہے کہ آخر الذکر کے ہاتھوں عمرو بن ہند کی موت ہوئی کیونکہ اس کے دربار میں عمرو بن کلثوم کی ماں لیلیٰ کی توہین ہوئی تھی۔

عمرو کے بعد حیرۃ کی حکومت قابوس پھر منذر رابع کے ہاتھ میں آئی لیکن دونوں کی مدت حکومت مختصر تھی، ان کے بعد منذر رابع کے بیٹے ابو قابوس نعمان سوم (۵۸۰-۶۰۲ء) کا دور شروع ہوا، اس کی نشو و نما عدی بن زید عبادی کے عیسائی خاندان میں ہوئی تھی، اسی وجہ سے نعمان نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا، حیرہ کے بت پرست بادشاہوں میں یہ پہلا شخص تھا، جس نے نصرانی مذہب قبول کیا تھا، اس کا اقتدار بحرین و عمان تک پھیلا ہوا تھا، عمرو بن ہند کی طرح یہ بھی شعراء نواز تھا، اوس بن حجر، منخل یشکری، لبید، مثقب عبدی اور حجر بن خالد وغیرہ شعراء اس کے دربار میں آیا کرتے تھے، یہی بادشاہ نابغہ ذبیانی کا بھی ممدوح تھا، غسانیوں سے نابغہ کے تعلق کی وجہ سے نعمان اس سے کچھ ناراض تھا، نابغہ نے اپنے قصیدوں کا ایک مجموعہ اسکے پاس بطور معذرت ارسال کیا جنہیں جاہلی شاعری کا بہترین نمونہ مانا جاتا ہے، انھیں قصیدوں میں سے ایک قصیدہ کا شعر ہے:

نُبِّئْتُ اَنَّ اَبَا قَابُوسَ اَوْعَدَنِیْ وَلَا قَرَارَ عَلٰی زَاْرٍ مِنَ الْاَسَدِ

(مجھے خبر ملی ہے کہ ابو قابوس نے مجھے دھمکی دی ہے، شیر کی دھاڑ پر کسی کو قرار و سکون نہیں حاصل ہو سکتا۔)

بیان کیا جاتا ہے کہ نعمان نے عدی بن زید کو قتل کر دیا تھا، جس سے شاہ ایران کسریٰ دوم تنگ آگیا اور نعمان کو قید کرنے کے بعد قتل کر دیا، اس کے بعد ایرانیوں نے اس خاندان کے کسی آدمی کو حیرۃ کا حاکم نہیں بنایا بلکہ ایاس بن قبیصہ طائی کو اقتدار عطا کیا، نعمان کی حمایت میں قبیلۂ بکر، ایاس اور ایرانیوں کے خلاف باغی ہو گیا اور جنگ ذی قار میں دونوں کو زبردست شکست دی، اس وقت سے حیرۃ کے حالات میں اعتدال نہیں پیدا ہو سکا، یہاں تک کہ ۶۳۳ء میں خالد بن ولید نے اس پر قبضہ کر لیا۔

عربوں کے قصے کہانیوں اور اشعار میں حیرۃ اور اسکے حاکموں کا خاصا تذکرہ موجود ہے،

AsliAhleSunnet.com

غریّین نامی گرجوں اور خُوَرنق و سَدِیر کے محلات، اسی طرح جذیمۃ الابرش وغیرہ بادشاہوں کے بارے میں طرح طرح کی داستانیں مشہور ہیں۔ غسانیوں کے مقابلہ میں مناذرۃ کو حکمرانی کے آداب روایات سے زیادہ واقفیت معلوم ہوتی ہے، ان کا دائرۂ اقتدار غسانیوں کے مقابلہ میں زیادہ وسیع تھا اور شعراء نعمان بن منذر اور دوسرے بادشاہوں سے یہ امید قائم کرتے تھے کہ بادشاہ انکے ملک پر حملہ یا چڑھائی نہ کرے۔

مختلف دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام سے کچھ پہلے حیرہ میں زندگی بہت ترقی یافتہ تھی اور یہاں کے اکثر باشندے عرب قبیلوں سے متعلق تھے، انہی کے ساتھ عبادی خاندان کے نصرانی بھی آباد تھے، جن میں عرب وغیر عرب سب شامل تھے، کچھ یہودیوں کے وجود کا بھی پتہ چلتا ہے، حیرہ ایک بڑی تجارتی منڈی کی حیثیت سے مشہور تھا جسکی وجہ سے تہذیب و تمدن کو یہاں عروج حاصل ہوا تھا۔

حیرہ و غسانہ کی حکومتوں کے مابین نجد کے شمال میں کندۃ[1] کی حکومت قائم تھی جس کے حکام بظاہر اہل یمن کے حامی نظر آتے تھے، ماہرین انساب غسانیوں اور مناذرۃ کی طرح انھیں بھی جنوب سے متعلق مانتے ہیں، ان کا ایک بڑا حصہ ظہور اسلام تک حضرموت میں اپنے اصلی مساکن میں آباد تھا، کتبات و نقوش سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کندی ریاست چوتھی صدی عیسوی میں قائم ہوئی تھی۔

پانچویں صدی عیسوی میں اس حکومت کا سب سے مشہور بادشاہ حُجر گزرا ہے جس کا لقب آکل المُرار تھا، اس نے نجد میں شمالی قبائل کو اپنے زیر اقتدار کر لیا تھا اور یمامہ تک اس کا اثر و نفوذ پھیلا ہوا تھا، بتایا جاتا ہے کہ بکر و تغلب بھی اس کے زیر فرمان ہو گئے تھے۔ حجر کے بعد اس کا بیٹا عمرو تخت نشین ہوا، اس کے دور میں بکر و تغلب کے دونوں قبیلے باغی ہو گئے، پھر ان میں آپس

---

[1] کندہ اور وہاں کے حکام کے بارے میں دیکھئے، اولنڈر کی 'THE KINGS OF KINDA'، تاریخ العرب قبل الاسلام' از جواد علی ۳/ ۲۱۵، ۲۷۳، محاضرات فی تاریخ العرب الصالح احمد العلی ۱/ ۶۸، تاریخ العرب (مطول) از فیلیب حتی ۱/ ۱۱۴۔

AsliAhleSunnet.com

میں جنگ و جدال کا سلسلہ شروع ہو گیا جو چالیس سال تک جاری رہا، یہ لڑائی تاریخ میں "حرب بسوس" کے نام سے مشہور ہے۔

عمرو کے بعد اس کا بیٹا حارث حاکم ہوا، اس کے عہد میں کندۃ کی حکومت اوج کمال کو پہنچ گئی تھی، نجد کے قبائل اس کے فرمانبردار بن گئے، اور بکر و تغلب بھی جنگ سے تنگ ہو کر اسکی پناہ میں آ گئے تھے اور اس نے دونوں قبیلوں میں صلح کرا دی تھی اور اپنے بیٹوں میں شرحبیل کو بکر کا، معدیکرب کو تغلب کا، حجر کو اسد کا اور سلمہ کو قیس عیلان کا محافظ و نگراں مقرر کر دیا تھا۔ بیزنطینی حکومت سے اس نے ایک معاہدۂ صلح بھی طے کیا تھا، مناذرۃ پر فوج کشی کا ارادہ بھی اس نے کیا تھا، اس کی بھی منذر بن ماء السماء کے عقد میں تھی، اس کا اقتدار اس قدر عروج پر تھا کہ شاہ ایران قباذ نے منذر کو معزول کر کے حارث کو حیرۃ کا حاکم بنا دیا تھا لیکن جلد ہی قباذ کی وفات کے بعد یہ منصب پھر منذر کو مل گیا، منذر نے حارث کو میدانِ جنگ میں شکست دے کر اسے قتل کر دیا اور اس کے بیٹوں میں اختلاف کا بیج بو دیا جس کے نتیجہ میں شرحبیل و سلمہ میدانِ جنگ میں کام آ گئے اور معدیکرب پاگل ہو گیا، امرؤ القیس کے باپ حجر کے خلاف قبیلۂ اسد نے بغاوت کر دی، امرؤ القیس نے باپ کی سلطنت کو واپس حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن منذر نے اسے بھی ناکام بنا دیا، امرؤ القیس کے اشعار میں ابن ماء السماء اور اصحاب حیرۃ کے خلاف بے پناہ نفرت کا جذبہ پایا جاتا ہے، دوسری طرف بنی اسد کا شاعر عبید بن ابرص اپنے اشعار میں امرؤ القیس پر طنز کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے باپ کا ملک واپس نہیں لے سکا۔

۳۔ مکہ اور حجاز کے دوسرے شہر

یمن اور شام کے مابین تجارتی قافلوں کی راہ کے درمیان جبل سراۃ کی ایک وادی میں شہر مکہ واقع ہے اسے ہر طرف سے چٹیل پہاڑیوں نے گھیر رکھا ہے، قرآن نے اس کو بے آب و گیاہ وادی کا ایک حصہ بتایا ہے، مکہ جاہلی دور میں تجارتی قافلوں کی اہم گزرگاہ اور جاہلی بت پرستی کا سب سے بڑا دینی مرکز تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ گزشتہ دور میں جرہم کے قبائل اور امم بائدہ کے لوگ یہاں آباد تھے، پھر یہاں قبیلۂ خزاعہ بھی آباد ہوا جو یمنی قبائل کے ساتھ ہجرت کر کے شمال آیا تھا ہو سکتا ہے اس قبیلہ

AsliAhleSunnet.com

کی ہجرت کا مقصد مکہ جیسے تجارتی مرکز پر قبضہ کرنا رہا ہو، پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں یہاں قصیٰ اور قبیلۂ قریش کا غلبہ ہوا اور انہوں نے قبیلۂ خزاعہ کو وہاں سے نکال دیا، صحیح طور پر قریش کی اصل معلوم نہیں کہ ان کا تعلق نجدیوں سے ہے یا عرب نبطیوں سے جو رومیوں کے حملوں کی وجہ سے پسپا ہوگئے تھے، حبش کے عیسائیوں نے جب یمن پر چڑھائی کی تو اس سے قبیلۂ قریش کو تقویت حاصل ہوئی کیونکہ تمام عرب میں بت پرستوں کے دل اس کی طرف مائل ہوگئے، شمال وجنوب کا مالدار طبقہ دشمنوں کے ڈر سے اس دور افتادہ مرکز میں جمع ہوگیا، یمن میں حبشہ کے حاکم ابرہہ نے ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء میں مکہ پر تسلط کی کوشش کی لیکن اس کا حملہ بری طرح ناکام ہوگیا، اس واقعہ کے بعد عربوں کے دل میں مکہ کی عظمت بڑھ گئی اور وہ مکہ کو اپنی آزادی اور عزت وقوت کا رمز تصور کرنے لگے۔

مکہ کی تجارتی و دینی اہمیت ہی کی وجہ سے قریش کو تمام عربوں کی سرداری و زعامت کا منصب حاصل تھا، مکہ میں تجارتی منڈیوں کے ساتھ ہی ادبی محفلیں بھی منعقد ہوا کرتی تھیں جن میں شعراء اپنا کلام پیش کیا کرتے تھے، اس طرح ایک وسیع ادبی تحریک کا وجود عمل میں آچکا تھا اور قریش کے زبان ولہجہ کو اس کی دینی حیثیت اور تجارتی سفر کی وجہ سے شہرت و برتری حاصل ہوگئی تھی اور وہ ادب عالیہ کی زبان بن گئی تھی، مکہ میں شیوخ واصحاب اقتدار کی ایک جماعت بھی موجود تھی جو دار الندوہ میں جمع ہو کر تجارتی و دینی امور پر غور وفکر کیا کرتی تھی، اس جماعت کے ممبران چالیس سال سے زائد عمر کے ایسے افراد ہوا کرتے تھے جن کا تعلق مال دار وسردار گھرانوں سے ہوتا تھا، مکہ کے دو گھرانے یعنی اموی ومخزومی زیادہ مال دار مانے جاتے تھے، بہت سے عربوں کی نظر میں سرداران قریش کا درجہ غسانیوں بلکہ کسریٰ وآل کسریٰ سے زیادہ تھا اور شعراء ان کی داد ودہش کے حصول کے لئے ان کی تعریف کرتے تھے، عبد اللہ بن جُدعان کی مدح میں امیۃ بن ابی الصلت کا قصیدہ مشہور ہے۔

اس طرح مکہ جاہلی دور کا سب سے اہم عربی شہر تھا جہاں عرب ثواب وامن کی غرض سے اکٹھا ہوا کرتے تھے، قبیلۂ قریش کے لوگ اپنی مالداری اور رومیوں اور ایرانیوں سے

AsliAhleSunnet.com

تعلق کی بنیاد پر با عیش و عشرت زندگی بسر کرتے تھے۔ گرمیاں طائف میں اور جاڑے جدہ میں گزارتے تھے، جدِّ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) عبد المطلب کے بارے میں منقول ہے کہ انھیں بہترین جوڑوں میں دفن کیا گیا تھا جن کی قیمت ہزار مثقال سونا تھی[1]۔ لامنس نے مکہ کو جمہوریہ قرار دیا ہے، لیکن یہ مبالغہ ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ مختلف قبائل ایک نوعیت کے اتحاد میں مربوط تھے اور ہر قبیلہ کو پوری آزادی حاصل تھی، اسی طرح قبیلہ کی چھوٹی شاخوں کے سرداروں پر مشتمل ایک مجلس ہوتی تھی جس کا کام یہ ہوتا تھا رسم و رواج کے مطابق معاملات کا فیصلہ کرے۔ اس طرح اسلام سے پہلے مکہ میں جو نظام معروف تھا اس کی رو سے ہر فرد کو مکمل آزادی حاصل تھی اور ساتھ ہی اس پر کچھ اجتماعی حقوق بھی ہوا کرتے تھے جس سے اس کی آزادی متاثر نہیں ہوتی تھی۔

مکہ سے جنوب مشرق میں ۷۵ میل کی دوری پر شہر طائف واقع ہے، سطح سمندر سے اس کی بلندی تقریباً چھ ہزار فٹ ہے، سبزہ زاروں اور باغات کی وجہ سے یہ شام کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے، سطح سمندر سے بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے اس کی آب و ہوا بیحد خوشگوار ہے اسی لئے لوگ یہاں پر گرمی گزارا کرتے ہیں، بعض کہانیوں کی بنیاد پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ شہر قوم ثمود کی یادگار ہے، ہوسکتا ہے یہ داستان صحیح ہو کیونکہ ممکن ہے اس قوم کی شمال میں حکومت ختم ہونے کے بعد یہ لوگ طائف چلے آئے ہوں۔

مکہ کے شمال میں تین سو میل کی دوری پر شہر یثرب واقع ہے جس کا تذکرہ بطلیموس کے جغرافیہ اور معینی کتبوں میں وارد ہوا ہے، یہ شہر ایک تر و تازہ وادی میں واقع ہے جسے پہاڑیاں گھیرے ہوئے ہیں، کنوؤں اور چشموں کی کثرت کی وجہ سے کھجور وغیرہ کے درختوں اور کھیتوں کی کثرت ہے، گرمی کے علاوہ عام دنوں میں موسم معتدل رہتا ہے، گرمی کبھی کبھی تیز ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی مکہ سے کم ہی رہتی ہے۔

---

[1] تاریخ الیعقوبی (مطبوعہ یورپ) ۲/۱۳۔

AsliAhleSunnet.com

منقول ہے کہ مدینہ یا یثرب کے اوّلین باشندے عمالقہ ہیں، دوسری صدی عیسوی میں فلسطین میں جب یہودیوں پر رومیوں کے مظالم بڑھے تو وہ بھی مدینہ میں آکر آباد ہو گئے، خیال ہے کہ انہی لوگوں نے اس کا نام "مدینہ" رکھا تھا جو آرامی لفظ "مدینتا" کی تبدیل شدہ شکل ہے، یہ لوگ اسلام کے ظہور تک اپنے آبائی دین پر قائم تھے اور روزمرہ کی زندگی میں عربی زبان استعمال کرتے تھے، البتہ دینی مراسم کے لئے عبرانی زبان ہی استعمال کرتے تھے، زید بن ثابت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا[1] یہودیوں میں عربی زبان کے کئی شعراء بھی پیدا ہوئے جیسے کعب الاشرف[2] وغیرہ۔

جنوب سے ازدی قبائل یعنی اوس و خزرج کے مدینہ پہونچنے تک یہودیوں کو مدینہ پر تسلط حاصل تھا، جب یہ دونوں قبیلے ہجرت کر کے یہاں پہونچے تو انہی کو مدینہ پر تسلط حاصل ہو گیا، شمال کی عربی زبان کو انہوں نے اپنی زبان بنا لیا تھا، مذہبًا یہ بت پرست تھے اور مکہ جا کر حج کیا کرتے تھے، مکہ والوں کی طرح ان کا اعتماد تجارت پر نہ تھا بلکہ باغبانی و کاشتکاری سے کسب معاش کرتے تھے، اور یہودی لوگ صنعت و دستکاری خصوصًا اسلحہ اور کپڑوں کی صنعت سے متعلق تھے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں عیسائی مذہب بھی معروف تھا کیونکہ سیرۃ میں مذکور ہے کہ ایک شخص عبد عمرو بن صیفی نے قریش کے ساتھ حضورؐ کے خلاف جنگ میں حصّہ لیا تھا، یہ جاہلیت میں راہب بن گیا تھا اور ٹاٹ پہننا شروع کر دیا تھا[3]۔

مختلف دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ اوس و خزرج کی زندگی خیموں والے بدوؤں کی زندگی سے مختلف نہیں تھی، بدوی قبائل کی طرح جنگ وجدال میں یہ بھی ہمیشہ الجھے رہتے تھے، ممکن ہے اپنی اسلحہ کی تجارت کو فروغ دینے اور ان بت پرست قبائل کو کمزور بنانے کیلئے یہودی ایسی سازش

---

[1] البلاذری (مطبوعہ یورپ) ۴۷۴۔

[2] مدینہ میں یہودی شعراء کیلئے دیکھئے، سیرۃ ابن ہشام، طبقات الشعراء لابن سلام اور اغانی ۱۹ر۹۴، ۱۰۶۔

[3] سیرۃ ابن ہشام (طبعۃ الحلبی) ۲ر۲۴۳۔

AsliAhleSunnet.com

کرتے رہے ہوں جس سے ان قبائل کی باہمی جنگ کا خاتمہ مشکل بن گیا ہو، تاریخ و ادب کی کتابوں میں ان کی بہت سی لڑائیوں کا ذکر ہے مثلاً یوم سمیر، یوم حاطب، یوم السرارۃ، یوم البقیع، یوم الفجار اور یوم بعاث وغیرہ۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان قبائل کی باہمی جنگ انھیں نابود کر دے گی، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہونچنے کے بعد یہ جنگ بند ہوئی اور دونوں قبیلے پرسکون زندگی بسر کرنے لگے۔

مدینہ کے شمال میں یہودیوں کے کچھ مخصوص شہر تھے جیسے خیبر، فدک اور تیمار جہاں یہ رہا کرتے تھے، پھر حضرت عمرؓ نے اپنے دور حکومت میں انھیں جزیرۂ عرب سے باہر نکال دیا، خیال کیا جاتا ہے کہ مذکورہ شہروں کے یہودی بھی مدینہ کے یہودیوں کی طرح عربی زبان بولتے اور لکھتے تھے، ان میں بعض شاعر بھی تھے، تیمار کے شاعر سموأل کو جو امرؤ القیس کا معاصر تھا زیادہ شہرت حاصل تھی۔ جاہلی دور کے عرب، یہودیوں سے بہت زیادہ مطمئن نہیں تھے اور اسی وجہ سے ان کی دینی زندگی میں یہودی بالکل اثر انداز نہ ہو سکے۔

۴۔ بدوی قبائل

ماہرین انساب ان بدوی قبائل بلکہ شمال کے جملہ عرب قبائل کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کرتے ہیں، اوّل عدنانی مضری جس میں شمال کے عدنان، نزار اور مضر کے قبائل شریک ہیں، دوم قحطانی جس میں قحطان (یا بروایت توراۃ یقطان) کے قبائل شریک ہیں، یہ قسم جنوب سے ہجرت کر کے آئی اور شمالیوں کے ساتھ بود و باش اختیار کر لیا۔

اس تقسیم کو مستشرقین نے شک کی نظر سے دیکھا ہے[1]، اور بعض نے جنوب سے شمال کی جانب عربوں کی ہجرت کے واقعہ کو من گھڑت بتایا ہے، لیکن جاہلی شاعری کے مطالعہ سے ہمیں

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ العرب قبل الاسلام از جواد علی ۱/۲۲۰، تاریخ الادب العربی لبلاشیر ۱/۲۱، اور اسمتھ کی کتاب Kinship and Marrige in Eraly Arabia کی پہلی فصل۔

AsliAhleSunnet.com

یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کا بڑا حصہ یمنی قحطانی، عدنانی اور مضری قبائل پر فخر سے متعلق ہے، اور کسی مخصوص نسل و گھرانے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قبائل کے مابین تعصب کی آگ بھی بھڑکتی نظر آتی ہے۔ لہٰذا ظنی بنیادوں پر مذکورہ تقسیم کا انکار تحکم سے زیادہ کچھ اور نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ کچھ قبائل کے عدنانی و قحطانی ہونے میں شبہ ہے، لیکن اس طرح کا اختلاف محدود ہے اور اس کی بنیاد پر تمام قبائل کے انتساب کو مشکوک نہیں بنایا جا سکتا۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ مختلف اقتصادی و سیاسی حالات کی وجہ سے قحطانی قبائل ہجرت کر کے شمال کی جانب آئے تھے۔ اس ہجرت کی ابتدا بہت پہلے سے ہو چکی تھی، حمیری حکومت جب کمزور ہو گئی بالخصوص جب سیلِ عرب سے مآرب کا بند تباہ ہو گیا تو جنوبیوں کی ایک بڑی تعداد شمال میں آکر آباد ہو گئی۔ ہجرت کے معاملہ کی توثیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ایک ہی قبیلہ کی مختلف شاخیں جزیرۂ عرب کے متعدد حصوں میں پھیلی ہوئی ہیں، مثلاً قبیلۂ کندہ ہجرت کر کے شمال آگیا تھا اور نجد کے شمال میں اپنی ریاست کی بنیاد ڈالی تھی، لیکن اس قبیلہ کا بڑا حصہ ظہورِ اسلام تک حضرموت ہی میں مقیم تھا۔ یہ اور اسی طرح کے دوسرے واقعات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اہلِ جنوب ہجرت کر کے شمال کے مختلف حصوں میں آباد ہو گئے تھے۔

قحطانیوں کے مقابلہ میں عدنانی مضری قبائل ہیں، جن میں سے اہم قبائل کے نام یہ ہیں: مکہ میں قریش، طائف میں ثقیف، بحرین میں عبد القیس، یمامہ میں بنو حنیفہ، صحرا ردھنا میں تمیم و ضبّہ اور جزیرہ کے شمال مشرق سے یمامہ و بحرین تک پھیلا ہوا بکر کا قبیلہ اور اس کی شاخیں، مکہ کے قریب ہذیل اور نجد میں قیس عیلان۔

ان انساب پر عربوں کا پختہ یقین تھا، اور اسی وجہ سے وہ عام حالات میں دو بڑے مجموعوں میں بٹے نظر آتے تھے، ایک مجموعہ قحطانی یمنی اور دوسرا مجموعہ مضری عدنانی، ان دونوں مجموعوں کے مابین تنافس اور باہمی مسابقت کا شدید جذبہ بھی پایا جاتا تھا، جب کسی ایک مجموعہ سے متعلق قبیلہ کا مفاد دوسرے مجموعہ کے مفاد سے ٹکرا جاتا تو ہر ایک اپنے مجموعہ کی سرگرم حمایت کرتا اور بسا اوقات خونریز معرکوں کی نوبت آجاتی۔

AsliAhleSunnet.com

دورِ جاہلیت میں عربوں کو نسب پر جو شدید توجہ تھی یہ اسلام کے بعد بھی باقی رہی اور اسی کے نتیجہ میں انساب کا مشہور و وسیع علم وجود میں آیا۔ گویا آج وطن کو جو سیاسی اہمیت حاصل ہے وہی اس وقت میں نسب کو حاصل تھی، ہر قبیلہ اپنے نسب پر ایمان رکھتا تھا اور ایک قبیلہ کے افراد کو ایک اصل کی جانب منسوب ہونے پر فخر ہوا کرتا تھا، اس اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ لوگ قرابت مندیوں کو لُحمۃ کے لفظ سے اور عشائر و فروع کو بطن و فخذ کے لفظ سے یاد کرتے تھے۔

عربوں کے جملہ قبائل خواہ وہ بادیہ میں رہتے ہوں یا شہر میں قبائلی نظام کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے جسے ان کا سیاسی نظام قرار دیا جا سکتا ہے، یہ نظام قبیلہ کی بنیاد پر قائم ہوتا تھا اور ایک اصل و وطن کے افراد اس کے پابند ہوتے تھے، ایسے کسی نظام کے ماتحت افراد اپنے رسم ورواج کی سختی سے پابندی کرتے تھے، اس قبائلی نظام میں سن رسیدہ اور تجربہ کار افراد پر مشتمل ایک مجلس ہوا کرتی تھی جو قبیلہ کے چھوٹے بڑے مسائل کا تصفیہ کرتی تھی اور مشکل اوقات میں اپنا مشورہ دیا کرتی تھی، ساتھ ہی ہر قبیلہ کا ایک سردار ہوتا تھا جو ذہین و تجربہ کار اور بہادر ہوتا تھا، عام طور سے سرداری وراثت میں ملتی تھی، اس قبائلی نظام میں یہ ضروری تھا کہ ہر قبیلہ کا فرد اسی کی مدد کرے خواہ وہ برسرِ حق ہو یا ناحق، اور اسی بنا پر قبائل کے مابین عام طور سے معرکہ کارزار گرم رہا کرتا تھا۔ قبائلی حمایت و عصبیت کا جو مقام اس دور میں اس کی وضاحت دُرید بن صمۃ کے اس شعر سے ہوتی ہے:

وَمَا اَنَا اِلَّا مِن غَزِیَّۃَ اِن غَوَتْ ۔۔۔ غویتُ وان ترشُدْ غزیۃ اَرْشُدِ

(میں غزیہ کا ایک فرد ہوں، وہ گمراہ ہو تو میں بھی ہوں گا، اور راہ یاب ہو تو میں بھی ہوں گا)

۵۔ دائمی لڑائیاں

جاہلی دور میں عربوں کی زندگی کی سب سے اہم خصوصیت لڑائی معلوم ہوتی ہے، خونریزی ان کا مشغلہ بن گیا تھا اور وہ ایک لڑائی سے فارغ ہو کر دوسری لڑائی کی تیاری شروع کر دیتے تھے، ان کے معاشرہ کا سب سے بڑا قانون جس کی پابندی ہر چھوٹا بڑا شخص کرتا تھا انتقام کا قانون تھا، اس قانون کو ان کے یہاں دینی قانون

AsliAhleSunnet.com

کا تقدس و احترام حاصل تھا، اکثر یہ لوگ شراب، خوشبو اور عورتوں کو اپنے لئے انتقام لینے تک حرام قرار دے دیتے تھے، اگر کسی قبیلہ کا کوئی فرد قتل ہوجاتا تو پھر انتقام میں سارے قبیلے کی تلواریں بے نیام ہوجاتی تھیں اور ان گنت افراد موت کے گھاٹ اتر جاتے تھے، قتل کے بعد انتقام کے بجائے صلح یا دیت لیکر قاتل کی معافی کو یہ لوگ باعث عار سمجھتے تھے۔

اپنے جنگی واقعات اور لڑائیوں کو یہ لوگ "ایام" کے نام سے یاد کرتے تھے کیونکہ انکی لڑائیاں دن میں ہوا کرتی تھیں اور رات شروع ہونے پر ان کا سلسلہ بند ہوجاتا تھا، ایام عرب کے موضوع پر علمائے تاریخ وادب نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، ابو عبیدہ متوفی ۲۱۱ھ کے بارے میں مذکور ہے کہ بارہ سو لڑائیوں کے حالات پر مشتمل اس نے ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کو بعد کے مصنفین نے اپنا ماخذ بنایا، لیکن یہ کتاب ہم تک نہیں پہونچ سکی، ابن ندیم نے الفہرست کے فن اول کے مقالہ ثالث میں اس موضوع پر لکھنے والے مصنفین کا تذکرہ کیا ہے، ادب و تاریخ کی دوسری کتابوں میں بھی ان ایام کا معتد بہ تذکرہ وارد ہوا ہے، ان ایام میں زیادہ شہرت حرب بسوس اور حرب داحس و غبراء کو حاصل ہوئی اور دوسری لڑائیوں کے مقابلہ میں یہ زیادہ دنوں تک جاری بھی تھیں، اسی لئے ہم ان کا مختصر تذکرہ یہاں کرتے ہیں۔

حرب بسوس پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں قبیلہ بکر اور قبیلہ تغلب کے مابین شروع ہوئی تھی، اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ قبیلہ تغلب کے سردار کلیب (۴۴۰ - ۴۹۴ء) نے جو ایک ظالم و سرکش شخص تھا، قبیلہ بکر کے سردار جساس بن مرۃ کی خالہ البسوس کی اونٹنی کے تھن کو تیر مار کر زخمی کر دیا، جس کی وجہ سے اونٹنی کا دودھ خون آلودہ ہوگیا، جساس کو جب اس زیادتی کا علم ہوا تو اسے بے حد غصہ آیا اور اس واقعہ کو اپنی توہین تصور کیا، اور ایک دن موقع پاکر اس نے کلیب کو قتل کردیا، اس کے بعد دونوں کے مابین چالیس سال تک خونریز جنگ کا سلسلہ جاری رہا، مختلف اوقات میں یہ لڑائی مختلف مقامات پر ہوئی اور انہی مقامات کے نام سے موسوم ہے، ان میں کبھی قبیلہ بکر کو فتح ہوتی تھی اور کبھی تغلب کو، جب اس مسلسل لڑائی سے فریقین تنگ آگئے تو حارث بن عمرو کندی سے مصالحت و ثالثی کے لئے کہا، اس نے دونوں قبیلوں کے مابین صلح کرادی اور

AsliAhleSunnet.com

دونوں قبیلوں کی نگرانی کا کام اپنے دو بیٹوں شرجبیل اور سلمہ کے حوالہ کر دیا۔ اسلامی دور میں اس لڑائی کے متعلق متعدد داستانیں تیار ہو گئی تھیں جن کا ہیرو کلیب کا بھائی مہلہل تھا۔

داحس وغبراء کی جنگ جاہلی دور کے اواخر میں واقع ہوئی تھی، اس کا سبب دو گھوڑوں کی باہمی ریس بتایا جاتا ہے جن کے نام سے یہ جنگ بھی موسوم ہو گئی، قبیلۂ عبس و ذبیان کے سردار قیس بن زہیر اور حذیفہ بن بدر نے اپنے اپنے گھوڑوں کو میدان میں چھوڑا، قیس کا گھوڑا داحس مقابلہ میں آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ قبیلہ ذبیان کے ایک شخص نے جو کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا، اچانک نکل کر اس کو بدکا دیا، گھوڑا راستہ سے کچھ بہک گیا اور اتنے میں حذیفہ کی گھوڑی غبراء آگے بڑھ گئی، قیس نے غبراء کی سبقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، لیکن ذبیان کے لوگوں نے اسے صحیح مان کر مقررہ انعام کا مطالبہ کیا، اس پر بات بڑھ گئی اور دونوں قبیلوں کے مابین جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور طویل عرصہ تک جاری رہا، پھر قبیلۂ ذبیان کے دو سردار ہَرِم بن سنان اور حارث بن عوف مُرّی نے تمام مقتولوں کی دیت کی ذمہ داری قبول کر لی اور اس طرح اس طویل لڑائی کا سلسلہ ختم ہوا، بعد میں اس لڑائی سے متعلق بھی بہت سی داستانیں اور لوک کہانیاں وجود میں آ گئیں جن میں عنترہ عبسی کو ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔

AsliAhleSunnet.com

تیسری فصل

جاہلی زندگی

۱۔ اجتماعی حالات جاہلی دور میں قبیلہ تین طبقات پر مشتمل ہوا کرتا تھا، اول اپنی اولاد جن کے مابین خون ونسب کا رابطہ تھا اور یہی قبیلہ کی بنیاد اور ستون کی حیثیت رکھتے تھے، دوم غلام جنہیں پڑوس کے ملکوں سے بالخصوص حبشہ سے لایا جاتا تھا، سوم موالی یعنی آزاد کردہ افراد۔ انھیں میں وہ خُلعاء بھی داخل ہیں جنہیں قبیلہ ان کے جرائم کی کثرت کیوجہ سے اپنے سے علیحدہ کردیتا تھا، اس علیحدگی کا اعلان عام مجمع میں کیا جاتا تھا، کبھی کبھی اس طرح کا خَلیع شخص کسی دوسرے قبیلہ کی پناہ حاصل کرکے اس کا ایک فرد بن جاتا ہے۔

انہی خلعاء میں سے صَعالیک کا مشہور گروہ بھی تھا جن کا طریقۂ زندگی لوٹ مار اور آزاد معیشت تھی، ان کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا، قبیلہ سے افراد کی علیحدگی شاذونادر ہی وجود میں آتی تھی، ورنہ عام طور پر قبیلہ کے افراد آپس میں متحد رہتے تھے، اس اتحاد کو وہ اپنی عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے بھی عزیز رکھتے تھے اور اس کی وجہ سے ان کے اندر بہت سی خوبیاں پیدا ہوگئیں تھیں مثلاً حلم، کرم، وفاداری، پڑوسی کی حفاظت، کشادہ دلی، کمینوں سے عدم تعرض اور ناپسندیدہ امور سے چشم پوشی، اور ان جملہ صفات کے مجموعہ کو وہ لفظ "مروت" سے تعبیر کرتے تھے۔

کرم وسخاوت کی خصلت کا عربوں کی نظر میں بہت اونچا مقام تھا، صحراء کی دشوار گزار زندگی سے اس صفت کی اہمیت اور زیادہ ہوگئی تھی، مال دار آدمی ایام قحط میں اپنے

AsliAhleSunnet.com

قبیلہ اور مہمانوں کے لئے اپنے اونٹ ذبح کر دیا کرتا تھا، یہ لوگ رات کو گم کردہ راہ لوگوں اور مہمانوں کی رہنمائی کے لئے اونچے مقامات پر آگ روشن کر دیا کرتے تھے، جسے دیکھ کر مہمان ان کے پاس پہونچتے، ایسے موقع پر اگر کوئی دشمن کا آدمی بھی آجاتا تو اسے یہ لوگ امن دیتے تھے اور اس کا احترام کرتے تھے، دورِ جاہلیت میں بہت سے لوگوں کو صفت سخاوت میں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، خصوصًا حاتم طائی جس کا نام سخاوت کے لئے ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔

سخاوت کی طرح وفاداری کی بھی یہ لوگ سخت پابندی کرتے تھے، جب ان کا کوئی فرد کسی سے کوئی وعدہ کر لیتا تو پھر ہر قیمت پر وہ اور اس کا قبیلہ اس کی پابندی کرتا، پڑوسیوں کی حفاظت اسی لئے یہ لوگ بہر قیمت کرتے تھے، اگر کوئی بیوفائی کرتا تو پھر مجمع عام میں بذریعہ علم اس کی تشہیر کی جاتی اور وہ شخص قیامت تک کے لئے رسوا ہو جاتا۔

عزت و کرامت کی اور دوسری صفات مثلاً مظلوم کی مدد، کمزور کی حمایت، قدرت کے وقت معافی اور ظلم کو گوارا نہ کرنا یہ سب صفات بھی ان کے یہاں موجود تھیں، قبائل کے سرداروں میں تجربہ اور دانش کا بھی پتہ چلتا ہے، کچھ سردار اپنی ذہانت اور حکیمانہ آرا و اقوال کے لئے مشہور تھے، جیسے عامر بن ظرب اور اکثم بن صیفی، اس طرح کے لوگوں کے پاس قبائل اپنے تنازعات و قضایا لے کر پہونچتے تھے جنہیں یہ لوگ حل کیا کرتے تھے، اور کبھی کبھی یہ جھگڑے کاہنوں اور عرّافوں کے پاس بھی جایا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا صفات کے ساتھ ہی جاہلی معاشرہ میں کچھ بری عادتیں اور مہلک صفات بھی موجود تھیں، ان میں زیادہ عام شراب نوشی، زنا اور جوا تھا، شراب کا تذکرہ ہر زبان پر عام تھا، اشعار میں حدیثِ جام و مینا کا ایک بڑا حصہ موجود ہے، یہودی و عیسائی زیادہ تر اسی کی تجارت کرتے تھے، بُصریٰ، شام، حیرہ اور عراق سے شراب لائی جاتی تھی، شراب کے لئے بعض مقامات پر مخصوص طور سے خیمے لگائے جاتے تھے جن میں سرود و نغمہ کی محفلیں بھی سجا کرتی تھیں، بعض نوجوان شراب میں اس قدر بدمست رہا کرتے تھے کہ ان کے قبیلہ کے لوگ

AsliAhleSunnet.com

انھیں قبیلہ سے خارج کر دینے پر مجبور ہو جاتے تھے، جیسا کہ بَرّاض بن قیس کنانی کے بارہمیں مشہور ہے۔ شراب کے ساتھ ساتھ جوے اور زنا کا بھی عام رواج تھا اور اس کی مختلف صورتیں مروج تھیں۔

جاہلی معاشرہ میں ان قبیح صفات کے غیر معمولی طور پر پھیلنے کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ قرآن کریم نے بہت سی آیتوں میں ان قبائح کی سخت تردید کی ہے اور ان کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے زبردست سزائیں مقرر کی ہیں، زنا کو "اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيْلًا" کہا گیا ہے، اور شراب و جوے کو "رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" کہا گیا ہے۔ احادیث نبویہ میں بھی ان قبائح کے ارتکاب پر وعید وارد ہوئی اور مختلف نوعیت کی سزائیں اور تعزیرات مقرر ہوئی ہیں۔

قرآن و حدیث کے اس تذکرہ سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ جاہلی دور میں عربوں کے یہاں زنا، شراب، جوا اور سود وغیرہ جیسی قبیح صفات کا رواج تھا اور انھیں اسلام نے آکر ختم کیا، اعشیٰ کے احوال میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جب اس نے سُنا تو آپ کے پاس آنا چاہا، لیکن قریش کو علم ہوا تو انھوں نے اسے روک دیا، ابوسفیان نے کہا کہ جس نبی کے پاس تم جانا چاہتے ہو وہ تمہیں تمہاری مرغوب عادتوں سے روک دے گا، اعشیٰ نے پوچھا کہ یعنی وہ کن باتوں سے روکتا ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ زنا، جوا اور شراب سے، یہ سن کر اعشیٰ واپس چلا گیا۔ (اغانی ۹ / ۱۲۶) اسی طرح اسلام نے مقتول کے انتقام کو بھی ختم کر دیا اور قصاص کا قانون نافذ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ قتل کے بعد انتقام کا حق افراد کو نہیں بلکہ حکومت کو رہتا ہے اور اس سلسلہ میں بعض دوسری شرطوں کا لحاظ بھی ضروری ہے۔

جاہلی معاشرہ میں دو قسم کی عورتوں کا وجود ملتا ہے، ایک لونڈیاں اور دوسری آزاد عورتیں، لونڈیاں زیادہ تھیں اور ان میں کچھ طوائف پیشہ تھیں، اور کچھ گانے بجانے کا پیشہ کرتی تھیں، کچھ معزز خواتین کی خادمہ اور اونٹ و بکریاں چرایا کرتی تھیں، آزاد عورتیں عام طور سے کھانا پکانے، کپڑا بننے اور خیموں کی اصلاح کا کام کرتی تھیں، بہت سے واقعات سے پتہ چلتا ہے

AsliAhleSunnet.com

کہ معزز گھرانے کی لڑکیوں کا مقام بہت اونچا تھا، وہ اپنے شوہروں کا انتخاب خود کرتی تھیں، اور جب ان کا برتاؤ اچھا نہیں رہتا تو ان سے علیحدگی اختیار کر لیتی تھیں، وہ لوگ انھیں میدانِ جنگ میں بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے تاکہ ان کے تحفظ کے خیال سے میدانِ جنگ میں قدم جمے رہیں۔

عورتوں کے حسن و جمال کی عرب تعریف کرتے تھے اور اپنے اشعار میں انکی خوب صورتی، استعمال کے زیور اور خوشبو وغیرہ کا تذکرہ کرتے تھے، امرء القیس اپنے معلقہ میں کہتا ہے:

وَتُضْحِي فَتِيتُ المِسْكِ فَوقَ فراشِها　　نَؤُومُ الضُّحَى لَمْ تَنْتَطِقْ عن تفضّلِ

منخل یشکری اپنی محبوبہ کی تعریف میں کہتا ہے:

الكاعبُ الحسناءُ تر　　فُلُ في الدمقسِ وفي الحرير

عورتوں کی جسمانی تعریف کے ساتھ ساتھ اِن کی معنوی خوبیوں کو بھی وہ سراہتے تھے، اور عمدہ خصلتوں کا تذکرہ کرتے تھے، مفضلیات میں شنفری کا قصیدہ اس کی مثال ہے جس میں اس نے اپنی بیوی امیمہ کے محاسنِ معنوی کا ذکر کیا ہے، اس قصیدہ کا ایک شعر درج ذیل ہے:

اميمةُ لا يُخزِي نثاها حليلها　　اذا ذكر النسوانُ عفّت وجلّتِ

(امیمہ کا ذکر اس کے شوہر کو رسوا نہیں کرتا، جب عورتوں کا ذکر ہوتا ہے تو اس کی عفت و جلال کو لوگ یاد کرتے ہیں)

ادب کی کتابوں میں بہت سے واقعات و اشعار میں عورتوں پر عربوں کی فریفتگی کا ذکر ملتا ہے، شعراء ہمیشہ اپنے قصائد کا آغاز عورتوں اور ان سے وابستہ اپنی یادوں کے ذکر سے کرتے تھے اور ان کے مکانات کے کھنڈروں پر روتے رلاتے تھے۔

ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ جاہلی دور میں عورت کوئی مہمل شئی نہیں تھی، بلکہ معاشرہ میں اس کا ایک مقام تھا، اسے خرید و فروخت اور تجارت کی آزادی حاصل تھی، ام المومنین حضرت خدیجہ رض کا واقعہ اس بات کا واضح ثبوت ہے، اسلام نے عورت کی آزادی کے معاملہ کی مزید اصلاح کر دی اور اس طرح اسے معاشرہ میں صحیح اور مناسب مقام مل گیا، شادی بیاہ کی کچھ ایسی صورتیں جاہلی معاشرہ میں موجود تھیں جو عام طور پر کسی بدوی معاشرہ میں رائج ہوتی ہیں، قرآن میں لڑکیوں کو

AsliAhleSunnet.com

زندہ درگور کرنے یا ان کی پیدائش پر مغموم و شرمسار ہونے کا جو تذکرہ ہے اس کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ ایسی حرکتیں صرف سنگ دل اور ناتراشیدہ دہقانیوں سے سرزد ہوتی تھیں جو فقر و محتاجی یا میدانِ جنگ میں گرفتار ہوجانے سے بچنے کے لیے ایسا کرتے تھے کیونکہ یہ ان کی نظر میں بہت بڑی عار کا باعث تھا۔

۲۔ اقتصادی حالت

جاہلی دور میں تمام عربوں کا یکساں نظام معیشت نہیں تھا جنوب اور مشرق میں نیز یثرب، خیبر، طائف اور وادی قریٰ میں زراعت پر گزر بسر تھی، اہل مکہ تجارت کرتے تھے اور تجارتی قافلے شمال و جنوب کی طرف جایا کرتے تھے، جنوب میں یمن، بحیرۂ ہند کے علاقے اور مشرقی افریقہ سے لُبنان، خوشبو، بخور، چمڑے، عدن کے عمدہ کپڑے، ہندوستانی مسالہ جات، افریقہ کے غلام، گوند اور ہاتھی دانت منتقل ہوتے تھے، اسی طرح طائف سے انگور اور بنی سُلیم کی کانوں سے سونا، اور یہ تمام چیزیں بحیرۂ روم کے علاقے میں لے جائی جاتی تھیں، اور وہاں سے پھر ہتھیار، گیہوں، تیل، شراب اور سوتی و ریشمی کپڑے لیکر تاجر مکہ واپس جاتے تھے۔

مکہ ایک عظیم تجارتی شہر تھا، کعبہ کی وجہ سے یہاں لوگ حج کے لئے جمع ہوتے تھے اور اس مناسبت سے قبیلۂ قریش کے لوگ مختلف میلے اور بازار منعقد کیا کرتے تھے۔ سب سے بڑا بازار عکاظ کا تھا جو نجد میں عرفات سے قریب ماہ ذی قعدہ کے آخری پندرہ دنوں میں منعقد ہوا کرتا تھا، یہ صرف تجارتی منڈی نہیں تھی بلکہ یہاں پر خطابت و شعر کا بازار بھی گرم رہا کرتا تھا، اسی بازار میں مشہور جاہلی شاعر نابغہ کے لئے ایک خیمہ نصب ہوتا تھا جس میں تمام شعراء اپنے اشعار اس کے سامنے پیش کیا کرتے تھے، اسی بازار میں قیدیوں کے فدیے اور دیت وغیرہ بھی ادا کی جاتی تھیں، بہت سے افراد معاملہ شناسی کی شہرت کی وجہ سے ایسے تھے جن کے پاس اس بازار میں معاملات تصفیئے کے لیے لائے جاتے تھے، آج کی زبان میں اس بازار کو ایک بڑی کانفرنس سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جس میں تنازعات کے فیصلے وغیرہ ہوا کرتے تھے، دوسرے بازاروں میں عکاظ کے قریب ذوالمجاز نامی بازار تھا، اسی طرح نجد کے شمال میں دُومۃ الجندل نامی بازار، یمامہ میں

AsliAhleSunnet.com

سوقِ خیبر، سوقِ حیرۃ اور سوقِ حجر نامی بازار، عمان میں صحار اور دبا نامی بازار اور حضر موت صنعاء، عدل اور نجران کے بازاروں کے نام بھی مصنفین نے ذکر کئے ہیں [۱]

ان بازاروں کا جس طرح اقتصادی اثر تھا اسی طرح ادبی اثر بھی تھا' یہاں پر اشعار سنائے جاتے تھے' خطباء تقریریں کرتے تھے' اور ناقدین اشعار پر تنقید کرتے تھے' اسی لئے شعراء و خطباء اپنے کلام کو بعد تنقیح و تہذیب کے بعد اس اجتماع میں پیش کرتے تھے' اور اس سے زبان و اسلوب میں عمدگی پیدا ہوتی تھی' اسی طرح عربوں کی زبانوں اور لہجوں میں باہمی قربت پیدا کرنے میں بھی ان بازاروں کا اثر گہرا تھا' قریش یہیں سے اپنے لئے الفاظ و لہجات کا انتخاب کرتے تھے' اور دوسرے قبائل ان کی تقلید کرتے تھے' پھر رفتہ رفتہ قریش کے لہجہ کو غلبہ حاصل ہوگیا۔ جانوروں کا شکار بہت سے عربوں کا محبوب مشغلہ تھا، وہ شکار کے لئے کتوں کو بھی سدھایا کرتے تھے، ان کے بیشتر اشعار میں شکاری کتوں اور نیل گائے وغیرہ جانوروں کے مابین لڑائیوں کا ذکر ہے۔ لبید کے معلقہ میں بعض جانوروں کی بڑی دقیق تصویر پیش کی گئی ہے، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شکار بالعموم وہی لوگ کرتے تھے جو محتاج و مفلس ہوا کرتے تھے۔

مکہ کے علاوہ تہامہ، نجد، صحرا النفود، وادیٔ شام، دہنا اور بحرین کے رہنے والے بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے' ان کا زیادہ تر دارومدار بکریوں اور اونٹوں کی پرورش پر تھا، یہ لوگ زراعت و دستکاری کو اس کے مقابلہ میں معیوب سمجھتے تھے' ان کی غذا بیحد سادہ تھی' تھوڑے سے جو، کھجور اور دودھ پر بسر ہو جاتی تھی' لباس بے حد سادہ اور معمولی رہا کرتا تھا۔

لیکن یہ زندگی سادگی کے باوجود بہت شاق اور پُرخطر تھی' ان میں درندوں، حشرات الارض اور سانپ وغیرہ سے سابقہ رہتا تھا، رات کی بھیانک تاریکی میں صحرا کا سنسان ماحول دلوں کو دہلا دیا کرتا تھا' اس دشوار گزار اور خوفناک زندگی ہی کی وجہ سے وہ لوگ جرأت و شجاعت اور سختیوں کو برداشت کرنے کی تعریف کیا کرتے تھے' اور اس پُرمشقت زندگی میں ان کا سب سے بڑا رفیق اور ہر طرح کی بھوک پیاس برداشت کرنے والا جانور اونٹ تھا' اس لئے وہ اپنے اشعار میں اسکا بھی ذکر کرتے تھے' اور اسکے صبر و تحمل کی تعریف کرتے تھے' اونٹ کے ساتھ ہی دیگر جانوروں کا تذکرہ بھی ان کے اشعار میں ملتا ہے۔

یہ ہے مختصر جائزہ عربوں کی اقتصادی زندگی کا' ان کا ذریعۂ معاش شکار، لوٹ پاٹ اور

---

[۱] ملاحظہ ہو: المحبر ص ۲۶۳، الیعقوبی ج ۱ ص ۳۱۳؛ تاریخ العرب قبل الاسلام از جواد علی ج ۴ ص ۲۲۳۔

AsliAhleSunnet.com

مویشیوں کی پرورش تھی، اس زندگی میں ہر شخص معاشی درجہ میں یکساں نہیں تھا، سردار کے پاس عام طور پر سیکڑوں اونٹ رہا کرتے تھے، جب کہ فقراء کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا تھا، انہی فقیروں میں بہت سے ایسے تھے جو قتل وغارت گری کی راہ پر لگ گئے تھے اور اس سے گزر اوقات کرتے تھے، اور جب کبھی یہ لوگ قحط وخشک سالی کا شکار ہو جاتے تو پھر پورا قبیلہ لوٹ مار پر آمادہ ہو جاتا تھا، حصولِ رزق کی دشواریوں ہی کی وجہ سے یہ لوگ سخاوت کرنے والوں کی تعریف کرتے تھے اور ان کے عطیات کا نمایاں طور پر ذکر کرتے تھے۔

۳۔ علوم ومعارف

اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ اہلِ جنوب نے اہلِ شمال کو کوئی واضح ومتعین تہذیب دی تھی، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب وتمدن میں اہلِ جنوب بھی بہت آگے نہیں بڑھے تھے، انھیں زراعت، زمین کی سینچائی اور شہروں کی تعمیر کے بارے میں کچھ علم ضرور تھا لیکن واضح خدوخال والی کسی ثقافت کا پتہ نہیں ملتا ہے، سیاسی تنظیم کے لحاظ سے بھی ان کا نظام جاگیر دارانہ تھا، یہی وجہ تھی کہ جب ان کی سبأ، ذی ریدان اور حمیر کی حکومت ختم ہو گئی تو بہت جلد یہ بدوی قبائل میں بدل گئے۔

یہ بات البتہ یقینی ہے کہ اہلِ شمال کا پڑوس کی تہذیبوں سے تعلق تھا، مکہ کے تاجر مصر، شام اور فارس کے شہروں سے آمد ورفت رکھتے تھے، اہلِ حیرہ ایرانیوں سے اور غسانی رومیوں سے متعلق تھے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شمال کے عربوں کا پڑوس کی قوموں اور ان کی تہذیب سے تعلق تھا، لیکن اس تعلق کا دائرہ بہت وسیع نہیں تھا، ایرانیوں اور رومیوں سے اہلِ شمال کو فنونِ جنگ اور بعض واقعات وکہانیوں کا علم ہوا تھا، غزوۂ احزاب کے موقع پر حضرت سلمان فارسی نے خندق کھودنے کا جو مشورہ دیا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت میں انھیں وسائل حرب کے بارے میں دوسروں سے زیادہ واقفیت تھی، نضر بن حارث کے بارے میں منقول ہے کہ وہ حیرہ سے ایرانی بادشاہوں کے واقعات اور کہانیاں سیکھ کر آیا تھا اور لوگوں کو یہ داستانیں سنایا کرتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے اور آپکی بات سننے سے روکا کرتا تھا[1]

---

[1] دیکھئے سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۲۱۔

AsliAhleSunnet.com

اس طرح شمالی عرب کے لوگ دوسری تہذیبوں کے اثرات سے غیر متعلق نہیں تھے، لیکن ان تاثیرات کا دائرہ بہت وسیع نہیں تھا، وہ لوگ اب بھی بدویانہ سادہ زندگی کے دور سے گزر رہے تھے، یہ البتہ کہا جاسکتا ہے کہ اب اس دور کے خاتمہ کا وقت آگیا تھا۔

عربوں کے پاس جو اہم علوم تھے ان میں علم الانساب اور علم الایام زیادہ اہم ہیں، ان میں اقوام وقبائل کے محاسن ومعائب کا تذکرہ ہوتا تھا عباسی دور میں ان معارف کو طویل کتابوں میں مدون کیا گیا، کیونکہ ان معلومات سے تاریخ کی تیاری کے لئے مواد فراہم ہوتے تھے، انھیں لوگ بچوں کو یاد کراتے تھے اور ان کا تذکرہ مجلسوں میں کیا کرتے تھے۔

اسی طرح عربوں کو ستاروں کے طلوع وغروب اور بارش سے ان کے تعلق کا بھی علم تھا، جاحظ کا بیان ہے کہ: عربوں کو بارش کے ستاروں کا علم تھا، چٹیل میدانوں میں انہی کے ذریعہ رہنمائی حاصل کرتے تھے، بارش کی ضرورت اور قحط سے فرار کی وجہ سے بارش کے بارے میں ان کی واقفیت ضروری تھی، ایک بدوی عورت سے پوچھا گیا کہ تم ستاروں کو پہچانتی ہو؟ اس نے جواب دیا کہ سبحان اللہ! کیا میں ان صورتوں کو نہیں پہچانوں گی جو ہر رات میرے اوپر کھڑی رہتی ہیں"۔ ایک اعرابی کسی شہری کو بارش، راستہ کی تعیین اور اوقاتِ شب کے ستاروں کو بتا رہا تھا، ایک شخص نے ایک عبادی بوڑھے سے کہا کہ آپ اس اعرابی کو دیکھ رہے ہیں کہ اس کو ستاروں کی کتنی واقفیت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے گھر کی شہتیر کون نہیں جانتا۔[1]

صاعد بن احمد متوفی ۴۶۲ھ کہتے ہیں کہ عربوں کو ستاروں کے طلوع وغروب اور بارش سے ان کے تعلق کا علم تھا، اپنی ضرورت کی بنیاد پر انھیں یہ تجربہ تھا، حقائق کو جس طرح سکھایا یا علوم کو مشق سے حاصل کیا جاتا ہے اس کا وہ انداز نہیں تھا۔[2]

اسی طرح عربوں کو کچھ طبی معلومات بھی تھیں جو ناقص تجربہ پر مبنی تھیں، بعض بیماریوں کا علاج آگ سے داغ کر کرتے تھے اور بعض جڑی بوٹیوں کے فوائد سے بھی انھیں واقفیت تھی،

---

[1] الحیوان ۶/۳۰۔ [2] طبقات الامم مطبوعہ بیروت ص ۴۵۔

AsliAhleSunnet.com

لیکن اس سلسلہ میں بھی بہت سی خرافات مروّج تھیں، مثلاً ان کا خیال تھا کہ سرداروں کے خون سے کتے کے کاٹنے میں شفا ہوتی ہے، مردہ کی ہڈی جنون کے لئے نافع ہوتی ہے اور کوئی شریر روح جب مریض کے جسم میں حلول کر جاتی ہے تو گنڈے تعویذ مفید ہوتے ہیں، غرض یہ ایک ناقص قسم کی طب تھی جس کی بنیاد کسی عقلی قاعدے پر نہیں تھی جیسا کہ ابن خلدون نے مقدمہ میں واضح کیا ہے۔ لے

ان کی اہم طبی معلومات میں بیطری بھی تھی خصوصاً گھوڑے اور اونٹ کے علاج سے متعلق، گھوڑے اور اونٹوں کے محاسن و معائب اور امراض و علل سے ان کی واقفیت گہری اور موروثی تجربوں پر مبنی تھی، طب و بیطری کے علاوہ فراست و قیافہ کا بھی انہیں علم تھا جسمیں زمین پر نقوشِ قدم سے آدمی کا پتہ لگایا جاتا ہے، اس سلسلہ میں ان کے طویل قصے مذکور ہیں صحرا میں گم کردہ راہ لوگوں کو تلاش کرنے میں یا شبخون مارنے والے دشمنوں کا تعاقب کرنے میں اس سے بہت مدد ملتی تھی۔

پھر بھی علم و معرفت کی یہ تمام قسمیں ابتدائی تھیں، ان کی بنیاد ناقص تجربہ پر تھی کسی قاعدہ یا نظریہ پر نہیں، کیونکہ عام لوگ بدوی تھے اور ان کے پاس کسی قسم کا علمی و فکری اسلوب نہیں تھا، اسی وجہ سے ان میں عیافہ کا بھی رواج تھا یعنی پرندوں کی حرکتوں سے پیشین گوئی کرنا، اس میں بنو اسد اور بنو لہب کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی تھی، پرندے اگر دائیں طرف سے اڑ کر نکلتے تو یہ فال نیک ہوتی اور بائیں طرف سے نکلتے تو فال بد، جاحظ نے لکھا ہے کہ فال لینے کے سلسلہ میں پرندہ کا اڑنا ہی اصل چیز تھی اس لئے اسی سے تطیُّر کا لفظ مشتق کیا گیا، اور ہر چیز میں اس کا استعمال ہونے لگا، فال ہی کی بنیاد پر یہ لوگ منہوش کو سلیم، بَرِّیَۃ کو مفازۃ، اندھے کو ابو بصیر، سیاہ کو ابو البیضاء اور کوّے کو حاتم کے نام سے یاد کرتے تھے، سب سے زیادہ بدفالی یہ لوگ کوّے سے لیتے تھے۔ ؎

لے المقدمہ ص ۳۴۶ ۔ ؎ الحیوان ۳ر۴۳۸ ۔

AsliAhleSunnet.com

ان باتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسببات و اسباب کے مابین عقلی طور پر ربط و تعلق انکے یہاں کمزور تھا جیسا کہ بداوت کے عہد میں ہوتا ہے، بدوی لوگ علت و معلول کا باہمی ربط نہیں سمجھ پاتے اور نہ اشیاء پر ان کی گہری نظر ہوتی ہے، وہ صرف جزئیات کو دیکھتے ہیں اور کسی کلیہ تک ان کی نظر نہیں پہونچ پاتی۔

حکم و امثال کی جو باتیں عربوں کے یہاں مشہور تھیں ان کی حیثیت محدود تجربہ کی تھی جسے مختصر عبارت میں بیان کر دیا جاتا تھا، بعد کے اسلامی ادوار میں البتہ اس میں فلسفہ کا اثر آیا لیکن یہ ابتدا میں نہیں تھا، حکم و امثال پر ہم نثر کے ضمن میں مزید روشنی ڈالیں گے۔

۴۔ دینی حالت جاہلی دور میں عربوں کی اکثریت بت پرست تھی، کواکب اور دیگر فطری مظاہر میں پھیلی ہوئی خدائی طاقتوں پر ان کا یقین تھا، ان کے قبیلوں کے نام میں ایسے عناصر پائے جاتے ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انکا جلدی تک طوطمیت (TOTEMISM) سے تعلق تھا، کیونکہ جماعت کی صورت میں یہ لوگ کسی طوطم کے گرد اسے اپنا حامی و مدافع سمجھ کر جمع ہو جاتے تھے، اور یہ طوطم یا تو کتا ہوتا تھا یا بیل یا لومڑی، اسی طرح بعض نباتات، جمادات، حیوانات اور پرندوں میں یہ لوگ خفیہ طاقتوں کا یقین رکھتے تھے، رینان کا یہ خیال کہ وہ موحد تھے، صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت سے معبودوں کو شریک کرتے تھے جیسا کہ قرآن میں بھی مذکور ہے، یہ لوگ بے شمار بتوں اور مجسموں کی پرستش کیا کرتے تھے اور ان کو اپنے معبودوں کا رمز تصور کرتے تھے، ابن الکلبی کی کتاب "الاصنام" میں ان کے معبودوں کا مفصل تذکرہ موجود ہے، صابئہ اور کلدانیوں کی تاثیر کے نتیجہ میں ان کے اندر ستاروں کی پرستش بھی قدیم دور سے موجود تھی، ان کے یہاں آگ کی تقدیس کا بھی رواج تھا، جب کوئی معاہدہ طے ہوتا یا بارش طلب کرتے یا نذر چڑھاتے تو ایسے موقعوں پر بھی آگ روشن کیا کرتے تھے۔ [1]

کہا جاتا ہے کہ تمیم، عمان اور بحرین میں مجوسی مذہب پھیلا ہوا تھا، اور مجوسی جیسا کہ معروف

---

[1] الحیوان ۴/۴۶۱

AsliAhleSunnet.com

ہے دو خدا پر ایمان رکھتے ہیں، ایک خدائے خیر دوسرا خدائے شر، اور انھیں نور وظلمت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ [1]

قرآن کریم نے ان کے بعض معبودوں اور ان کے نام پر بنائی شبیہہ اور مجسموں کا صراحتہً ذکر کیا ہے۔ (اَفَرَاَیۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰی، وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الۡاُخۡرٰی) کیا تم نے لات و عزیٰ اور تیسرے مناۃ پر بھی کبھی غور کیا؟ دوسری جگہ فرمایا۔ (وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا یَغُوۡثَ وَیَعُوۡقَ وَنَسۡرًا) ہرگز نہ چھوڑنا ود کو نہ سواع کو نہ یغوث کو نہ یعوق نہ نسر کو۔

قرآن کریم نے جن اصنام کا تذکرہ کیا ہے ان کے علاوہ قریش اور دیگر قبائل کے اور بھی بہت سے بت تھے، کہا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے وقت کعبہ میں ۳۶۰ بت تھے۔ [2] قریش کا سب سے بڑا بت ھُبَل تھا جو سرخ عقیق سے انسانی شکل پر بنا ہوا تھا، اس کا دایاں ہاتھ ٹوٹ گیا تھا تو قریش نے سونے کا ہاتھ بنا کر لگایا تھا، قریش کے اصنام میں اساف اور نائلہ بھی تھے، صنم اور وثن کے مابین فرق یہ بتایا جاتا ہے کہ صنم عموماً مجسمہ ہوا کرتا تھا اور وثن عام طور پر پتھر ہوتا تھا، اور کبھی کبھی صنم کو بھی وثن کہا کرتے تھے، ابن الکلبی کے بیان کے مطابق بہت سے لوگ بت خانے بنا کر ان میں بتوں کو رکھتے تھے اور بہت سے لوگ مجسمے بنا لیتے تھے، بتخانوں میں بعض کو کعبہ کی سی تقدیس حاصل ہوتی تھی اور لوگ یہاں پر حج کے لئے آتے تھے، مکہ کے علاوہ یمن اور طائف کے کعبے مشہور تھے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بتوں کے لئے نذر وچڑھاوے کے موقع پر ان کے کچھ خاص رسم ورواج تھے جنہیں اسلام نے باطل کر دیا، اس طرح حج میں بھی بہت سے رسم ورواج تھے اور خود لبیک کے بھی مختلف صیغے اور عبارتیں تھیں۔

حج کے انہوں نے چار مہینے مقرر کئے تھے، جنہیں حرمت والے مہینوں سے تعبیر کرتے تھے، وہ مہینے تھے رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم، مکہ کا حج ذی الحجہ میں ہوتا تھا، ان تمام مہینوں میں ہر طرح کی لڑائی اور قتل وغارت سے یہ لوگ باز رہتے تھے اور ان مہینوں کو صلح والے مہینوں

---

[1] جواد علی ۶/۲۸۴۔ [2] ابن اثیر ج ۲ فتح مکہ۔

AsliAhleSunnet.com

سے یاد کرتے تھے، کعبہ اور اس طرح کے دوسرے مقدس گھروں کی حفاظت و نگہداشت کے لیے کچھ مخصوص جماعتیں مقرر ہوتی تھیں، اس خدمت کو "حجابت" سے تعبیر کیا جاتا تھا، مکہ میں یہ منصب بنو عبدالدار کو حاصل تھا، ان مجاوروں کے علاوہ ایک طبقہ کاہنوں کا تھا جو علم غیب اور جنوں کی تسخیر کا مدعی تھا، ارواح پر ان کے یقین کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔

مکہ کے بت پرست رسولوں اور خدا کی وحدت کے منکر تھے۔ (وَعَجِبُوا اَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكَافِرُوْنَ هٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ، اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا، اِنَّ هٰذَا الشَّيْءٌ عُجَابٌ) اور ان کو تعجب ہوتا ہے کہ ان کے پاس ان ہی میں کا ایک آدمی سمجھانیوالا آیا اور منکر کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا اس نے تمام معبودوں کو چھوڑ کر ایک ہی کو لے لیا ہے، بے شک یہ عجیب بات ہے۔ اسی طرح بعث و جزا پر بھی انہیں یقین نہیں تھا۔ (وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ) اور یہ لوگ کہتے ہیں ہماری زندگی صرف یہی پہلی زندگی ہے جس میں ہم مرتے جیتے ہیں اور ہم زندگی کی گردش سے مر جاتے ہیں، ان کو اس بات کا کوئی علم نہیں محض خام خیالی ہے اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔

البتہ جاہلی دور کے اخیر میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے تھے جو ایک خدا کے نظریہ کو ماننے کے لئے تیار تھے، ان لوگوں کو "حنفاء" کہا جاتا تھا۔ ابن اسحاق کے بیان کے مطابق ان کے نام یہ تھے، ورقہ بن نوفل بن اسد، عبیداللہ ابن جحش، عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو بن نفیل، ایسے افراد قریش کے علاوہ دوسرے قبائل میں بھی موجود تھے، ایسے لوگوں کو عربوں کے بت پرستانہ مذہب سے نفرت پیدا ہو گئی تھی اور کسی ایسے دین کی تلاش تھی جو خدا کی صحیح عبادت کی جانب رہنمائی کرے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت جاہلی دور کی بت پرستی ختم ہو رہی تھی، چنانچہ جب اسلام کی روشنی نمودار ہوئی تو اسے عربوں نے فوراً قبول کر لیا اور دین الٰہی میں فوج در فوج داخل ہو گئے۔

AsliAhleSunnet.com

۵۔ یہودیت و عیسائیت

جاہلی دور میں یمن اور حجاز[1] میں یہودی مذہب کے ماننے والے پھیلے ہوئے تھے۔ خیال یہ کیا جاتا ہے کہ سنہ ۷۰ء میں فلسطین میں جب شاہ ٹائیٹس (Titus) سے ان کا تصادم ہوا اور اس نے ہیکل کو منہدم کر دیا تو یہودی فلسطین چھوڑ کر جزیرہ عرب میں چلے آئے۔ اسی طرح ۱۳۲ء میں شاہ ہدریان کے ساتھ تصادم کے بعد بھی ایک بڑی تعداد فرار ہو کر حجاز و یمن میں آباد ہو گئی تھی۔ چھٹی صدی عیسوی کے شروع میں یمن کے یہودیوں نے تبابعہ کے ایک بادشاہ ذو نواس کو یہودی مذہب قبول کرنے پر آمادہ کر لیا اور اسے نجران کے عیسائیوں کے خلاف ورغلا کر طرح طرح کا عذاب دلوایا اور پھر نذر آتش کرا دیا۔ قرآن مجید نے اصحاب اخدود کے تذکرہ میں اسی واقعہ کو بیان کیا ہے۔

(قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ، النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ، اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ، وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ، وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ)

دہکتی ہوئی آگ کی خندقوں والے لعنت کئے گئے جب وہ ان خندقوں پر بیٹھے ہوتے اور ایمانداروں سے جو کچھ کرتے تھے وہ اس کو دیکھتے تھے ان مومنوں کا یہی ایک کام ان کو بُرا معلوم ہوا کہ اللہ واحد غالب صفاتِ حسنہ سے متصف پر ایمان لائے تھے۔ عیسائیوں کے خلاف ذو نواس کے اقدامات کا حقیقی سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے یمن میں عیسائیت کے پھیلنے اور حبشہ کے عیسائیوں کے اس راہ سے یمن پر قبضہ کرنے کا اندیشہ رہا ہو۔ لیکن حبشیوں نے بہت جلد اپنے مظلوم عیسائی بھائیوں کا انتقام لے لیا اور سنہ ۵۲۵ء میں ذو نواس کی حکومت ختم کر کے تقریباً پچاس سال تک یمن پر حاکم رہے، اس پوری مدت میں یہودی یمن سے نکل کر دوسرے حصوں میں پھیل گئے اور ان کی مختصر تعداد وہاں باقی رہ گئی تھی جن میں بہت سے لوگ بعد میں مسلمان ہو گئے مثلاً کعب احبار اور وہب بن

---

[1] جزیرۂ عرب میں یہودیت کیلئے دیکھئے، تاریخ العرب قبل الاسلام از جواد علی ۶/۲ اور مارگلیوتھ کی کتاب The Relation between Arabs and Israelites Prior to the Rise of Islam

AsliAhleSunnet.com

منبۃ وغیرہ۔

یمن کے یہودیوں سے زیادہ اہمیت حجاز کے یہودیوں کی تھی جو مختلف قبیلوں اور جماعتوں کی صورت میں حجاز کے مقامات یثرب، خیبر، وادی قُرٰی اور تیماء میں پھیلے ہوئے تھے، یثرب میں بہت سے قبائل تھے جن میں زیادہ اہمیت بنونضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع اور بنو بہدل کو حاصل تھی، انہی کے درمیان اوس و خزرج کے دونوں قبیلے بھی آباد تھے، جنہیں یہودیوں پر تسلط حاصل تھا، یہودیوں کی ریشہ دوانیوں سے دونوں عرب قبائل میں خونریز جنگ برپا ہوگئی تھی جس کا سلسلہ طویل عرصہ تک جاری رہا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو دونوں قبیلے مسلمان ہوگئے اور اس طویل لڑائی کا سلسلہ ختم ہوا، اس کے بعد یہودیوں نے اسلام کے خلاف اپنی کوششوں کا سلسلہ تیز کر دیا اور عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے لگے، ان سازشوں کے سدِباب کے لئے آنحضور نے مدینہ سے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا، یہودی لوگ اپنی مذہبی کتابیں عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی روزمرہ کی ان کی زبان عربی تھی، بعض شعراء نے عربی میں شعر بھی کہا تھا۔

یثرب کے یہودیوں کی طرح خیبر، وادی قرٰی، فدک اور تیماء کے یہودی بھی عرب ہوگئے تھے اور ان میں کئی شعراء کو شہرت حاصل ہوئی تھی، ان مقامات کے یہودی بھی اسلام کے مخالف اور اس کے خلاف سازشوں میں شریک تھے، آنحضور ؐ نے جنگ کے بعد ان پر فتح حاصل کی اور حضرت عمرؓ نے انھیں جزیرۂ عرب سے جلاوطن کر دیا، ہمارے پاس اس بات کا کوئی معتبر ثبوت موجود نہیں کہ یہودیوں نے جاہلی دور کے عربوں کو کسی حیثیت سے متاثر کیا تھا، چنانچہ شمال کے عرب یہودی مذہب سے بالکل الگ تھلگ رہے اور کسی چیز میں بھی یہودیوں کا کوئی اثر قبول نہیں کیا، بعض مستشرقین نے اس نوعیت کی تاثیر ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔[۱]

عیسائی مذہب یمن اور جزیرۂ عرب کے شمال مغرب و مشرق میں پھیلا ہوا تھا،[۲] خیال یہ کیا

---

[۱] دیکھئے جواد علی ۹۱/۶ اور ۱۷۷۔ [۲] جزیرۂ عرب میں عیسائیت کے لئے دیکھئے جواد علی ج۶، النصرانیۃ وآدابھا بین عرب الجاہلیۃ از لویس شیخو۔

AsliAhleSunnet.com

جاتا ہے کہ یمن میں عیسائیت کی اشاعت کی ابتدار چوتھی صدی عیسوی سے ہوئی تھی' اور اس اشاعت کا اہم سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ رومی بادشاہ اس علاقہ میں مختلف اوقات میں تبلیغ کے لئے دینی وفود بھیجا کرتے تھے جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ علاقہ میں اپنا اثر ونفوذ باقی رکھیں اور یہاں کی ثروت سے مستفید ہوں، جاہلی دور میں عیسائیت نجران اور دوسرے علاقوں میں باقاعدہ پھیل گئی تھی، ابرہہ کی قیادت میں جب حبشی لوگ یمن میں داخل ہوئے تو اس سے عیسائی مذہب کو بہت تقویت حاصل ہوئی اور بہت سے گرجے بھی تعمیر ہوئے جن میں نجران کا گرجا بہت مشہور تھا، سیرت کی کتابوں میں نجران کے عیسائی وفد کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنیکا ذکر موجود ہے' اس وفد کے سیاسی سربراہ "عاقب" اور "سید" تھے اور پادری ابوحارثہ بن علقمہ تھا۔

اسی طرح عیسائیت شام کے غسانی عربوں اور عاملہ، جذام، کلب اور قضاعہ کے قبائل میں بھی پھیلی ہوئی تھی اور ان لوگوں کا مذہب یعقوبی تھا، عراق کے عربوں میں تغلب' ایاد اور بکر کے قبائل اور حیرہ کے لوگ بھی عیسائی تھے اور ان کا مذہب نسطوری تھا۔ اس طرح یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہودیت کے مقابلہ میں عیسائیت کو زیادہ رواج حاصل ہوا تھا اور یہ مختلف قبائل میں پھیلی ہوئی تھی، مگر عرب میں جن لوگوں نے عیسائی مذہب قبول کیا تھا انھیں اس مذہب کے بارے میں زیادہ گہری معلومات حاصل نہیں تھیں صرف ظاہری امور تک انکی رسائی ہوسکتی تھی۔

گزشتہ سطور سے اس بات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جزیرۂ عرب میں عیسائی مذہب نے عیسائی وغیر عیسائی دونوں طرح کے شعرار پر ایک اثر چھوڑا تھا اور اسی کے نتیجہ میں حنفار کی جماعت وجود میں آئی تھی اور بہت سے جاہلی اشخاص بھی نظریۂ بعث بعد الموت، حساب اور جزا وسزا کے قائل ہوگئے تھے۔

AsliAhleSunnet.com

چوتھی فصل

عربی زبان

۱۔ قدیم سامی عناصر[۱] سامی زبانوں (آرامی، کنعانی، عربی) کے بہت سے کلمات، ضمائر اور اعداد میں مشابہت پائی جاتی ہے جس سے ان زبانوں کے مابین قرب اور نمو و ارتقار کا پتہ چلتا ہے، علمار سامیات نے سامی زبانوں کے مابین صیغے، الفاظ، گردان، اعراب اور اصوات کے لحاظ سے جو تقابلی مطالعہ کیا ہے، اس سے تاریخی اعتبار سے بہت سے لغوی ظواہر اور ان کے قدیم و جدید کو جاننے میں مدد ملتی ہے، اسلاف نے عربی میں دخیل الفاظ سے بحث کرتے ہوئے توسع سے کام لے کر بہت سے الفاظ کو سریانی یا آرامی قرار دیا ہے، ان کی نظر اس بات کی طرف نہیں جاسکی کہ اس طرح کے الفاظ قدیم سامی اصل کی جانب لوٹتے ہیں، اور ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عربوں نے ان الفاظ کو سریانیوں سے یا سریانیوں نے عربوں سے لیا ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ایسے قدیم سامی الفاظ ہیں جنہیں لہجات کی علیحدگی سے قبل سامی لوگ استعمال کرتے تھے پھر تمام زبانیں آہستہ آہستہ علیحدہ حیثیت کی مالک ہو گئیں اور ان کی مخصوص شکل متعین ہو گئی۔

سامی زبانوں کے ماہرین کا خیال ہے کہ اعراب اور عدم انصراف (غیر منصرف ہونا) عربی زبان کے علاوہ دیگر سامی زبانوں میں بھی موجود تھے، لیکن عربی زبان نے انھیں محفوظ رکھا

---

[۱] ان عناصر کی تفصیل کیلئے دیکھئے التطور النحوی للغۃ العربیۃ از برجشتراسر، تاریخ العرب قبل الاسلام از جواد علی ج ۷، اور خلیل یحییٰ نامی کے لیکچر زقاہرہ یونیورسٹی کی فکلٹی آف آرٹس میں۔

AsliAhleSunnet.com

اور دیگر زبانوں سے آہستہ آہستہ یہ چیز ختم ہوگئی، بعض مستشرقین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اعراب عربی زبان میں اصلی نہیں بلکہ بعد کے دور کی پیداوار ہے، لیکن یہ دعویٰ بے دلیل ہے، کیونکہ ایسی کوئی عربی تحریر موجود نہیں جس سے یہ ثابت کیا جاسکے کہ قریش یا شمالی عرب کے کسی دوسرے قبیلہ کے یہاں اعراب کی اہمیت ختم ہوگئی تھی اور وہ لوگ اپنے مخصوص لہجہ میں اسکا خیال نہیں رکھتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ جزیرۂ عرب کے مشرقی و مغربی حصوں میں اور اسی طرح حجاز و نجد وغیرہ میں اعراب عام طور پر ملحوظ رکھا جاتا تھا اور اس پر توجہ دی جاتی تھی، قریش کی زبان میں اعراب کے متروک ہوجانے کا جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں وہ محض ایک خیالی بات اور بے بنیاد مفروضہ ہے، اس کے پیچھے کسی علمی دلیل کا وجود نہیں۔

عربی زبان کی ایک خصوصیت جس کے قدیم ہونے کی شہادت اوجریتی زبان سے ملی ہے لام تعریف ہے جس کے بدلہ میں عبرانی و آرامی زبان میں ھ استعمال ہوتی ہے، صفوی آثار سے پتہ چلتا ہے کہ عبریوں کی طرح یہ لوگ بھی اور اسی طرح ثمودی و لحیانی لوگ بھی اس حرف کو تعریف کے لئے استعمال کرتے تھے۔

عربی و دیگر سامی زبانوں کے مابین فعل کے صیغوں کے درمیان موازنہ سے پتہ چلتا ہے کہ اَفْعَلَ کے صیغہ میں ہمزہ جس طرح تعدیہ کے لئے عربی میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح حبشی وسریانی زبانوں میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور اسی کو عبرانی، سبائی اور آرامی کے بعض لہجات ھ (ھفعل) سے تعبیر کرتے ہیں، اَراق میں ھراق کی لغت کے جواز سے علماء نے یہی استدلال کیا ہے کہ یہ قدیم لغت کا بقایا ہے اور اس میں ھ ہمزہ کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ [۱]

کچھ اسماء وافعال بھی ایسے ہیں جن میں عربی زبان دیگر سامی زبانوں کے ساتھ شریک ہے، اس سلسلہ میں اصل و نقل یا قدیم وجدید کا فیصلہ مشکل ہے، ماہرین سامیات کا خیال ہے کہ جن کلمات کے سلسلہ میں عربی زبان منفرد ہے اور وہ دیگر سامی زبانوں میں موجود نہیں ہیں

---

[۱] ابن یعیش ج۱۰ ص ۵

AsliAhleSunnet.com

وہ اصل میں سامی الفاظ ہیں جنہیں عربی زبان نے محفوظ کر لیا لیکن دیگر زبانوں سے وہ ختم ہو گئے اور ان کے بولنے والوں نے انھیں فراموش کر دیا، ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ عربی زبان نے بہت سے نئے الفاظ بھی ایجاد کئے اور انھیں ضرورت کے مطابق استعمال کیا۔

سابقہ سطور سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عربی زبان میں کچھ تو انتہائی قدیم عناصر ہیں اور کچھ نسبتہً نئے ہیں، ماہرین سامیات نے ایسے تمام اسماء و افعال پر بحث کی ہے اور دیگر سامی زبانوں اور لہجات سے عربی زبان کا موازنہ کر کے نیز عربی نقوش و آثار کے مطالعہ سے مفید نتائج اخذ کئے ہیں جن سے عربی زبان کے عناصر اور قدیم و جدید مظاہر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

۲۔ قدیم عربی لہجات[1]

ماہرین سامیات کو قدیم عربی لہجات کے چار کتبے ملے ہیں، جن میں سے تین خطِ مسند جنوبی میں لکھے ہوئے ہیں اور یہ ثمودی، لحیانی اور صفوی لہجے سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک کتبہ خطِ آرامی میں لکھا ہوا ہے جس کا لہجہ نبطی ہے، ثمود کا ذکر قرآن میں متعدد مقامات پر آیا ہے، یہ لوگ مدائنِ صالح اور اس کے گرد و نواح میں آباد تھے، مغرب میں ان کی جماعتیں بحیرۂ احمر تک اور مشرق میں اجا و سلمیٰ کی پہاڑیوں تک پھیلی ہوئی تھیں، ان کا تذکرہ رومیوں اور یونانیوں کے یہاں اور اسی طرح آٹھویں صدی قبل مسیح کی اشوری تحریروں میں بھی ہوا ہے، ان کے جو کتبات و نقوش دریافت ہوئے ہیں ان کا تعلق قبل مسیح کی آخری اور بعد مسیح کی ابتدائی صدیوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ثمودیوں کے یہ کتبات عام طور سے ان کے ناموں پر مشتمل ہیں اور بہت کم میں معبودوں سے دعا وغیرہ مذکور ہے، ان کتبات کا خط مسند ضرور ہے لیکن زبان عربی شمالی ہے، اس کا پتہ صرفی و نحوی ترکیبات اور افعال کے اشتقاق و زمانے سے چلتا ہے، ان میں جمع کے ساتھ ساتھ تثنیہ کا بھی صیغہ ہے، اسم اشارہ، اسم موصول، ضمائر اور حروفِ جر وغیرہ بھی موجود ہیں۔

---

[1] ان لہجات کے سلسلے میں ملاحظہ ہو: تاریخ العرب قبل الاسلام از جواد علی جلد ہفتم، مجلۃ کلیۃ الآداب میں لیٹمن کا مقالہ اور اسی کا مقالہ مجلۃ مجمع اللغۃ العربیۃ میں بعنوان "لہجات عربیۃ شمالیۃ قبل الاسلام"

AsliAhleSunnet.com

دوسرا قدیم لہجہ لحیانی لہجہ ہے، بنو لحیان کے نقوش ماہرین سامیات کو شمالی حجاز کے علاقہ العُلا میں ملے ہیں، ان کا صدر مقام دادان تھا جو مدائن صالح سے قریب واقع تھا، انکی تاریخ کے بارے میں محققین مختلف ہیں، کچھ لوگ ان کا زمانہ قبل مسیح قرار دیتے ہیں اور کچھ لوگ بعد مسیح، ان کے کتبات سے بھی یہ مشکل حل نہیں ہوتی، ان کتبات میں بھی مفرد، تثنیہ، جمع، حروف جر اور اضافت وغیرہ امور سے انکی زبان عربی ہونے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔

صفوی لہجہ جبلِ صَفات کی جانب منسوب ہے جو بادیۂ شام میں حوران کے مشرق میں واقع ہے، کتبات کی دریافت اس علاقہ میں نہیں ہوئی بلکہ وہ مذکورہ مقام اور حوران کے مابین پتھریلی سرزمین (حَرَّہ) میں ملے ہیں، ان کتبات کا خط بھی خطِ مسند سے ماخوذ ہے اور اس کی قرأت دشوار ہے، یہ کتبات عام طور سے مختصر ذاتی یا ملکیت سے متعلق وثیقہ جات اور معبودوں سے دعاؤں پر مشتمل ہیں، یہ لہجہ عام طور پر سابقہ دونوں لہجوں کے مقابلہ میں جاہلی دور کی عربی زبان سے زیادہ قریب ہے، ان کتبوں کا زمانہ تیسری صدی عیسوی کا زمانہ ہے، ان میں فصیح سے زیادہ قریب ان نبطیوں کے نقوش ہیں جو شمالی حجاز میں رہتے تھے اور سَلع (بطرا-PETRA) نامی شہر کو اپنی حکومت کا پایۂ تخت بنایا تھا، اب اس شہر کا جائے وقوع فلسطین کے جنوب میں وادی موسیٰ ہے، نبطیوں کا تعلق شمالی عربوں سے ہے جو اپنی روزمرہ کی گفتگو میں شمال کی عربی زبان استعمال کرتے تھے، نبطیوں کے کتبات ان کے زیرِ اثر تمام علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے، ان کا خط آرامی ہے جو فینیقی خط سے ماخوذ ہے، اور لہجہ میں لام تعریف اور منصرف اعلام کے آخیر میں واؤ کے استعمال کی وجہ سے جاہلی دور کی فصیح عربی سے اس کی قربت یقینی ہو جاتی، ان مذکورہ امور کی وجہ سے نبطی لہجہ کا عربی زبان سے گہرا تعلق ثابت ہو جاتا ہے، یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ عرب لوگوں نے ابتدائی عیسوی صدیوں میں اپنی زبان میں تیزی سے تبدیلی پیدا کی اور اسی طرح نبطی خط میں تبدیلی کر کے اس سے عربی خط اخذ کیا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۳۔ فصحیٰ کی ابتداء جاہلی دور میں عربی زبان کی جو شکل تھی اس کے وقت کی تعیین مشکل ہے، یہ شکل اعراب، گردان، اشتقاق، مفرد و جمع، معرفہ و نکرہ

AsliAhleSunnet.com

وغیرہ لحاظ سے بالکل مکمل ہے، لیکن یہ متعین نہیں کیا جا سکتا کہ زبان نے یہ شکل کس دور میں حاصل کی۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ موجودہ شکل طویل مراحل طے کرنے کے بعد حاصل ہوئی ہے، جو نقوش و کتبات دریافت ہوئے ہیں ان سے زبان کے بعض ارتقائی مرحلوں کا علم ضرور ہوتا ہے لیکن مکمل صورت سامنے نہیں آتی۔ ایک سوال یہ ہے کہ عربی زبان کو آخری شکل اسی وقت ملی جب جاہلی شاعری کا ظہور ہوا یا اس سے پہلے؟ اس سوال کا جواب آسان نہیں، کیونکہ ہمارے پاس ایسے زیادہ کتبات نہیں جن سے ہم فصحیٰ کی ابتدا کا حقیقی وقت متعین کر سکیں۔ ماہرین سامیات کو تیسری صدی عیسوی تک کے جو کتبات ملے ہیں وہ بہت تھوڑے مختصر اور شخصیات سے متعلق ہیں، کوئی ایسی ادبی تحریر بھی نہیں جسمیں تمام لغوی خصائص اکٹھا ہو گئے ہوں۔

دریافت ہونے والے نقوش سے یہ البتہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زبان فصحیٰ سے بیحد قریب ہے، ۳۲۸ء کا لکھا ہوا نمارۃ کا جو نقش دریافت ہوا ہے وہ سب سے قدیم نقش بتایا جاتا ہے، یہ حیرہ کے دوسرے بادشاہ امرا القیس کی قبر پر نصب تھا، اس میں بعض الفاظ کے اختلاف کے علاوہ بقیہ تمام عربی زبان کی خصوصیات موجود ہیں، اس کا خط نبطی خط سے مشتق ہے لیکن اس کے باوجود اسے عربی خط کی ابتدائی شکل کہا جا سکتا ہے، اس کتبہ کو فصحیٰ کے وجود کی ابتدا قرار دیا جائے تو شاید مناسب ہوگا، ان کتبات اور دیگر قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عربی خط کو اس کی مکمل شکل چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں حاصل ہوئی اور تقریباً اسی زمانہ میں فصحیٰ کی جاہلی دور والی شکل بھی متعین ہوئی، اسی وقت سے قبائل کے لہجوں میں قربت پیدا ہوئی اور فصحیٰ کو عام ادبی زبان کی حیثیت حاصل ہو گئی جس میں تمام شعرا اپنا کلام نظم کرنے لگے، پھر یہ زبان شمال اور جنوب دونوں علاقوں کے قبائل میں عام ہو گئی۔

۴۔ جاہلی لہجات[1]

جاہلی دور میں ایک عام ادبی زبان کے عروج کے باوجود بہت سے لہجات رائج تھے جن سے مختلف قبائل کے مابین امتیاز ہوتا تھا،

---

[1] ان لہجات کیلئے دیکھیئے: کتاب المزہر للسیوطی، کتاب الصاحبی فی فقہ اللغۃ از احمد بن فارس، لیٹمن کا مضمون مطبوعہ مجلۃ کلیۃ الآداب بجامعۃ القاہرہ ج ۱۰، عدد اول اور Ancient West Arabian از رابین۔

AsliAhleSunnet.com

ان لہجات کے آثار دوسری صدی ہجری تک واضح تھے جنہیں علمار لغت نے قلمبند کیا ہے لیکن یہ وضاحت بہت کم کی گئی ہے کہ کس قبیلہ نے کون سا لہجہ اختیار کیا تھا، کتب لغت میں بہت سے شاذ لہجے بھی مذکورہ ہیں جو بعض قبائل کی جانب منسوب ہیں، سیوطی نے المزھر میں ایک فصل منعقد کی ہے جس میں ان الفاظ کا ذکر کیا ہے جن کے بارے میں تمیمیوں اور حجازیوں کا اختلاف ہے، اس سلسلہ کا اہم اختلاف یہ بتایا جاتا ہے کہ اہل تمیم ہمزہ کو تحقیق سے پڑھتے تھے اور اہل حجاز تسہیل کے ساتھ، سأل یسأل سئولاً تمیم کے لوگ کہتے تھے اور اسی کو حجاز کے لوگ سال یسال سوالاً کہتے تھے، لفظ مَا کو اہل تمیم عامل نہیں مانتے تھے (ما زید قائم) اور اہلِ حجاز اسے عامل مان کر ما زید قائماً کہتے تھے، هَلُمَّ کو اسمار افعال سے مان کر اہل حجاز مفرد، تثنیہ اور جمع میں ایک ہی حالت پر رکھتے تھے، لیکن اہل تمیم افعال کی طرح اس میں بھی تبدیلی کرتے تھے، قرآن کا نزول حجازیوں کی لغت کے مطابق ہوا چنانچہ آیت میں ہے (وَالْقَائِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا)

اہل تمیم و حجاز کے باہمی اختلاف کی سب سے اچھی ترجمانی قرآن کریم کی قراءتوں سے ہوتی ہے، آیت فنظرۃ الی میسرۃ میں جمہور نے ظار کو کسرہ پڑھا ہے جو قریش کی لغت ہے، مجاہد اور ضحاک نے ظار کو ساکن پڑھا ہے جو تمیم کی لغت ہے، آیت ورضوانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ میں رار کو کسرہ حجازیوں کی لغت ہے، اور ضمہ تمیم و بکر کی لغت ہے، آیت قاموا کسالی میں جمہور نے کاف کو ضمہ پڑھا ہے جو حجازیوں کی لغت ہے، اور اعرج نے کاف کو کسرہ پڑھا ہے جو تمیم واسد کی لغت ہے، آیت وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً میں جمہور نے غین کو کسرہ پڑھا ہے جو حجازیوں کی لغت ہے، اور سُلَمی والو حیوۃ نے ضمہ پڑھا ہے جو تمیم کی لغت ہے۔

الفاظ کے تلفظ میں ان اختلافات کے ساتھ ہی بہت سی تعبیرات میں بھی اختلاف تھا جس کے نتیجہ میں عربی زبان کے اندر مترادف الفاظ کی کثرت ہوئی مثلاً ذھب وعسجد، غیث ومطر، قمح وبُرّ، اسمار میں ترادف کے ساتھ ساتھ افعال میں بھی ترادف کی مثالیں ملتی ہیں مثلاً تقاتلوا، تعارکوا، تحاربوا، تواقعوا اور تخاصموا۔

AsliAhleSunnet.com

لہجات میں تعبیر کے تبائن و اختلاف ہی کے باب سے اضداد کو بھی شمار کیا گیا ہے، ایک لفظ کو ایک قبیلہ ایک معنیٰ میں استعمال کرتا ہے اور اسی لفظ کو دوسرا قبیلہ پہلے معنیٰ کے بالکل منافی و ضد دوسرے معنیٰ میں استعمال کرتا ہے، مثلاً جلل کا معنیٰ عظیم اور حقیر دونوں بتایا جاتا ہے، جَوْن سیاہ اور سفید دونوں پر بولا جاتا ہے اور اسی طرح بَسْل حلال اور حرام دونوں کو کہتے ہیں۔

مذکورہ توضیح سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ جاہلی دور میں مختلف لہجات رائج تھے، علماء لغت نے ان میں سے اکثر کی جانب اشارہ کیا ہے، خاص طور پر انہوں نے ان الفاظ پر توجہ دی ہے جو فصحیٰ کے خلاف تھے جو عربی شاعری اور قرآن کریم کی زبان تھی، جاہلی لہجات کے سلسلہ میں لغویوں نے جو کثیر مواد فراہم کئے ہیں ان کے باوجود ان لہجات کا مطالعہ انتہائی مشکل ہے اور جگہ جگہ ظن و تخمین سے کام لینا پڑتا ہے، خود متقدمین اس سلسلہ میں اضطراب کا شکار ہو گئے ہیں، جن الفاظ و لغات کو انھوں نے قبائل کی طرف منسوب کیا ہے ان میں ایسا بھی ہوا ہے کہ جو چیز ایک جگہ تمیم کی طرف منسوب ہوئی ہے وہی چیز دوسری جگہ قیس کی طرف منسوب ہو گئی ہے۔

۵۔ لہجۂ قریش کا غلبہ

جاہلی دور کی شاعری کے مطالعہ سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ شمال کے عرب قبائل نے ایک فصیح ادبی لہجہ اختیار کر لیا تھا جس میں مختلف قبائل کے شعراء اپنے اشعار نظم کیا کرتے تھے، جب شاعر شعر کہتا تو اپنا مقامی لہجہ چھوڑ کر اس عام ادبی لہجہ کو اختیار کر لیتا تھا، اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے اشعار میں قبائلی لہجات کی جملہ خصوصیتیں مفقود نظر آتی ہیں۔

جاہلی دور میں شعراء کون سا لہجہ اختیار کرتے تھے اس کے بارے میں مستشرقین کے خیالات مختلف ہیں[1]۔ نولڈک کہتا ہے کہ جزیرۂ عرب کے اہم علاقوں مثلاً حجاز، نجد اور اقلیم فرات میں لہجات کے مابین اختلاف بہت معمولی تھا، اور انہی مقامات کے لہجوں سے فصحیٰ کا لہجہ بنا ہوا ہے،

---

[1] ان آراء کیلئے دیکھئے جواد علی کا مقالہ "الثقافة الاسلامیة والحیاة المعاصرة" مطبوعہ مکتبۃ النہضۃ، قاہرہ۔

AsliAhleSunnet.com

گویڈی نے بھی اسی خیال کی تائید کی ہے اور کہتا ہے کہ یہ کوئی مخصوص لہجہ نہیں بلکہ چند لہجات کے مجموعہ سے جو نجد اور اس کے قرب و جوار میں رائج تھے یہ لہجہ وجود پذیر ہوا ہے، فیشر کا خیال ہے کہ یہ ایک مخصوص و متعین لہجہ ضرور ہے لیکن اسے کسی خاص قبیلہ کی جانب منسوب نہیں کیا جا سکتا ہے، نالینو کا خیال ہے کہ یہ ان قبائل کی زبان ہے جنہیں شعر گوئی میں شہرت حاصل ہوئی تھی، اور جن کے کلام سے لغویوں نے اپنے لغوی مواد اور شواہد کو جمع کیا ہے، ہارتمان اور وولرز کا خیال ہے کہ یہ نجد و یمامہ کے بدویوں کا لہجہ ہے جس میں شعراء نے بہت سی تبدیلی کی ہے۔ بروکلمن کا خیال ہے کہ فصحیٰ فنی زبان تھی اور یہ تمام لہجوں پر قائم تھی اور اسے تمام لہجات کی تائید و تقویت حاصل تھی[1]۔ نالینو کے خیال ہی کی روشنی میں بلاشیر نے کوشش کی ہے کہ اس ادبی لہجہ کے حدود متعین کرے، اس کا خیال ہے کہ فصحیٰ جاہلی شاعری اور قرآن دونوں سے ماخوذ ہے اور قرآن کا استناد مکی لہجہ پر نہیں بلکہ اسی شاعری کی زبان پر ہے، اور یہ زبان مقامی لہجہ سے پیدا ہو کر ادبی مقام تک پہونچی ہے، لیکن اس نے اس لہجہ کا نام نہیں بتایا جو دوسرے لہجات پر غالب آگیا اور پھر اس کے غلبہ کے اسباب کیا تھے، اسے اس بارے میں شبہ ہے کہ قریش کے لہجہ کو یہ غلبہ و برتری حاصل ہوئی[2]۔

ان تمام آراء کی بنیاد مفروضات اور اندازوں پر ہے، مستشرقین ان کے ذریعہ ہمارے اسلاف کے خیال کی مخالفت کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ اسلاف کا خیال یہ ہے کہ فصحیٰ قریش کا لہجہ ہے اور اسی میں قرآن نازل ہوا ہے۔ ابونصر فارابی کہتے ہیں کہ فصیح، سہل، شیریں اور واضح الفاظ کے انتخاب کے معاملہ میں قریش تمام عرب قبائل سے اچھے تھے[3]، احمد بن فارس، اسماعیل بن ابی عبیداللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ علماء و رواۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قریش کی زبان سب سے زیادہ فصیح اور ستھری ہے، انکو جملہ عرب قوم سے اللہ تعالیٰ نے منتخب کر کے ان میں سے

---

[1] بروکلمن: تاریخ الادب العربی ج ۱ ص ۴۲۔ [2] تاریخ الادب العربی از بلاشیر ج ۱ ص ۷۷۔
[3] المزھر للسیوطی ج ۱ ص ۲۱۱۔

AsliAhleSunnet.com

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا، قریش ہی حرم کے باسی اور پڑوسی تھے، مکہ میں عرب کے وفود حج اور دوسرے مقاصد کے لئے آتے تھے، ان کے مسائل اور تنازعات کا فیصلہ قریش کے لوگ کرتے تھے، قریش کی زبان سب سے زیادہ فصیح تھی اس کے باوجود وہ عرب وفود کے کلام کا جائزہ لیتے اور اچھے الفاظ و کلام کا انتخاب کرکے انھیں خود استعمال کرتے تھے، اس طرح ان کے کلام میں دوسری زبانوں کے عمدہ الفاظ اور فصیح ترکیبیں اکٹھا ہوگئی تھیں اور وہ تمام عربوں سے زیادہ فصیح قرار پائے[1] ابن خلدون کہتے ہیں کہ قریش کی زبان سب سے زیادہ فصیح اور واضح تھی، کیونکہ یہ لوگ عجمی علاقوں سے پوری طرح الگ تھلگ واقع ہوئے تھے[2]

فصحیٰ کو قریش کا لہجہ ماننے کا انکار مستشرقین نے جن مفروضات کے سہارے کیا ہے ہماری نظر میں ان کی کوئی وقعت نہیں، انھوں نے دیگر نجدی قبائل میں فصحیٰ کی اصل اور اسکا ماخذ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے یہ بات فراموش کردی کہ کسی لہجہ کے رواج واشاعت کے لئے سیاسی یا مذہبی یا تمدنی حالات کی استواری ضروری ہے جس کے سہارے اس لہجہ کو فروغ حاصل ہوگا اور وہ لہجہ کسی بڑی جماعت کے فکر وشعور کی زبان بن سکے گا اور ادب کی ترجمانی کے لئے اسے ذریعہ بنایا جائے گا، کسی نجدی قبیلہ کی زبان کے تفوق و برتری کے لئے کوئی ایسا سبب اگر تلاش کیا جائے تو ناکامی ہوگی، لیکن اس کے مقابلہ میں قریش کی زبان و لہجہ کے تفوق کے لئے ایسے اسباب مل جاتے ہیں، چنانچہ قریش کا قبیلہ دورِ جاہلیت میں عربوں کے قلب و نگاہ کا مرکز تھا، اور اسے روحانی و مادی مرکزیت کے سبب عربوں پر وسیع اقتدار حاصل تھا، کیونکہ یہ بیت اللہ کا محافظ اور تجارتی قافلوں کی فرودگاہ تھا، عرب یہاں کے دینی میلوں اور منڈیوں میں جمع ہوتے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ چند دینی و اقتصادی اسباب ایسے ضرور موجود تھے جن کی بنا پر مکہ کے لہجہ کو دیگر قبائلی لہجات پر سیادت و برتری کا موقع حاصل ہوا، پھر بعد میں کچھ دوسرے

---

[1] الصاحبی فی فقہ اللغۃ (طبعۃ المؤید) ص ۲۳ ۔ [2] مقدمہ ابن خلدون ص ۴۰۹ ۔

AsliAhleSunnet.com

سیاسی اسباب کی بنا پر یہ سیادت اور زیادہ قوی ہو گئی، چنانچہ عرب قبائل نے دیکھا کہ روم، ایران اور حبش کی قومیں ان کے علاقوں پر حملہ آور ہوتی رہتی ہیں اور اسی طرح جزیرہ کے یہودی و عیسائی مذاہب کی یہ کوشش ہے کہ وہ عربوں کی بت پرستی والے مذہب کو نیست و نابود کر دیں، ان خطرات سے اپنے ملک و مذہب کو محفوظ رکھنے کے لئے تمام عرب قبائل مکہ کو اپنا مرکز مان کر اس کے گرد جمع ہو گئے اور اسے اپنا روحانی و سیاسی مرکز تصور کر لیا، اس طرح قریشی لہجہ کو دیگر تمام قبائلی لہجات پر سیادت و برتری کا موقع ملا اور وہ عربوں کی ادبی و دینی زبان کی حیثیت سے مشہور ہوا، سوقِ عکاظ میں جو ادبی اجتماعات منعقد ہوتے تھے ان سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے، راویوں کا بیان ہے کہ اہل عرب اپنے اشعار قریش کے سامنے پیش کرتے تھے، جنھیں وہ قبول کرتے، وہ سب کے نزدیک مقبول ہوتا اور جنہیں رد کر دیتے انھیں سبھی لوگ رد کر دیتے، علقمہ بن عبدۃ تمیمی نے اسی بازار میں ایک سال اپنا یہ قصیدہ

هل ما علمت وما استودعت مكتوم

سنایا تو لوگوں نے کہا کہ هٰذا سمط الدهر، پھر جب آئندہ سال اپنا یہ قصیدہ سنایا کہ

طحابك قلب في الحسان طروب

تو لوگوں نے کہا کہ: هاتان سمطا الدهر۔ [1]

ایسی صورت میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ قریش ہی کا لہجہ فصحیٰ ہے جو جاہلی دور ہی میں صرف نجد و حجاز ہی نہیں بلکہ شمال، مشرق، مغرب اور یمامہ و بحرین میں رواج پذیر و متعارف ہو چکا تھا، اسی طرح جنوب میں پہونچ کر حمیر و یمن کی زبانوں کو بھی مغلوب بنا دیا، اس خیال کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ یمن کے جو وفود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے انکے بارے میں کسی راوی یا مؤلف سیرت نبویہ کا بیان نہیں کہ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بات چیت میں کسی طرح کی دشواری ہوئی ہو، پھر آپؐ نے ان لوگوں کی تعلیم و تلقین کیلئے مبلغین کو بھیجا جو انھیں

---

[1] الاغانی (ساسی) ۲۱/۱۱۲۔

AsliAhleSunnet.com

شریعت کی تعلیم دیا کرتے تھے، اس بارے میں حضرت معاذ بن جبلؓ کا واقعہ مشہور ہے، اگر وہاں کے لوگ فصحیٰ کو سمجھنے پر قادر نہ ہوتے تو ان مبلغین کا ان کے پاس بھیجنا بے سود تھا، ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلام سے پہلے ہی جنوب میں "تعریب" (عرب سازی) کی وسیع تحریک شروع ہو چکی تھی۔

جہاں تک شمال کا تعلق ہے تو وہاں پر ہر حصہ میں فصیح زبان معروف و مفہوم تھی اور اسی کو شعراء اشعار میں استعمال کرتے تھے، اس دعویٰ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب قرآن نازل ہوا تو اسے سمجھنے میں انھیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی اور بہت جلد یہ لوگ اس سے متاثر ہو کر اس پر ایمان لے آئے، اور یہ جاننے کے بعد کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا تھا یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ یہی زبان اس وقت کی مروجہ ادبی زبان تھی۔

اس سلسلہ میں ایک قابل لحاظ بات یہ بھی ہے کہ قریش کے لہجہ کی نشر و اشاعت دور اسلام میں قرآن کے ذریعہ نہیں ہوئی تھی، بلکہ یہ لہجہ دور جاہلی میں رواج پذیر ہو چکا تھا، ہمارے پاس تحریر و شعر کا جو قدیم ترین نمونہ موجود ہے اس میں اور بعد کے ادوار کی تحریر میں اس لحاظ سے کوئی فرق نظر نہیں آتا، اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریش کے لہجہ کو عام ادبی زبان کی حیثیت سے استعمال کیا جا رہا ہے اور بعد میں اسی کو "فصحیٰ" کے نام سے موسوم کیا گیا، مختلف دینی، سیاسی اور اقتصادی اسباب کی وجہ سے اس لہجہ کو قبولِ عام حاصل ہو گیا اور جزیرۂ عرب سے نکل کر اس کی شہرت باہر کے ملکوں میں بھی ہو گئی۔

AsliAhleSunnet.com

پانچویں فصل

جاہلی شاعری کی روایت و تدوین

۱۔ جاہلی اشعار کی روایت

پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ شمال کے عربوں نے نبطی رسم الخط کو ترقی دے کر موجودہ عربی خط کی شکل دے دی تھی اور یہ عمل شاید جاہلی دور کی بالکل ابتدا میں یا اس سے پہلے ہوا تھا، کیونکہ مختلف کتبوں سے اس کی شہادت ملتی ہے، شعراء کے کلام میں بھی کتابت کا تذکرہ بہت عام ہے، مرقش اکبر کا شعر ہے:

الدارُ قفرٌ والرُّسومُ کما　　　رَقَّشَ فی ظهرِ الأدیمِ قَلَمْ

(گھر چٹیل میدان سا ہے، اور نشانات چمڑے پر قلم کے نقش کی مانند ہیں)

اسی طرح سلامۃ بن جندل، لبید، اخنس بن شہاب اور حارث بن حلزہ کے اشعار میں کتابت کا ذکر اور اسکے ساتھ تشبیہ وارد ہوئی ہے، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس دور میں شہروں میں اور بالخصوص مکہ میں کتابت کا فن معروف تھا۔

لیکن ایسی کوئی مادی دلیل ہمارے پاس موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ جاہلی دور میں کتابت کو حفظ اشعار کے وسیلہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہو، یہ البتہ مانا جا سکتا ہے کہ بعض قطعات و قصائد لکھے ہوئے موجود تھے، لیکن اس سے اشعار کو لکھنے اور آئندہ نسلوں کے لئے اسے محفوظ کرنے کی بات ثابت نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس دور میں کتابت کے وسائل بے حد دشوار تھے اور کسی بڑے مجموعہ کو لکھنا تقریباً محال تھا، یہ کام اسلامی دور میں اس وقت انجام پذیر ہوا جب قرآن کی وجہ سے کتابت و تحریر کا رواج عام ہوا۔

AsliAhleSunnet.com

قرآن کریم کو دین کی مقدس کتاب ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابۂ کرام کے مشورہ سے ایک مصحف میں جمع کیا گیا۔ اس سے بھی یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ جاہلی دور میں اشعار کو ایک کتابی صورت میں جمع کرنے کا خیال نہیں پیدا ہوا تھا بلکہ یہ چیز اسلام کے بعد معرض وجود میں آئی۔ جاہلی دور میں پورا دار و مدار حفظ و روایت پر تھا، خود حدیثِ نبوی کی عمومی اور باقاعدہ طور پر تدوین پہلی صدی ہجری کے بعد ہوئی، اور یہی طریقہ جاہلی شاعری کے بارے میں بھی اختیار کیا گیا، اشعار کو جو شہرت و مقبولیت اور رواج حاصل ہوتا تھا اس کا واحد ذریعہ روایت تھی، ہر شاعر خود راوی ہوتا تھا، جب وہ شعر گوئی کے میدان میں قدم رکھتا تھا تو کسی باکمال شاعر سے اپنا رابطہ قائم کرنے کے بعد اس کے اور دیگر شعراء کے اشعار کو روایت کرتا اور اس طرح اس کی زبان صاف ہوتی اور شاعری کا ملکہ فروغ پاتا۔ صاحب اغانی نے ان شعراء کا ایک سلسلہ ذکر کیا ہے جو دوسروں کے اشعار کی روایت کرتے تھے، اوس بن حجر کا راوی زہیر بن ابی سلمیٰ، اور اس کے راوی کعب اور حطیئہ، حطیئہ کا راوی ہدبہ بن خشرم اور اس کا راوی جمیل اور اس کا راوی کثیر تھا[1]

اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس دور میں شاعروں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آگیا تھا جو اشعار کی روایت کرتا تھا اور روایت کا یہ عمل ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک مسلسل منتقل ہوتا تھا، اور یہ رواۃ جزیرۂ عرب کے مختلف حصّوں سے تعلق رکھتے تھے، ان رواۃ کے علاوہ قبیلہ کے دوسرے افراد بھی اشعار کے حفظ و روایت پر توجہ دیتے تھے کیونکہ ان اشعار میں ان کے مناقب اور فتح و نصرت کی داستان لکھی رہتی تھی، دشمنوں کی برائیوں کا تذکرہ ہوتا تھا، اس لئے انھیں ان اشعار سے محبت اور دلچسپی تھی۔

پھر ظہورِ اسلام کے بعد لوگوں کی توجہ قرآنِ کریم پر مرکوز ہو گئی لیکن اس وقت بھی لوگوں نے شاعری کو فراموش نہیں کیا، خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت

---

[1] اغانی ۹۷/۸ (دار الکتب)

AsliAhleSunnet.com

اور انصار کے دیگر شعراء کو قریش کی ہجو اور ان کے شعراء کے جواب پر ابھارتے تھے اور اس باب میں ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، صحابہ سے آپؐ اشعار سنانے کے لئے کہتے تھے اور وہ کبھی کبھی مشرکین شعراء یعنی امیۃ بن ابی الصلت وغیرہ کے اشعار بھی سناتے تھے، شرید بن سوید ثقفی کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے امیۃ بن ابی الصلت کے اشعار سنانے کا حکم دیا، میں نے آپؐ کے ایماء پر تقریباً سو شعر سنائے[۱] حضرت ابوبکرؓ کو انساب کے ساتھ ساتھ جاہلی اشعار کا بڑا حصہ یاد تھا، آپ اپنی تقریروں میں ان کو پیش بھی کیا کرتے تھے، اسی طرح حضرت عمرؓ کے پاس جب کوئی وفد آتا تو اس سے شعراء کے بارے میں ضرور سوال کرتے تھے، ابن سلام کا بیان ہے کہ ان کے سامنے جب کوئی معاملہ پیش آتا تو اس سے متعلق کوئی شعر ضرور پیش کرتے تھے[۲] صحابہ کرام کے بارے میں بھی مذکور ہے کہ آپس میں وہ اشعار پڑھا کرتے تھے اور جاہلی دور کے بعض واقعات کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔[۳]

مذکورہ توضیح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جاہلی اشعار کے روایت کا سلسلہ ابتدائے اسلام میں جاری تھا، اور کچھ ایسے اسباب وعوامل پیدا ہو گئے تھے جن سے روایت کے عمل کو تقویت حاصل ہوئی تھی، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فوجی ضرورت کے پیش نظر انساب کے علم کو اہمیت حاصل ہوئی، نسب کے اثبات کے لئے لوگ عام طور سے اشعار ہی سے استدلال کرتے تھے، اسی طرح حضرت علی اور حضرت معاویہ کے مابین جب جنگ وجدال کی نوبت آئی تو قبائلی عصبیت میں شدت پیدا ہو گئی اور ان عصبیات کو بھڑکانے کے لئے اشعار کو استعمال کیا گیا، ہر قبیلہ نے اپنے مناقب ومفاخر سے متعلق اشعار پر توجہ دینی شروع کر دی جس سے جاہلی شاعری کے اس ذخیرہ کو عصر تدوین تک محفوظ رکھنے میں بے حد مدد ملی۔[۴]

اموی حکومت کا رجحان خالص عربی تھا، اور اس نے اس سرمایہ کو محفوظ رکھنے کیلئے

---

[۱] ابن سعد ۵/ ۳۷۶، خزانۃ الادب ۱/ ۲۲۷، المزہر ۲/ ۳۰۹۔ [۲] البیان والتبیین ۱/ ۲۴۱۔
[۳] ابن سعد ۱/ ۲: ۹۵۔ [۴] مصادر الشعر الجاہلی ص ۲۳۱۔

AsliAhleSunnet.com

مؤثر اقدامات کئے، مختلف قبائل کے وفود جب خلفاء کے پاس آتے تو وہ ان سے شعراء کے متعلق سوالات کرتے تھے، کبھی کبھی ایک شعر پڑھ کر شاعر یا قصیدے کے بارے میں دریافت کرتے اور جو شخص بہتر جواب دیتا اسے زیادہ انعام واکرام ملتا تھا، حضرت معاویہ کو رات کی داستان گوئی اور اگلے لوگوں کے واقعات سے بے حد دلچسپی تھی، انھوں نے عبید بن شریہ جرہمی کو یمن سے بلاکر اپنا داستان گو مقرر کیا تھا۔

ابتدائے اسلام ہی سے قصہ گو افراد کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جو مساجد میں وعظ ونصیحت کا کام انجام دیا کرتا تھا، اس گروہ کے افراد وعظ کی مجلسوں میں جاہلی اشعار سے بھی استشہاد واستدلال کرتے تھے، اس دور میں خود اسلامی شعراء قدیم اشعار کی روایت پر بہت زیادہ توجہ دیتے تھے اور قدیم کلام کا نمونہ وہ نئی نسل کے سامنے پیش کیا کرتے تھے، مختلف تاریخی تذکروں کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسلامی دور کا ہر عربی نژاد شخص جاہلی اشعار سے اپنی تقریر میں استشہاد کرتا تھا، اس سلسلہ میں حجاج بن یوسف کا نام بہت زیادہ مشہور ہے۔

سابقہ بیان سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ راویوں کی ایک بڑی تعداد نے جاہلی اشعار کو تدوین کے دور تک پہونچایا اور مختلف قبائل وافراد اور بالخصوص شعراء نے اس باب میں نمایاں خدمت انجام دی اور اس طرح جاہلی شاعری کا یہ ذخیرہ بعد کی نسلوں تک پہونچا، یہ صحیح ہے کہ یہ طویل مدت طے کرنے میں جاہلی عربی شاعری کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو گیا اور ہم اس سے واقفیت حاصل نہ کر سکے، ابن سلام کا بیان ہے کہ جب اسلام کی اشاعت عام ہو گئی اور فتوحات وغیرہ کے بعد عربوں کو اطمینان حاصل ہوا تو ان کی توجہ شاعری کی جانب مبذول ہوئی، اس وقت میں ان کے پاس کوئی مدون کتاب موجود نہیں تھی، شعراء کی ایک بڑی تعداد لڑائیوں میں کام آ گئی تھی یا مر چکی تھی، ان کے اشعار کا بہت تھوڑا حصہ لوگ یاد رکھ سکے اور بڑی تعداد ضائع ہو گئی۔[1]

---

[1] ابن سلام ص ۲۳۔

AsliAhleSunnet.com

۲۔ پیشہ وَر رُوَاۃ

عباسی دور کی ابتدا ہی سے پیشہ ور راویوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو جاہلی اشعار کی روایت کو اپنے لئے بنیادی کام تصور کرتا تھا۔ اس طبقہ میں عرب اور ان کے مملوک دونوں طرح کے لوگ تھے، کچھ قرآن کے قاری حضرات بھی تھے، ان کا شمار شہری لوگوں میں ہوتا تھا، بیشتر کوفہ و بصرہ کے باشندے تھے، قدیم اشعار کی روایت کے ساتھ ساتھ یہ لوگ جاہلی دور کے واقعات اور جنگی تذکروں کا بیان بھی کرتے تھے، جامع مسجد کے اندر اپنے حلقہائے درس میں طلبہ کے سامنے یہ روایت کے دوران غریب الفاظ کی شرح اور اشعار کا پس منظر بھی بیان کرتے تھے۔

ان راویوں میں زیادہ اہمیت ابوعمرو بن العلاء، حماد الراویۃ، خلف الاحمر، عبدالملک الاصمعی اور مفضل الضبی کو حاصل ہے، یہ لوگ بدویوں سے اشعار حاصل کرتے تھے، کبھی کبھی خود نجد کے اطراف میں جاکر اشعار و اخبار کو بدویوں کی زبانی سنا کرتے تھے، کچھ بدو دیہات سے آکر شہر میں آباد ہو گئے تھے، ان کا وجود بھی راویوں کے لئے زبردست معاون تھا، راویوں نے اپنے کام کو غیر معمولی مہارت سے انجام دیا اور جاہلی دور کے تقریباً پورے سرمایہ کو اکٹھا کر لیا، اس مجموعہ سے قرآن کریم کی تفسیر اور عربی زبان کے قواعد کی ترتیب کا کام آسان ہوا، جاہلی اشعار کو قواعد کی ترتیب و تعیین میں جو اہمیت حاصل ہے اس سے تمام لوگ واقف ہیں، اس موقع پر یہ بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اشعار کے راوی اپنے اساتذہ کا نام بہت کم لیتے تھے اور اشعار کو بغیر سند روایت کیا کرتے تھے۔

ان راویوں کا تعلق بصرہ و کوفہ سے تھا، عملِ روایت کے فروغ پانے کے بعد دونوں شہروں کے دو متوازی اسکول قائم ہو گئے، کوفی اسکول میں روایت کے اندر تشدد نہیں تھا جس کے نتیجہ میں بہت سی غیر مستند روایتیں بھی ان کے یہاں فروغ پا گئیں، اس کے مقابلہ میں بصرہ اسکول کی روایت زیادہ مستند اور معتبر تھی اور اس اسکول کے رواۃ دقت پسندی، امانت اور احتیاط میں معروف تھے، اس اسکول کے سرخیل ابوعمرو بن العلاء کی امانت و احتیاط کا شہرہ کوفہ اسکول کے سرخیل حماد کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تھا، حماد کو تو عام طور پر متہم بالوضع اور

AsliAhleSunnet.com

غیر مستند بتایا گیا ہے۔

حماد کے معاصر کوفی راویوں میں برزخ العروضی اور جناد کا نام بھی آتا ہے۔ لیکن ان کی روایت قابل اعتبار نہیں ہے۔ بصرہ میں ابو زید، ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ، ہیثم بن عدی اور محمد بن السائب کلبی مشہور تھے۔ تیسری صدی کے رواۃ میں یہ لوگ مشہور ہیں: ابو عمرو الشیبانی متوفی ۲۱۳ھ، ابن الاعرابی متوفی ۲۳۱ھ، محمد بن حبیب متوفی ۲۴۵ھ، ابن السکیت متوفی ۲۴۴ھ، ثعلب متوفی ۲۹۱ھ اور ابو سعید السکری متوفی ۲۷۵ھ۔

مذکورہ رواۃ اور فن روایت کے سلسلہ میں ان کی کاوش و کوشش سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جاہلی اشعار کی روایت کا عمل تحقیق و تمحیص کی صفات سے متصف تھا، منہم راویوں کی کذب بیانی اور اختلاط پر ثقہ راویوں کی نظر رہتی تھی اور وہ ہمیشہ صحیح کو غلط سے ممتاز کرنے کے لئے اپنی کوششوں کو جاری رکھتے تھے۔ کوفہ میں مفضل الضبی اور بصرہ میں اصمعی نے اس تحقیق و تنقید کے عمل کو بہت آگے بڑھا دیا تھا۔ جاہلی اشعار کا حال بالکل احادیث نبویہ جیسا تھا، جس طرح ماہرین محدثین نے حدیث کو فنی معیاروں پر جانچ پرکھ کر مدوّن کیا، اسی طرح اشعار میں بھی مستند راویوں نے صحیح و غیر صحیح کے مابین امتیاز پیدا کیا۔ اس تحقیقی عمل کے بعد جو ذخیرہ تیار ہوا اس کا مستند اور صحیح النسب قرار پانا قرینِ قیاس تھا۔

۳۔ اشعار کی تدوین

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ عرب قوم نے جاہلی دور میں اشعار کو مدوّن نہیں کیا تھا۔ بعض شعراء کے بارے میں قطعات و قصائد کی تدوین کا جو تذکرہ بعض روایتوں میں وارد ہے اس سے یہ بات نہیں ثابت ہو سکتی کہ وہ اشعار کی تدوین کا باقاعدہ نظریہ رکھتے تھے۔ بلکہ وہ صرف جزوی واقعات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کسی بھی ثقہ راوی کے بارے میں یہ مذکور نہیں کہ اس نے جاہلی دور میں لکھے ہوئے کسی صحیفہ سے اشعار نقل کئے ہیں یا کسی شاعر نے لکھا ہوا قصیدہ پڑھ کر سنایا ہے۔ شعراء اپنے قصیدے زبانی سناتے تھے، جن شعراء کے بارے میں یہ مذکور ہے کہ وہ ایک ایک سال تک اپنے اشعار کی تنقیح و تہذیب کیا کرتے تھے وہ بھی یہ عمل حافظہ ہی کی مدد سے کرتے تھے، کتابت کا

AsliAhleSunnet.com

اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا تھا، جاحظ کا بیان ہے کہ: عربوں کا تمام تر سرمایہ برجستہ گوئی ہے اکی حیثیت الہام کی سی ہے، عربی شاعر اپنے ارادہ کو جب کسی خاص جانب متوجہ کر دیتا تو معانی و الفاظ کی آمد شروع ہو جاتی اور وہ ان چیزوں کو ضبط تحریر میں نہیں لاتا تھا۔ [1]

اسلام کے ابتدائی دور میں بھی اشعار مدون نہیں ہوئے تھے، پھر جب شہری زندگی عام ہوئی اور عربوں نے اشعار کی جانب توجہ کی تو تدوین کا سلسلہ شروع ہوا، اشعار کی تدوین سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور احادیث کی تدوین عمل میں آئی پھر بعض تاریخی واقعات مدون ہوئے، زیاد بن ابیہ نے مثالب کے بارے میں ایک کتاب مدون کی، اسی طرح عروۃ بن زبیر نے آنحضورؐ کے غزوات اور لڑائیوں کو، معاویہ نے عبید بن شریہ کے واقعات کو اور بعض صحابہ نے احادیث کو مدون کیا، پھر اشعار کی باقاعدہ تدوین کا مرحلہ اموی دور کے آخیر میں آیا، بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشعار کے ساتھ ساتھ ان سے متعلق واقعات و حالات کی بھی تدوین ہوتی تھی، ابو عمرو بن العلاء کے بارے میں منقول ہے کہ وہ روایت پر اعتماد کے ساتھ ساتھ بہت سے اشعار و واقعات کو مدون بھی کر لیا تھا، راویوں کا بیان ہے کہ اس کی کتابوں سے اسکا کمرہ بھر گیا تھا، لیکن اس نے زہد و تنسک کے بعد ان تحریروں کو جلا دیا۔

بظاہر حماد کی توجہ تحریر کے مقابلہ میں روایت پر زیادہ تھی، البتہ اس کے شاگردوں نے اس سے سنی ہوئی معلومات کو مدون کیا تھا، ابن ندیم نے لکھا ہے کہ حماد کی کوئی کتاب نہیں دیکھی گئی، البتہ لوگوں نے اس سے سنی ہوئی باتوں کی روایت کی، اور کتابیں اس کے بعد تصنیف کی گئیں۔ [2]

ایسی صورت میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ راویوں کے اولین طبقہ نے اپنے شاگردوں کے لئے جو کچھ روایت کیا خود اس کی تدوین نہیں کی، اور یہ صرف شاعری کے ساتھ خاص نہیں کیا تھا بلکہ جاہلی دور کی تاریخ کے تمام راویوں کا یہی حال تھا، چنانچہ محمد بن السائب الکلبی کی مرویات کو اس

---

[1] البیان والتبیین ج ۳ ص ۲۸۔ [2] الفہرست ص ۱۳۵، مطبوعہ مطبعہ رحمانیہ۔

AsliAhleSunnet.com

کے بیٹے ہشام نے مدون کیا اور اسی طرح خلیل بن احمد کی فن نحو میں کوئی کتاب نہیں تھی لیکن اس کی املا کرائی ہوئی معلومات کو جمع کر کے سیبویہ نے اپنی مشہور تصنیف "الکتاب" کو مرتب کیا، راویانِ اشعار عدمِ تدوین کے مسئلہ میں راویانِ حدیث سے متاثر تھے، بلکہ اشعار میں تحریر کے بجائے زبانی درس و القار کی اہمیت زیادہ تھی کیونکہ اشعار میں زبانی تلقین زیادہ ضروری تھی تاکہ اعرابی غلطیوں سے اجتناب ہو سکے۔ اسی وجہ سے دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل میں اشعار کے اندر غلطی کرنے والے راوی پر یہ الزام عائد کیا جاتا تھا کہ وہ صحفی ہے یعنی زبانی طور پر اشعار حاصل کرنے کے بجائے کتابوں سے اشعار اخذ کرتا ہے۔ ابن سلام نے قدیم شاعری کو بذریعہ کتاب حاصل کرنے والوں کی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ: کسی شخص کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی صحیفہ کی روایت کو قبول کرے اور نہ یہ کہ کسی "صحفی" سے روایت کرے۔

متقدمین رواۃ کی اس جماعت کے بعد راویوں کا جو طبقہ آیا اسی نے جاہلی شاعری کو منظم و معتبر طور پر جمع کیا، اس سلسلہ میں "اصمعی" کا نام سر فہرست ہے، اس نے صحیح و معتبر دواوین و مجموعات کے اندر جاہلی شاعری کو جمع کرنے پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز کر دی تھی، تدوین کا کام انجام دینے والے یہ راوی صرف متقدمین سے سن لینے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ساتھ ہی ان مرویات کی توثیق و تصحیح کے لئے صحرائے عرب کا سفر بھی کیا کرتے تھے، چنانچہ خود اصمعی اور ابو عمر الشیبانی کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ بدوؤں سے سنی ہوئی باتوں کو قلمبند کر لیتے تھے۔ [1]

بعد میں تدوین کی اس کوشش کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا، ابن الندیم کی کتاب الفہرست اور تراجم کی دوسری کتابوں کے مطالعہ سے جمع و تالیف کی غیر معمولی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے، ہشام بن محمد الکلبی اور المدائنی ہر ایک کی کتابوں کی تعداد تقریباً ایک سو چالیس تک پہنچتی ہے، اسی طرح ھیثم بن عدی نے بھی اپنے پیچھے تقریباً پچاس کتابوں کا سرمایہ چھوڑا، ان میں سے اکثر

---

[1] نزہۃ الالباء للانباری ص ۶۳۔

AsliAhleSunnet.com

کتابیں آج ناپید ہیں لیکن جو کتابیں ہم تک پہونچی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعری پر ان کے مصنفین کی توجہ بہت زیادہ تھی، ابن الکلبی کی "الاصنام" میں جاہلی شاعری کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جس سے یہ یقین ہوجاتا ہے کہ اس کی تصانیف اشعار سے پُر تھیں۔

مؤرخین کے سلسلہ میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ان میں سے اکثر نے اشعار کو جمع کرنے کے سلسلہ میں دقت پسندی سے کام نہیں لیا، سیرت کے مؤلف ابن اسحاق کا نام اس باب میں زیادہ مشہور ہے، ابن سلام نے طبقات فحول الشعراء میں اس پر زبردست تنقید کی ہے اور یہ الزام عائد کیا ہے کہ محمد بن اسحاق نے رطب و یابس اشعار نقل کرکے شاعری کو معیوب بنادیا[1]، ابن ہشام نے بھی ابن اسحاق کے بہت سے اشعار کو رد کردیا ہے یا انکی نسبت کو غلط قرار دیا ہے۔

اشعار کے انتساب سے متعلق ابن سلام وغیرہ محققین کی تنقید سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ "جاہلیت اولیٰ" کے عربوں کی طرف جو اشعار منسوب ہیں ان کی علمی اعتبار سے کوئی قیمت نہیں، اور اسی وجہ سے انھیں محققین راویوں نے مردود قرار دیا ہے، لیکن ان اشعار کی وجہ سے ہم جاہلی شاعری کے پورے ذخیرہ کو نظر انداز یا ناقابل اعتبار نہیں قرار دے سکتے بلکہ ابوعمرو بن العلاء، مفضل الضبی اور اصمعی وغیرہ جیسے مستند راویوں کے اشعار کو معتبر قرار دینا ناگزیر ہے۔

بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ان ثقہ راویوں کی مرویات کا ذخیرہ بھی محتاج بحث و تحقیق ہے، بعد کے علماء نے تدوین اشعار کے کام کو ایک حد تک ضرور مکمل کیا ہے، اس بارے میں ابوعمرو اور ابن الاعرابی کو زیادہ شہرت حاصل ہے، چنانچہ اول الذکر نے اسّی سے زائد قبیلوں کے اشعار کو جمع کیا تھا، جب ایک قبیلہ کے جملہ اشعار مدوّن ہوجاتے تو اس مجموعہ کو کوفہ کی مسجد میں لوگوں کے سامنے پیش کردیتا تھا، تیسری صدی ہجری کے نصف اخیر میں السکری کا نام سب سے اہم ہے جس نے کوفہ و بصرہ دونوں جگہ کے علماء ادب سے روایت کی اور بہت سے دواوین کو مدون کیا، ابوالفرج الاصفہانی کی مشہور کتاب الاغانی سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اشعار کا

---

[1] ابن سلام ص ۸ ومابعدہ۔

AsliAhleSunnet.com

ایک بڑا سرمایہ تدوین کے ذریعہ محفوظ ہوگیا تھا، یہ کتاب ۲۱ ضخیم جلدوں میں واقع ہے اور اسمیں جاہلی اشعار کی تعداد بہت زیادہ ہے، مصنف نے اسناد کے ساتھ اشعار کو ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی متہم راویوں کی نشاندہی بھی کی ہے، یہ کتاب چوتھی صدی ہجری میں لکھی گئی ہے لیکن اس کا ماخذ دوسری و تیسری صدی کے رواۃ ہیں جیسا کہ سند سے معلوم ہوتا ہے، انہی رواۃ کی بنیاد پر بعد کے مؤلفین نے اشعار، امالی، اخبار اور تراجم پر ضخیم کتابیں تیار کیں جن میں ابوتمام کی حماسہ، جاحظ کی البیان والتبیین، المبرد کی الکامل اور ابن قتیبہ کی عیون الاخبار اور الشعر والشعراء خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

تیسری صدی کے رواۃ کی بنیاد پر چوتھی صدی کے مؤلفین مثلاً ابن درید، ابن الانباری، ابوعلی القالی اور المرزبانی وغیرہ نے بھی تالیف کا کام انجام دیا اور اس دور میں تالیف و تدوین کے کام میں معتدبہ اضافہ ہوگیا، ان تمام مؤلفین کے یہاں قدرِ مشترک کے طور پر یہ بات نظر آتی ہے کہ ہر ایک سند پر توجہ دیتا ہے اور متقدمین تک اسے پہونچانا ضروری سمجھتا ہے، تالیف و تدوین کے اس انداز سے یہ فائدہ ہوا کہ جاہلی دور کی شاعری صحت وضعف کے جملہ اسباب سمیت بعد کی نسلوں تک پہونچ گئی، ان مؤلفین میں سے اکثر متقدمین رواۃ کی طرح عرب کے دیہی علاقوں میں جاکر مرویات کی توثیق کیا کرتے تھے۔

۴۔ مسئلہ انتحال جاہلی دور کے ادب کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے ایک اہم مسئلہ انتحال کا ہے، انتحال نام ہے کسی چیز کی غلط نسبت کا، سابقہ سطور سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جاہلی دور کی شاعری کا بھی غلط انتساب کیا گیا ہے، اس حقیقت کا احساس متقدمین علماءِ ادب کو بہت شدید طور پر تھا، اور انھوں نے اس بات کی پوری کوشش کی کہ عربی ادب کے ذخیرہ کو ان آلودگیوں سے صاف رکھا جائے جو متہم رواۃ اور وضّاعین کی کوششوں سے اس میں داخل ہوگئی ہیں، علماء نے اس کے لئے بہت سے معیار مقرر کئے تھے اور ثقہ راویوں نے ان تمام مرویات کو متروک یا مشکوک قرار دیا جنہیں حماد اور خلف الاحمر وغیرہ متہم راویوں نے روایت کیا تھا، مفضل الضبی اور الاصمعی خاص طور پر متہم راویوں پر نظر رکھتے

AsliAhleSunnet.com

تھے، پھر ان کے بعد مستند رواۃ کی مرویات کی بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری رکھا، اس باب میں سب سے زیادہ اہمیت ابن سلام الجمحی کو حاصل ہوئی جس نے اپنی کتاب "طبقات فحول الشعراء" میں قدیم اشعار کی روایت کے سلسلہ میں بصرہ اسکول کے علماء و اساتذہ کے بہت سے نظریات کا تذکرہ کیا اور خود اپنی ذاتی رائے کا بھی اظہار کیا۔

عربی ادب کی تاریخ میں درحقیقت یہ پہلی کتاب ہے جس نے جاہلی اشعار کے غلط انتساب کے مسئلہ کا اتنا مفصل ذکر کیا ہے، مصنف نے مسئلہ انتحال کے دو بنیادی اسباب بتائے ہیں، پہلا سبب ان قبائل کو قرار دیا ہے جنہوں نے اپنے فضائل و مناقب میں اضافہ کے لئے اشعار میں اضافہ کیا، اور دوسرا سبب ان راویوں کو بتایا ہے جو اپنی طرف سے اشعار و اخبار وضع کیا کرتے تھے، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ عربوں نے جب اشعار کی روایت اور تذکرہ مناقب و حروب پر نظر ڈالی تو بعض قبائل کو اپنے شعراء کے اشعار میں کمی کا احساس ہوا، اور دیگر قبائل کے مقابلہ میں ان کی رزمیہ داستانیں مختصر محسوس ہوئیں، چنانچہ انہوں نے مزید اشعار کہہ کر اپنے شعراء کی جانب منسوب کر دیئے، اور اس کے بعد جب راویوں کا دور آیا تو انہوں نے بھی اشعار کے اندر اضافہ کیا۔ [۱]

ابن سلام کے بیان کے مطابق قبیلۂ قریش نے بھی بہت سے اشعار کو غلط طور پر اپنے شعراء کی جانب منسوب کیا تھا، خصوصاً حسان بن ثابت کی شاعری میں بہت اضافہ ہوا ہے، خود شعراء کی اپنی اولاد نے غلط انتساب کی روش کو فروغ دیا، چنانچہ ابوعبیدہ نے مشہور شاعر متمم بن نویرہ کے بیٹے داؤد سے متمم کے اشعار سنانے کی فرمائش کی، اس نے اشعار سنانے شروع کیے اور جب متمم کے اشعار ختم ہو گئے تو اپنی طرف سے وضع و اضافہ کرنے لگا، لیکن فنی اعتبار سے دونوں کلام آپس میں مختلف تھے اور اسی وجہ سے ابوعبیدہ اور دوسرے سننے والوں کو داؤد کی اس حرکت کا علم ہو گیا۔ [۲]

---

[۱] ابن سلام ص ۳۹ و ما بعد۔ [۲] ایضاً ص ۴۰۔

AsliAhleSunnet.com

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو عبیدہ اور دوسرے تحقیق پسند رواۃ قبائل کی مرویات پر نظر ثانی کیا کرتے تھے اور صحیح اصولوں یا خود اپنے تنقیدی ذوق کی بنا پر مشکوک و موضوع اشعار کو غیر مستند قرار دیتے تھے، چنانچہ ابن سلام نے ابو طالب کے اس قصیدہ کے بارے میں شک کا اظہار کیا ہے جسے قریش نے روایت کیا ہے اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہے[1]، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ناقدین، قریش اور دیگر تمام قبائل کی شاعری پر نظر رکھتے تھے اور اپنے تنقیدی اصولوں کی روشنی میں انکی چھان بین کرتے تھے۔

ابن سلام نے راویوں میں دو طبقوں کی نشاندھی کی ہے جو غلط انتساب کے باب میں بہت آگے تھے، ایک طبقہ ان راویوں کا تھا جو خود شاعری کا اعلیٰ ملکہ رکھتا تھا، اور اشعار وضع کر کے جاہلی شعراء کی جانب منسوب کر دیا کرتا تھا، مثلاً حماد، جناد اور خلف الاحمر وغیرہ، اور دوسرا طبقہ ان راویوں کا تھا جو خود تو جاہلی شاعری کے معیار کی شاعری پر قادر نہیں تھا لیکن اس دور سے متعلق تمام رطب و یابس مرویات کو روایت کرتا تھا، اخبار، سیر اور قصص کے راویان اسی طبقہ میں شامل ہیں، ابن اسحاق کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اس کو اشعار وضع کر کے دیئے جاتے تھے اور یہ کسی تکلف و احتیاط کے بغیر انھیں اپنی کتاب میں شامل کر لیتا تھا، حتیٰ کہ اس کی کتاب میں قوم عاد و ثمود، عمالیق اور طسم و جدلیس کی جانب بھی عربی اشعار منسوب ہیں جن کی عربی شاعری کا کوئی ثبوت نہیں۔

ابن سلام اور اصمعی وغیرہ نے مذکورہ دونوں طبقوں کی مرویات کو نظر انداز کر دیا ہے اور حماد وغیرہ کی صرف انہی روایتوں کو قبول کیا ہے جنہیں دوسرے معتبر رواۃ نے بھی روایت کیا ہے، اسی طرح امم بائدہ سے متعلق ابن اسحاق کی جملہ مرویات کو رد کر دیا ہے اور خود جاہلی دور کے عربوں سے متعلق اس کی روایتوں کو اسی صورت میں قبول کیا ہے جب کہ دیگر ثقہ راویوں سے اسکی تائید ہو جائے، ابن سلام نے قریشی شاعر ابو سفیان بن الحارث کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا

---

[1] ابن سلام ص ۲۰۴ و مابعد۔

AsliAhleSunnet.com

ہے کہ ابن اسحاق نے ابوسفیان یا دوسرے شعراء کی جانب جن اشعار کا انتساب کیا ہے انھیں ہم شعر نہیں کہہ سکتے، ان کے لئے اس معیار کے اشعار کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔ ؎

مذکورہ بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں کہ جاہلی شاعری کا ایک حصہ غیر معتبر اور مشکوک ہے، اور ایک حصہ ایسا ہے جس کا انتساب صحیح اور قابلِ اعتبار ہے، معتبر حصہ میں بھی رواۃ کے مراتب اور دقت واحتیاط کی بنیاد پر مختلف درجات ہو گئے ہیں، ایک درجہ متفق علیہ اشعار کا ہے، اور دوسرا ان اشعار کا جنہیں مفضل، اصمعی اور ابوعمرو بن العلاء جیسے ثقہ راویوں نے نقل کیا ہے، یہ ممکن ہے کہ معتبر حصہ مشکوک وغیر معتبر حصہ سے کہیں کہیں مغلوب ہو جائے، لیکن اس کی بنیاد پر پوری جاہلی شاعری کو ناقابلِ اعتبار نہیں قرار دیا جا سکتا، ضرورت صرف یہ ہے کہ ثقہ راویوں کے بیانات ومعیار کی روشنی میں ہم بھی جاہلی اشعار کی بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری رکھیں اور جن حصوں کا انتساب صحیح ثابت ہو جائے اسے تسلیم کر لیں۔

متقدمین کی طرح جدید دور میں بھی مسئلہ انتحال ناقدین کی توجہ کا مرکز بنا، چنانچہ عرب اور مستشرقین دونوں جماعت کے ناقدین اور باحثین نے اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، سب سے پہلے ۱۸۶۴ء میں نولڈکؔ ؎ نے اس موضوع پر اظہارِ خیال کیا، پھر آل ورڈ نے چھ جاہلی شعراء یعنی امرء القیس، نابغہ، زہیر، طرفہ، علقمہ اور عنترہ کے دیوان نشر کئے تو عام جاہلی شاعری کے بارے میں اپنے شکوک کا اظہار کیا اور یہ رائے ظاہر کی کہ ان شعراء کے بہت تھوڑے سے ایسے قصیدے ہیں جنہیں صحیح قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن ابیات والفاظ وغیرہ کی ترتیب میں یہ مسلم الصحت قصیدے بھی مشکوک ہیں، جاہلی ادب وشاعری کے بارے میں آل ورڈ کے اس محتاط یا مشککانہ موقف کی بہت سے مستشرقین نے پیروی کی مثلاً مویر، باسے اور بروکلمن وغیرہ، تحریری طور پر اس مسئلہ کو اٹھانے والے مستشرقین میں مارگلیوتھ کا نام سب سے زیادہ اہم ہے، اس نے (مجلة الجمعية الملكية الآسيوية) رائل ایشیاٹک سوسائٹی میگزین کے

؎ ابن سلام ص ۲۰۶۔ ؎ مسئلہ انتحال پر مستشرقین کی بحث کیلئے دیکھئے تاریخ الادب العربی لبلاشیر ج ۱ ص ۱۴۶ ومابعد۔

AsliAhleSunnet.com

ماہ جولائی ۱۹۲۵ء کے شمارے میں ایک مفصل مضمون شائع کیا جس کا عنوان تھا "عربی شاعری کی اصلیں" (The origins of Arabic Poetry) مارگلیوتھ نے بحث کے آغاز میں شاعری کے بارے میں قرآن کریم کے موقف کا ذکر کیا ہے پھر شاعری کی ابتدا و ترقی اور متقدمین کی اس کے بارے میں رائے کا تذکرہ کرنے کے بعد اس کے حفظ پر گفتگو کی ہے، وہ اس خیال کا منکر ہے کہ زبانی روایت کے ذریعہ اشعار محفوظ کیے گئے ہیں، حالانکہ ہم نے ابھی یہ ثابت کیا ہے کہ تدوین کے دور تک اشعار کی روایت کا سلسلہ کہیں بھی منقطع نہیں ہوا ہے، لیکن مارگلیوتھ اسے اس لئے تسلیم نہیں کرتا تاکہ یہ ثابت کر سکے کہ کتابت کے علاوہ شاعری کو محفوظ کرنے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں تھا، اور چونکہ جاہلی دور میں اشعار کی کتابت نہیں ہو سکی تھی اس لئے قطعی طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ اشعار قرآن کریم کے نزول کے بعد نظم کیے گئے ہیں!!

حماد، جناد اور خلف الاحمر وغیرہ متہم رواۃ اور راویوں کے باہمی طعن و جرح سے مارگلیوتھ نے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ شاعری میں وضع و انتحال کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا، مارگلیوتھ کا قول ہے کہ موجودہ جاہلی شاعری سے جاہلی دور کے بت پرستوں اور عیسائیوں کی نمائندگی نہیں ہوتی، بلکہ اس میں صرف مسلمانوں کا ذکر ہے جو عیسائی مذہب کی تثلیث اور بت پرستوں کے متعدد معبودوں سے بے خبر اور توحید، قرآنی واقعات، حساب و قیامت اور صفاتِ باری سے واقف معلوم ہوتے ہیں۔

لیکن ابن الکلبی کی کتاب الاصنام کے مطالعہ سے مارگلیوتھ کا مذکورہ خیال بے بنیاد ثابت ہو جاتا ہے، ہم خالص اسلامی رنگ کے اشعار کو جو جاہلی شعراء کی طرف منسوب ہیں ضرور موضوع قرار دیتے ہیں لیکن اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا کہ تمام جاہلی شاعری باطل اور بے بنیاد ہے۔

اس کے بعد مارگلیوتھ نے زبان کے موضوع پر بحث کی ہے، اس کا خیال ہے کہ جاہلی اشعار کی زبان میں ایک وحدت ہے، اور یہ وہی قرآن کی زبان ہے جس کا عربوں میں رواج ہوا، تو اگر جاہلی شاعری صحیح ہوتی تو پھر اس سے مختلف قبائل کے لہجات سامنے آتے اور شمال کے

AsliAhleSunnet.com

عدنانی قبائل کی زبان اور جنوب کی حمیری زبان کے مابین فرق نمایاں ہوتا۔

لیکن ہم کسی موقع پر یہ واضح کر چکے ہیں کہ قرآن کی فصیح عربی زبان جاہلی دور میں بھی غالب و رائج تھی اور اس دور کی ابتدا ہی سے شعرا اسی زبان میں شعر کہتے تھے اور یہی قریش کا لہجہ تھا، اس زبان کے غلبہ و رواج کے مختلف دینی، اقتصادی اور سیاسی اسباب تھے، شعرا اپنے علاقائی لہجات کو ترک کر کے اس زبان میں شعر کہتے تھے جس طرح آج ہمارے دور میں مقامی لہجات اختلاف کے باوجود عرب ممالک کے تمام شعرار کی زبان ایک ہے اور اسی میں وہ اپنے اشعار کہتے ہیں۔

رہی یہ بات کہ جاہلی شاعری سے حمیری زبان کی نمائندگی نہیں ہوتی تو یہ ایک فطری بات ہے، کیونکہ یہ زبان جاہلی شاعری کی زبان ہی نہیں تھی پھر اس کی نمائندگی کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے، ابو عمرو بن العلاء نے اسی لئے کہا تھا کہ حمیر اور اقصائے یمن کی زبان ہماری زبان نہیں ہے اور نہ ان کی عربی ہماری عربی ہے[1]، اور جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں خود جاہلی دور ہی میں یہ فصیح زبان حمیری زبان کے دروازے تک پہونچ چکی تھی اور ایک طرح سے اہل جنوب کی "عرب سازی" کا کام شروع ہو چکا تھا۔

مارگلیوتھ کی اپنے مزعومات کے ثبوت کے لئے آخری دلیل یہ ہے کہ جاہلی دور کی متمدن مملکتوں اور بالخصوص یمنی مملکت کے جو نقوش و کتبے دریافت ہوئے ہیں ان سے وہاں پر کسی طرح کی شاعرانہ سرگرمیوں کا پتہ نہیں ملتا، پھر غیر مہذب بدویوں کے بارے میں یہ کس طرح سوچا جا سکتا ہے کہ انھوں نے شاعری میں وہ کارنامہ انجام دیا جسے خود متمدن شہری نہ کر سکے، مارگلیوتھ کی اس دلیل کو رد کرتے ہوئے "بروینلش" نے لکھا ہے کہ شعر گوئی کا تعلق ثقافت و تہذیب یا سماجی حالات سے نہیں ہے، کچھ لوگ فطری یا ابتدائی طور پر شاعر ہوتے ہیں اور ان کے اشعار کی تعداد کثیر ہوتی ہے جیسے اسکیمو[2]

---

[1] ابن سلام ص ۱۱۔ [2] بلاشیر ص ۱۸۰۔

AsliAhleSunnet.com

حق تو یہ ہے کہ مارگلیوتھ کا دعویٰ صحت سے دور تھا، اسی وجہ سے خود مستشرقین میں سے بہت سے لوگوں نے اس کی تردید کی، بروکلمن کا قول ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں، اور لایل نے مفضلیات کے مقدمہ میں مارگلیوتھ کے خلاف دلیل دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر جاہلی شاعری کے موضوع ہونے کی داستان کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو لوگ اشعار وضع کرتے تھے وہ کسی نمونہ کو اپنے سامنے رکھتے ہوں گے اور ان کے پیش نظر کچھ موروثی ادبی روایات رہی ہوں گی جن کی تقلید کرتے ہوں گے، اور اسی سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جاہلی شاعری کی کوئی نہ کوئی اصل موجود تھی، کیونکہ بغیر کسی اصل و نمونہ کے وضع و تقلید کا عمل تمام نہیں ہو سکتا۔

یہ صحیح ہے کہ حماد اور خلف وغیرہ راویوں کے ذریعہ اشعار کا کچھ غلط انتساب ہوا لیکن اس کے باوجود ایسے اشعار کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا جن کی جاہلی شعراء کی جانب نسبت صحیح اور معتبر ہے، ان اشعار کو ہم صحیح و ثقہ رواۃ اور اسلوب و صفات کے ذریعہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں، اسی مستشرق نے دیوان عبید بن الابرص کے مقدمہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ اشعار کی روایت کا سلسلہ جاہلی دور سے لے کر عباسی دور میں تدوین تک منظم و سرگرم طور پر جاری رہا۔

جاہلی شاعری کو تسلیم و قبول کرنے کے بارے میں آج بھی مستشرقین شکوک و شبہات کا شکار ہیں، بلاشیر نے اپنی کتاب تاریخ الادب العربی کے پہلے حصہ میں اس موضوع پر طویل بحث کی ہے اور اس بارے میں پیش کئے جانے والے شبہات کو انتہائی مجسم انداز میں ذکر کیا ہے، اس کی بحث میں کہیں کہیں اعتدال ہے لیکن کہیں کہیں تنقید میں شدت و تیزی پیدا ہو گئی ہے [1]

ایک جگہ اس نے لکھا ہے کہ جاہلی دور کے ادب میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شعراء خواہ ان کا تعلق کسی زبان و قبیلہ سے ہو ایک ہی زبان استعمال کرتے ہیں جس میں کسی لہجاتی اثر کا پتہ نہیں چلتا، اس میں ترکیبی قواعد کی پابندی کی جاتی ہے جنھیں بصری نحویوں کے قواعد کی اجمالی

---

[1] بلاشیر ص ۱۸۳ مابعد۔

AsliAhleSunnet.com

تصویر کہا جا سکتا ہے[1]، ایک جگہ لکھتا ہے کہ ان تمام چیزوں کی وجہ سے ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ بڑے بڑے رواۃ اور عراقی علماء نے قدیم اشعار میں جمالیاتی انداز کی اصلاحات کی تھیں، پھر آگے کہتا ہے کہ قابلِ حیرت بات ہر شعر میں روایات کا تعدد اور وسعت ہے، یقیناً یہ چیز زبانی رواج کے دوران حافظہ کی کمزوری سے پیدا ہوئی ہے اور کچھ طریقہ کتابت کے مکمل نہ ہونے سے یا پھر مترادفات کی تبدیلی سے، اور کوئی چیز ہمیں اس یقین دہانی کی اجازت نہیں دیتی کہ یہ جزئی فروق قدیم نہیں ہیں اور خود اثر کے ظہور تک نہیں پہونچتے ہیں[2]۔ اس کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ صحیح شعری ادب کا مطالعہ ایسا اصول وضع کرنے کی جانب ہماری رہنمائی کرتا ہے جو یہ فیصلہ کرے کہ کسی زبانی اثر کے اس کی اصلی شکل میں ہم مالک نہیں ہیں، اور المیہ کی تکمیل کے لئے ہم جانتے ہیں کہ تقلیدی چیزیں قدیم اصول کے ساتھ مخلوط ہو گئی ہیں لیکن ان غلط انتسابات کو بسا اوقات سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔[3]

بلاشیر کے مذکورہ اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خیال کے مطابق جاہلی شاعری کے صحیح نمونے موضوع اشعار کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو چکے ہیں کہ ان کی تمیز مشکل ہے، لیکن اس کا یہ خیال مبالغہ پر مبنی ہے کیونکہ یہ نمونے معتبر راویوں کے ذریعہ ہم تک پہونچے ہیں، اور اہل علم و روایت صحیحہ کا ان کی توثیق پر اتفاق ہے جس کے بعد ان کے بارے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، رہا جاہلی اشعار میں ردّ و بدل یا قبائلی لہجات کے اختلاف کا عدم وجود تو اس کے بارے میں ہم سابقہ سطور میں اپنا خیال پیش کر چکے ہیں، البتہ بلاشیر کے اس خیال سے ہم ضرور متفق ہیں کہ جاہلی شعراء کے قصائد میں اس دور سے تدوین کے دور تک پہونچنے میں بعض تبدیلیاں ضرور پیدا ہوئی ہیں، کبھی کسی لفظ کو اس کے مترادف دوسرے لفظ سے بدل دیا گیا ہے اور کبھی اشعار کی ترتیب میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے، لیکن ان چیزوں سے ثقہ راویوں کے ذریعہ ہم تک پہونچنے والا پورا ادبی ذخیرہ کسی طرح بھی ناقابلِ اعتبار نہیں قرار پا سکتا

---

[1] بلاشیر ص ۱۸۸۔ [2] ایضاً ۱۸۹۔ [3] ایضاً ص ۱۹۲۔

AsliAhleSunnet.com

خصوصاً جب کہ خود انہی ثقہ رواۃ نے موضوع و مشکوک حصہ کی نشاندہی کی ہے اور اس کے بارے میں عدمِ اطمینان کا اظہار کیا ہے۔

مستشرقین کے علاوہ معاصر عرب علماء میں مصطفیٰ صادق الرافعی نے اپنی کتاب "تاریخ آداب العرب" میں جو ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی ہے مسئلہ انتحال کا مفصل جائزہ لیا ہے، لیکن بالعموم انھوں نے متقدمین کے نظریات و ملاحظات کو پیش کیا ہے[۱]۔ اس سلسلہ میں ان کا استقصار اور نحوی و کلامی مذاہب پر استشہاد سے متعلق اشعار کے بارے میں ان کے خیالات قابل تعریف ہیں، انھوں نے اس نوعیت کے اشعار میں وضع پر روشنی ڈالی ہے اور متقدمین کے بیانات سے استفادہ کیا ہے۔

رافعی کے بعد طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب "الشعر الجاہلی" میں قضیۂ انتحال کا مبسوط مطالعہ کیا ہے، اس کتاب کی اشاعت کے بعد احتیاط پسند طبقے اور دوسرے محققین میں ایک ہیجان پیدا ہوگیا اور انھوں نے طٰہٰ حسین کی کتاب کے جوابات لکھے، خود طٰہٰ حسین نے مذکورہ کتاب پر نظر ثانی کی اور ۱۹۲۷ء میں اسے "فی الادب الجاہلی" کے نام سے شائع کیا، اس کتاب میں انھوں نے مزید تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے اور اپنے دعوے کے اثبات میں کچھ نئے دلائل پیش کئے ہیں، انتحال کے مسئلہ کے لئے انھوں نے کتاب کے دوسرے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں حصہ کو مخصوص کردیا ہے، دوسرے حصہ میں ان اسباب کی وضاحت کی ہے جن سے جاہلی دور کی شاعری کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، ان اسباب کے تذکرہ سے پہلے نتیجہ بحث کے طور پر لکھتے ہیں کہ:

"عربی ادب کے جس حصہ کو ہم جاہلی ادب کا نام دیتے ہیں اس کا بیشتر حصہ قطعاً جاہلی دور کا نہیں ہے، بلکہ اسے اسلام کے بعد تحریر کیا گیا ہے، یہ حصہ جاہلی دور کی زندگی کے بجائے اسلامی دور کی زندگی اور مسلمانوں کے جذبات و رجحانات کی ترجمانی کرتا ہے، مجھے اس بات میں

---

[۱] دیکھئے کتاب کا ایڈیشن دوم ص ۲۷۰ و ما بعد۔

AsliAhleSunnet.com

کوئی شبہ نہیں کہ صحیح جاہلی ادب کا باقیماندہ حصہ بہت تھوڑا ہے اور اس سے نہ تو کسی چیز کی ترجمانی ہوتی ہے اور نہ وہ کسی چیز کو بتلاتا ہے، جاہلی دور کی صحیح ادبی تصویر حاصل کرنے کیلئے اس حصہ پر اعتماد مناسب نہیں ہوگا۔[1]

طٰہٰ حسین کے اس بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جاہلی شاعری کا کچھ معتبر حصہ ضرور موجود ہے، لیکن ان کے خیال کے مطابق اس حصہ سے اس دور کی صحیح ادبی تصویر سامنے نہیں آتی، جاہلی شاعری میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والے اسباب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے طٰہٰ حسین نے لکھا ہے کہ اس سے جاہلی دور کی دینی، عقلی، سیاسی اور اقتصادی حالت کا اندازہ نہیں ہوتا اور نہ ان کی زبان، لہجوں کے اختلافات اور حمیری زبان کے لہجوں کے ساتھ تباین کی تصویر سامنے آتی ہے، جاہلی دور کی زندگی کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ قرآن کریم اس زندگی کی مکمل نمائندگی کرتا ہے اور اس کی صحیح تصویر پیش کرتا ہے، چنانچہ اس میں یہودیوں، عیسائیوں، صابئوں اور مجوسیوں نیز بُت پرستوں سے بحث و جدال، ان کے خیالات پر تنقید اور ان کی تردید وغیرہ کا ذکر ملتا ہے، جس سے ان کے عقائد کی ایک تصویر یا خاکہ ذہن میں آجاتا ہے، لیکن اس کے برخلاف شاعری میں دینی شعور و رجحان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

لیکن اس معاملہ میں جاہلی دور کی شاعری کو قرآن پر قیاس کرنا غلط ہے، کیونکہ قرآن ایک دینی کتاب ہے جس کا مقصد عربوں کو اسلام پر جمع کرنا ہے اور ایسی صورت میں ان کی مذہبی حالت کا جائزہ لینا اور اس پر تنقید کرنا قرآن کے لئے ضروری ہے، لیکن شاعری کا معاملہ اس سے مختلف ہے، کوئی شاعر کسی نئے دین کا داعی نہیں تھا کہ اسے لازمی طور پر دینیات کے موضوع پر روشنی ڈالنی ضروری ہو، پھر بھی ابن الکلبی کی کتاب الاصنام میں اشعار کا ایک بڑا ذخیرہ ایسا موجود ہے جس سے دورپرستی کی زندگی کی باریک ترین تصویر سامنے آتی ہے۔

فکری زندگی کے بارے میں طٰہٰ حسین کا یہ اعتراض ہے کہ جاہلی شعراء کی جانب منسوب

---

[1] فی الادب الجاہلی (اشاعت اول) ص ۶۴۔

AsliAhleSunnet.com

اشعار میں فکری زندگی بالکل ہی نمایاں نہیں ہوتی، شاید وہ اعلیٰ درجہ کی پیچیدہ فکری زندگی کو دیکھنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ عربوں کی اکثریت بدوتھی اور ان کے اندر فکری انقلاب نہیں پیدا ہوا تھا، البتہ جہاں تک ان کی سادہ فکری زندگی کا تعلق ہے تو اس کی تصویر ان کے اشعار میں یقیناً موجود ہے۔

پھر سیاسی زندگی کے بارے میں طٰہٰ حسین کا خیال ہے کہ جاہلی اشعار سے اس پر کوئی روشنی نہیں پڑتی، حالانکہ قرآن وغیرہ مصادر سے ہمیں یہ معلوم ہے کہ دیگر اقوام سے عربوں کا تعلق اس وقت بھی استوار تھا، سورۂ روم میں ابتدائی آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عربوں میں ایک طبقہ رومیوں کا اور دوسرا ایرانیوں کا حامی تھا لیکن طٰہٰ حسین کا یہ خیال تمام عرب قبائل پر صادق نہیں آتا، صرف قریش اور اس کے تجارتی قافلوں کی حد تک اسے صحیح مانا جاسکتا ہے جو دونوں حکومتوں کے شہروں کا سفر کیا کرتے تھے، دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ نجد وحجاز کے شعراء کا غسانیوں اور مناذرہ سے تعلق تھا، یہ شعراء ان کی مدح وہجو کیا کرتے تھے، اسلام سے کچھ پہلے جب قبیلۂ بکر اور ایرانیوں کے مابین جنگ شروع ہوئی تو اس قبیلہ کے شعراء نے ایرانیوں کو دھمکی دی تھی جیسا کہ مشہور شاعر اعشیٰ کے بارے میں معروف ہے۔

اقتصادی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے طٰہٰ حسین نے لکھا ہے کہ جاہلی شاعری میں کوئی قابلِ ذکر ایسا عنصر نہیں نظر آتا جس سے اس دور کی اقتصادی زندگی کے خدوخال واضح ہوسکیں، اس کے برخلاف قرآن حکیم سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عربوں میں دو طبقے تھے، ایک مال داروں کا اور دوسرا فقراء کا، لیکن اشعار میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں، ان سے تو صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ جملہ اہلِ عرب انتہائی سخی اور فیاض تھے، جبکہ قرآن کریم نے انتہائی شدت سے بخل اور بخیلوں کی مذمت کی ہے۔

مگر طٰہٰ حسین کا یہ خیال بھی صحیح نہیں کیونکہ شعراء صعالیک کے کلام کا بیشتر حصہ مال داروں اور فقیروں کی باہمی کشاکش کا ترجمان ہے[1]، پھر شعراء نے جس طرح جود وسخاوت کی تعریف کی ہے

---

[1] ملاحظہ ہو "الشعراء الصعالیک فی العصر الجاہلی" از یوسف خلیف (مطبوعہ دار المعارف) ص ۱۳۲ ومابعد اور ص ۲۰۷ ومابعد۔

AsliAhleSunnet.com

اسی طرح بخل وتنگ دلی کی مذمت بھی کی ہے، دوسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ قرآن کا بیشتر حصہ ان قریش تاجروں کے بارے میں نازل ہوا تھا جن کے پاس مال ودولت کا انبار تھا اور جو سود در سود کے چکر میں گرفتار تھے۔

جاہلی شاعری کی زبان پر طہٰ حسین نے بہت طویل گفتگو کی ہے، اس سلسلہ میں ان کا اعتراض یہ ہے کہ موجودہ جاہلی اشعار میں ان دونوں زبانوں کا پتہ نہیں چلتا جو اس وقت جزیرۂ عرب میں رائج تھیں، اول حمیری لوگوں کی جنوبی زبان اور دوم عدنانیوں کی شمالی زبان، بلکہ جاہلی اشعار سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنوبی حصہ کے لوگ بھی شمالی زبان میں اشعار کہتے تھے۔

اقصائے جنوب اور یمن میں رہنے والوں کی طرف جو اشعار منسوب ہیں ان کے بارے میں تو طہٰ حسین کا یہ اعتراض صحیح ہے، لیکن جنوب کے جو لوگ شمالیوں سے متصل تھے وہ جاہلی دور ہی میں شمالی عربی زبان اختیار کر چکے تھے جیسے مذحج اور بلحارث بن کعب کے لوگ، اس لئے طہٰ حسین کے اعتراض کو ان قبائل کے بارے میں صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا جو جنوب سے ہجرت کر کے شمال میں آگئے تھے مثلاً قبیلۂ کندہ اور اس کا مشہور شاعر امرء القیس، یہ قبائل جاہلی دور سے پہلے ہی شمال میں آبسے تھے اس لئے انھیں جنوبی کے بجائے شمالی قبائل کی صف میں جگہ دی جائے گی، اس طرح جاہلی شاعری میں شمالی قبائل کے مختلف لہجات موجود نہ ہونے سے متعلق جو اعتراض کیا جاتا ہے اس کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ چھٹی صدی عیسوی کے اوائل ہی میں قریشی لہجہ جزیرۂ عرب میں عام ہو گیا تھا اور شعراء نے اسے اپنی ادبی زبان کی حیثیت سے اختیار کر لیا تھا اس لئے جاہلی شاعری میں ان لہجات کی جستجو یا ان سے متعلق اعتراض عبث ہے۔

کتاب کے تیسرے حصے میں مسئلہ انتحال کے اسباب کی چھان بین کی ہے، اس مطالعہ میں متقدمین کی آراء کو بنیاد بنا کر انھوں نے ان اسباب کو مفصل انداز میں پیش کیا ہے، انتحال کے اسباب میں انھوں نے دین، سیاست، وعظ گوئی، شعوبیت اور رواۃ کو گنایا ہے، جزیرۂ عرب کی قبائلی عصبیت کو انھوں نے سیاسی اسباب سے تعبیر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ قریش اور انصار کی شاعری میں اس کا بڑا دخل ہے، قریش نے اپنے شعراء کی طرف بکثرت اشعار کا انتساب کیا ہے اور بالخصوص

AsliAhleSunnet.com

ایسے اشعار کا جن کے ذریعہ انصار کی ہجو کا پہلو نمایاں ہو۔ طہٰ حسین کے اس اعتراض کی طرف ابن سلام نے جو اشارہ پہلے ہی کیا تھا اسے ہم بتا چکے ہیں۔

دینی اسباب پر بحث کرتے ہوئے طہٰ حسین نے ان تمام اشعار کے بارے میں اپنے شبہ کا اظہار کیا ہے جو جاہلی دور کے شعراء کی جانب منسوب ہیں اور ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی جانب اشارہ ہے، ان اشعار کی روایت ابن اسحٰق نے کی ہے اور ابن ہشام کی سیرتِ نبویہ میں وہ محفوظ ہیں، یہی حال ان اشعار کا بھی ہے جو قدیم اقوام اور جنوں کی طرف منسوب ہیں، لیکن ہم بتا چکے ہیں کہ خود ابن سلام نے اس طرح کے اشعار کو مردود قرار دیا ہے۔

اس کے بعد وعظ گوئی اور شعوبیت سے متعلق اسباب اور ان کے اثرات کا ذکر کیا ہے، جاحظ نے اپنی کتاب الحیوان میں جاہلی شعراء کی جانب جو اشعار منسوب کئے ہیں ان کے بارے میں بھی طہٰ حسین نے اپنے شکوک کا اظہار کیا ہے اور یہ الزام عائد کیا ہے کہ جاحظ نے عربوں کی حمایت میں بیجا تعصب سے کام لیتے ہوئے انھیں وسیع علم و معرفت کا حامل ثابت کرنا چاہا ہے اور اسی لئے ان اشعار کو جاہلی شعراء کی جانب منسوب کیا ہے۔

لیکن یہ اعتراض اس لئے صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ خود جاحظ نے اپنی کتاب میں یہ اعتراف کیا ہے کہ عربوں کو علم و معرفت کا جو حصہ اس وقت حاصل تھا اسے ہم ابتدائی معلومات سے زیادہ کسی اور چیز کا درجہ نہیں دے سکتے، البتہ یہ بات ضرور کہی جائے گی کہ یہ حیوانات انکی آنکھوں کے سامنے ہمیشہ رہتے تھے اس لئے انھوں نے اشعار میں ان کا ذکر کیا ہے [1]

اس کتاب کے اخیر میں طہٰ حسین نے ان رواۃ پر بحث کی ہے جو اشعار وضع کرکے ان کا غلط انتساب کر دیتے تھے مثلاً حماد اور خلف وغیرہ، لیکن ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ متقدمین نے اس طرح کے راویوں پر کڑی نظر رکھی تھی اور ان کے کسی شعر کو دیگر ثقہ راویوں سے تائید کے بغیر قبول نہیں کیا تھا، ان تمام معروضات کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر طہٰ حسین نے اس حصہ میں عام طور

---

[1] کتاب الحیوان ج ۶ ص ۲۹ و مابعد۔

AsliAhleSunnet.com

پر انھیں باتوں کو دہرایا ہے جن کی طرف متقدمین علماء نے اشارہ کیا تھا۔ البتہ طٰہٰ حسین کے بیان میں تفصیل ہے اور وہ ان اشارات کی بنیاد پر پوری جاہلی شاعری کو کالعدم قرار دینا چاہتے ہیں، تعمیم و توسیع کا یہ انداز متعدد دلائل کی بنیاد پر غلط ہے، متقدمین نے مذکورہ جن اسباب کی جانب اشارہ کیا ہے اس سے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ جاہلی شاعری کو تمام ممکنہ احتیاطی تدابیر کے ذریعہ جس طرح انہوں نے محفوظ کیا ہے اس کا اندازہ کیا جاسکے اور صحیح اور غلط کی تمیز ہو سکے۔

کتاب کے چوتھے حصہ میں مسئلہ انتحال کا تطبیقی مطالعہ کیا گیا ہے، اور یمن و ربیعہ کے شعراء کی شاعری کے ذریعہ اسے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ بحث امرء القیس سے شروع ہوئی اور طٰہٰ حسین نے اس سلسلہ میں دو اعتراضات کئے ہیں ایک تو یہ کہ امرء القیس یمنی ہے حالانکہ اسکے اشعار کی زبان قریشی ہے، دوسرے یہ کہ اس کے اشعار کا اسلوب رکیک اور بندش ڈھیلی ہے۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ امرء القیس یمنی ضرور تھا لیکن قریش کی زبان اختیار کر چکا تھا، جہاں تک اسلوب میں رکاکت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں اصمعی کا بیان کافی ہے کہ امرء القیس کی شاعری کا بیشتر حصہ ہم تک بروایت حماد پہونچا ہے، بہت تھوڑا حصہ ایسا ہے جسے میں نے بدویوں اور ابو عمرو بن العلاء سے سُنا ہے۔[1]

کتاب کا پانچواں حصہ قبیلۂ مضر کے شعراء کے لئے مخصوص ہے، طٰہٰ حسین یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ مضری شعراء کے اشعار کا وجود ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اشعار ضائع ہو چکے ہیں اور ان کا بہت معمولی حصہ باقی ہے جس سے کسی طرح کی نمائندگی نہیں ہوتی، نیز یہ حصہ تکلف، وضع اور تخلیط کا اس طرح شکار ہے کہ ہمارے لئے صحیح اور غلط کے مابین امتیاز بے حد دشوار ہے۔[2]

اس کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ مضری شاعری کو پرکھنے کے لئے صرف سند یا غرابت و سہولت پر اعتماد کافی نہیں، بلکہ کسی ایک اسکول کے شعراء میں مشترکہ فنی خصوصیات کو پیش نظر

---

[1] مراتب النحویین ص ۴۷۔

[2] فی الادب الجاہلی ص ۲۷۰۔

AsliAhleSunnet.com

رکھ کر ایک مرکب معیار وضع کیا جاسکتا ہے، مثلاً اوس بن حجر کا اسکول جس میں زہیر، اس کا بیٹا کعب اور حطیئہ داخل ہیں، اس اسکول کی فنی خصوصیتوں کو دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان کے اشعار میں وضع و انتحال کا دخل نہیں ہے، اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ طٰہٰ حسین اپنے اس بیان کے کے ذریعہ جاہلی شاعری کے بعض حصوں کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں۔

یہ بحث ہم اس بیان پر ختم کرنا چاہتے ہیں کہ جاہلی شاعری میں بہت سے موضوع اشعار موجود ہیں، لیکن یہ چیز متقدمین علمار کی نظروں سے اوجھل نہیں تھی، انھوں نے اشعار کو تنقید کے سخت ترین معیار پر پرکھا اور داخلی وخارجی طور پر اطمینان حاصل کر کے موضوع و موثوق بہ کو الگ کیا، اس لئے کسی موہوم نظریہ کی بنیاد پر پوری جاہلی شاعری کو مشکوک وغیر معتبر نہیں قرار دیا جاسکتا، متقدمین علمار نے جن اشعار کے بارے میں اپنے شکوک کا اظہار کیا ہے انکے بارے میں ہم کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ صحیح ہیں، البتہ جن اشعار کو انھوں نے معتبر قرار دیا ہے انھیں ضرور قبول کریں گے بشرطیکہ وہ علمی بنیادوں پر پورے اتر جائیں، اگر کسی شاعر کی طرف منسوب کوئی شعر اس کے تاریخی حالات سے میل نہ کھائے، یا اس کے قبیلہ سے دور کے مقامات کا اس میں ذکر ہو اور اشعار پر اسلامی ذہن کی چھاپ ہو تو ایسے اشعار کو ہم بھی موضوع قرار دینے میں تامل نہیں کریں گے۔

۵۔ جاہلی شاعری کے اہم مآخذ

گزشتہ بیان سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ جاہلی شاعری کو کس طرح بصرہ وکوفہ کے علمار و رواۃ نے مدون کیا اور ان کی کوششوں کی بدولت کچھ منتخب مجموعے اور بعض شعرار کے دیوان منظرِ عام پر آگئے، اسی طرح طبقات، تراجم، تاریخ اور لغت کی کتابوں کے ذریعہ بھی اشعار محفوظ ہو گئے، اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ ان مدوّن مجموعوں اور دواوین پر کس حد تک اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں سب سے عام منتخبات میں "معلقات" پر نظر جاتی ہے۔

AsliAhleSunnet.com

مُعلقات کی تاریخی و فنی حیثیت

عربی شاعری میں معنیٰ کی دقت، تخیل کی وسعت، اسلوب کی براعت، الفاظ کی سلاست، مفہوم کی گہرائی اور زندگی کی تصویر کشی کے لحاظ سے جاہلی دور کے چند قصیدوں کو سب سے عمدہ مانا گیا ہے۔ ان قصائد کو "مُعلقات" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مشہور قول کے مطابق درج ذیل شعراء کے یہ سات قصیدے معلقات میں شمار کئے جاتے ہیں۔

۱۔ امرؤ القیس کا درج ذیل مطلع والا قصیدہ:

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَىٰ حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ — بِسِقْطِ اللِّوَىٰ بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ

۲۔ زہیر بن ابی سلمیٰ کا قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے:

أَمِنْ أُمِّ أَوْفَىٰ دِمْنَةٌ لَمْ تَكَلَّمِ — بِحَوْمَانَةِ الدَّرَّاجِ فَالْمُتَثَلَّمِ

۳۔ طرفہ بن العبد کا قصیدہ جس کا مطلع درج ذیل ہے:

لِخَوْلَةَ أَطْلَالٌ بِبُرْقَةِ ثَهْمَدِ — تَلُوحُ كَبَاقِي الْوَشْمِ فِي ظَاهِرِ الْيَدِ

۴۔ عنترہ کا درج ذیل مطلع والا طویل قصیدہ:

هَلْ غَادَرَ الشُّعَرَاءُ مِنْ مُتَرَدَّمِ — أَمْ هَلْ عَرَفْتَ الدَّارَ بَعْدَ تَوَهُّمِ

۵۔ عمرو بن کلثوم کا قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے:

أَلَا هُبِّي بِصَحْنِكِ فَاصْبَحِينَا — وَلَا تُبْقِي خُمُورَ الْأَنْدَرِينَا

۶۔ لبید بن ربیعہ کا درج ذیل مطلع والا قصیدہ:

عَفَتِ الدِّيَارُ مَحَلُّهَا فَمُقَامُهَا — بِمِنًى تَأَبَّدَ غَوْلُهَا فَرِجَامُهَا

۷۔ حارث بن حلزہ کا طویل قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے:

آذَنَتْنَا بِبَيْنِهَا أَسْمَاءُ — رُبَّ ثَاوٍ يُمَلُّ مِنْهُ الثَّوَاءُ

حماد کی روایت کے مطابق ان معلقات میں مذکورہ بالا شعراء ہی کے قصائد داخل

AsliAhleSunnet.com

ہیں مفضل الضبی کے یہاں بھی ان کی تعداد سات ہی ہے لیکن اس نے حارث بن حلزۃ اور عنترۃ کی جگہ پر اعشیٰ اور نابغہ کا نام لیا ہے[۱] مگر تبریزی نے ان قصائد کی تعداد دس قرار دی ہے یعنی دونوں روایتوں کے جملہ شعراء کو شامل کرنے کے بعد عَبِید بن الابرص کا نام بڑھایا ہے۔

وجہِ تسمیہ متقدمین ادباء کا خیال ہے کہ حماد الراویۃ کے جمع کئے ہوئے[۲] ان قصائد کو معلقات کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو ان کی خوبی و عمدگی کے باعث کعبہ کی دیوار پر لٹکایا گیا تھا تاکہ لوگوں کو ان کی عظمت و برتری کا احساس ہو جائے۔

چنانچہ احمد بن عبد ربہ نے لکھا ہے کہ: عرب قوم نے شاعری پر توجہ کے سبب سات قصائد کو منتخب کر کے عمدہ کپڑے پر آبِ زر سے ان کو لکھا اور پھر کعبہ پر لٹکا دیا، ان ہی قصائد کو مذہبات و معلقات کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے[۳]

ابن رشیق لکھتے ہیں: معلقات کا نام مذہبات بھی ہے کیونکہ انہیں آبِ زر سے لکھ کر کعبہ پر لٹکایا جاتا تھا۔

ایک توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ بادشاہ جب کسی قصیدہ کو پسند کرتا تھا تو کہتا تھا کہ:

عَلِّقُوا لَنا هٰذہ لتکون فی خزانتہ۔ یعنی اسے منتخب کر کے خزانہ میں رکھ دو[۴]

ڈاکٹر شوقی ضیف کا خیال ہے کہ ان قصائد کو معلقات کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قصائد دوسرے قصیدوں کے مقابلہ میں عمدہ مانے گئے تھے، اور علق کا معنیٰ ہے عمدہ اور نفیس شئے، اسی سے معلقات نام رکھا گیا۔

ابن خلدون کا بیان ہے کہ: عرب اپنے اشعار کو بیت اللہ کی دیواروں پر لٹکا دیا کرتے تھے، اور ایسا ان شعراء کے اشعار کے ساتھ کیا جاتا تھا جن کی قبیلہ و قوم کے باعث عزت

---

[۱] العمدۃ لابن رشیق ج ۱ ص ۶۱ (اشاعت اول) [۲] معجم الادباء ۷ : ۱۰ ص ۲۶۶ ۔ [۳] العقد الفرید ج ۳ ص ۱۱۶ ۔

[۴] العمدۃ ج ۱ ص ۱۶۱ ۔

AsliAhleSunnet.com

وقوت ہوتی تھی [1]

بغدادی نے اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ: جاہلی دور میں جب عربوں میں کوئی شاعری شروع کرتا تو لوگ اس پر توجہ نہیں دیتے تا آنکہ وہ موسم حج میں مکہ آکر اپنے اشعار کو قریش کے سامنے پیش کرتا، اگر وہ لوگ ان اشعار کو پسند کرتے تو شاعر کو اس پر فخر ہوتا اور وہ اشعار کعبہ کے کسی حصہ پر لٹکا دیئے جاتے۔ اور اگر وہ لوگ ناپسند کر دیتے تو پھر انھیں پھینک دیا جاتا [2]

فرانسیسی مؤرخ (سیدیو) نے بھی کعبہ پر اشعار کو لٹکانے کی بات کی تائید کی ہے، اس کا خیال ہے کہ معلقات کو پہلے جاہلی دور میں منعقد ہونیوالے بازاروں اور میلوں میں سنایا جاتا تھا، پھر پسند آنے پر کعبہ پر آویزاں کیا جاتا تھا [3]

لیکن بعض ادیبوں نے اشعار کو کعبہ کی دیوار پر آویزاں کرنے کی روایتوں کی تردید کی ہے اور اس سلسلہ میں درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

۱۔ اشعار کو آویزاں کرنے کی روایت میں ایک طرح کا غموض اور ابہام ہے، چنانچہ آویزاں کرنے کی کیفیت، اس کا زمانہ، اشعار کے لکھنے والے، آویزاں کرنے کا حکم دینے والے بادشاہ اور ان کو منتخب و پسند کرنے والے ماہران سخن کسی کو کوئی تفصیل ان روایتوں میں مذکور نہیں۔

۲۔ نبیؐ ہی کے عہد میں کعبہ کو گرا کر نئے سرے سے بنایا گیا تھا، لیکن اس انہدام و تعمیر کے تذکرہ میں معلقات یا ان کی حالت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۳۔ یہ قرین قیاس نہیں کہ عرب کعبہ کی تعظیم اور اس کا حج کرتے ہوئے اس پر ایسے قصائد کو آویزاں کرنا پسند کریں گے جن میں فسق و فجور کے مضامین مذکور ہوں۔

۴۔ عرب کے منتخب و پسندیدہ اشعار بہت زیادہ ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ آویزاں کرنے کی خبر صرف چند قصائد سے متعلق ہے؟ عربوں

۵۔ اگر ان قصائد کو آویزاں کیا جاتا تو یقیناً وہ مشہور ہوتے اور پھر انکی تعداد میں اختلاف کا

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۵۱۱۔ [2] خزانۃ الادب ۱/۸۷۔ [3] خلاصۃ تاریخ عرب از سیدیو۔

AsliAhleSunnet.com

سوال نہ پیدا ہوتا۔

معلقات کے ایک شارح ابو جعفر النحاس کا بیان ہے کہ: ان قصائد کو کعبہ کی دیوار پر آویزاں کرنے کی روایت مجہول ہے، اس کا پس منظر صرف یہ ہے کہ حماد الراویہ نے جب دیکھا کہ شاعری پر لوگ توجہ نہیں دے رہے ہیں تو ان قصائد کو جمع کر کے کہا کہ یہی مشہور قصائد ہیں۔ ابو جعفر کا خیال ہے کہ ان قصائد کو معلقات کے نام سے موسوم کرنے کا سبب یہی ہے کہ بادشاہ جب کسی قصیدہ کو پسند کرتا تو یہ حکم دیتا کہ اسے میرے خزانہ کے لئے منتخب کرلو۔

جرمن مستشرق نولڈک کا خیال ہے کہ ان قصائد کو کعبہ پر آویزاں کرنے کے سبب معلقات کے نام سے موسوم نہیں کیا گیا ہے، بلکہ تعلیق کا معنیٰ انتخاب ہے، کچھ لوگوں نے ان قصائد کو ہار سے تشبیہ دیتے ہوئے اس نام سے موسوم کیا ہے۔

شیخ احمد اسکندری کی رائے یہ ہے کہ معلقات کے نام سے موسوم کرنے کا سبب یہ ہے کہ عرب جب کوئی تحریر لکھتے تھے تو ریشمی کپڑے یا چمڑے کے لمبے ٹکڑے پر لکھتے تھے اور پھر اسے لٹکا دیا کرتے تھے تاکہ دیمک وغیرہ سے محفوظ رہے، اسی طرح وہ قصائد بھی لپیٹ کر لٹکا دیئے گئے تھے، لیکن کعبہ کی دیوار پر آویزاں نہیں کیا گیا تھا۔

علامہ مصطفےٰ رافعی نے بھی کعبہ پر قصائد کے آویزاں کرنے کی روایت پر کڑی تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ اس روایت کو کسی ثقہ راوی نے نقل نہیں کیا ہے، نہ ہی جاحظ، مبرد، صاحب جمہرہ اور صاحب اغانی میں سے کسی نے ان قصائد کو معلقات کے نام سے یاد کیا ہے، اگر تعلیق کی خبر صحیح ہوتی تو یہ لوگ اسے ضرور ذکر کرتے۔

لیکن ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ابن رشیق نے لکھا ہے کہ قصائد کو کعبہ پر آویزاں کرنے کی روایت کو متعدد علماء نے ذکر کیا ہے۔

مخالفین کے مذکورہ دلائل کے بعد تعلیق کی خبر کے مؤیدین کا یہ کہنا ہے کہ عرب جن اُمور کو وثوق و اعتبار کا درجہ دینا چاہتے تھے انھیں لکھ کر کعبہ کے اندر لٹکا دیا کرتے تھے، جیسا کہ بنو ہاشم کا بائیکاٹ کرنے کے معاہدہ کو لکھ کر آویزاں کیا گیا تھا، پھر کیا بعید ہے کہ جن اشعار

AsliAhleSunnet.com

کو وہ پسند کریں اور جن پر انھیں فخر ہو ان کو نہ لٹکائیں؟

اور اگر فسق وفجور کی باتوں پر مشتمل ہونے کے سبب آویزاں کرنے میں استبعاد ہے تو پھر ان قصائد کو روایت کرنے میں بھی وہی بات ہونی چاہیئے۔

بعض ادیبوں نے ان قصائد کے انتساب پر اپنے شکوک کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ حماد اور خلف الاحمر وغیرہ راویوں نے ان قصائد کو وضع کر کے جاہلی شعراء کی جانب منسوب کر دیا ہے۔

لیکن اس شبہ کی کوئی دلیل موجود نہیں، پھر عقل یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ قصائد کا اتنا بڑا مجموعہ وضع کر کے کسی کی جانب منسوب کر دیا جائے، یہ البتہ ممکن ہے کہ ایک آدھ قصیدہ کسی شاعر کی جانب منسوب کر دیا جائے۔

معلقات کی مقبولیت وشہرت کی بنا پر متعدد علماء نے ان کی شرح لکھی ہے، ان میں درج ذیل علماء قابل ذکر ہیں: ابوبکر بطلیوسی (متوفی ۴۹۴ھ)، ابوجعفر بن النحاس (متوفی ۳۳۸ھ) ابوعلی ثعالبی (متوفی ۳۵۶ھ)، ابوزکریا ابن الخطیب تبریزی (متوفی ۵۰۲ھ) الدمیری صاحب حیاۃ الحیوان (متوفی ۸۰۸) اور زوزنی (متوفی ۴۸۱ھ) اسی طرح کتاب الجمہرہ میں بھی ان قصائد کی شرح موجود ہے۔

معلقات کو فنی حیثیت سے دیکھا جائے تو ان میں درج ذیل محاسن نظر آئیں گے:
سبک کی قوت، ساخت کا ٹھوس پن، عبارت کا حسن، معنی کی لطافت، اسلوب کی رفعت اور زندگی کی تصویر، یہ قصائد طویل اور مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں، ان میں بہت سے مفاہیم ومقاصد بھی آگئے ہیں، اسی لئے پوری عربی شاعری میں معلقات کا مقام برتر ہے۔

مُفَضَّلیات منتخبات کا دوسرا مجموعہ "مفضلیات" ہے، یہ نام کوفہ کے ثقہ راوی مفضل الضبی کی جانب نسبت کی بنا پر رکھا گیا ہے، اے۔ لائل نے ابن الانباری کی شرح کے ساتھ نشر کیا ہے، اس میں ایک سو چھبیس ۱۲۶ قصیدے ہیں، بعض نسخوں کی بنا پر مزید چار قصیدوں کا اس میں اضافہ کیا گیا ہے، شرح کے مقدمہ میں کامل سند مذکور ہے

AsliAhleSunnet.com

جسے ابن الانباری نے مفضل کے شاگرد اور پروردہ ابن الاعرابی تک پہونچایا ہے، ابن ندیم کا بیان ہے کہ ایک سو اٹھائیس قصیدے ہیں، مختلف روایات کے پیش نظر ان میں کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر ہوتی رہی ہے، لیکن ابن الاعرابی کی روایت ہی صحیح ہے[1]، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہمارے ہاتھوں میں مفضلیات کا جو نسخہ ہے وہ تمام نسخوں سے زیادہ معتبر و مستند ہے۔

اس مجموعہ میں ۶۷ شعراء کے قصائد شامل ہیں، جن میں ۴۷ جاہلی دور سے تعلق رکھتے ہیں، بعض مشہور شعراء یہ ہیں: مُرقّش اکبر، مُرقّش اصغر، حارث بن حلزۃ، علقمہ بن عبدۃ، شنفری، بشر بن ابی خازم، تابط شرا، عوف بن عطیہ اور ابو قیس بن الاسلت الانصاری وغیرہ۔

اگر جاہلی شاعری پر مشتمل کوئی دوسرا مجموعہ ہمارے پاس نہ ہو تو بھی اس مجموعہ سے اس دور کی شاعری کی روایات کا مکمل و دقیق تذکرہ مرتب کیا جا سکتا ہے، اس مجموعہ سے جاہلی زندگی کے گوشوں کی ترجمانی ہوتی ہے اور واقعات و حوادث نیز قبائل کے باہمی تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان اشعار میں جغرافیائی ماحول کی بھی چھاپ ہے اور بہت سے متروک کلمات بھی آئے ہیں جن کا لغت کی کتابوں میں تذکرہ نہیں ملتا ہے[2]

اصمعیات عام منتخبات کا تیسرا مجموعہ "اصمعیات" ہے جو ان قصائد کے راوی اصمعی کی جانب منسوب ہونے کی بنا پر اس نام سے موسوم ہے، اے آلورڈ (AHLWARDT) نے ایک سقیم نسخہ کی بنیاد پر سنہ ۱۹۰۲ء میں برلین میں نشر کیا تھا، پھر عبد السلام ہارون اور احمد شاکر نے شنقیطی کے نسخہ کی بنیاد پر جسے انہوں نے ایک پرانی اصل سے نقل کیا تھا، اصمعیات کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا، یہ ایڈیشن عمدہ علمی انداز کا حامل ہے، اسمیں قصائد و قطعات کی تعداد ۹۲ ہے جو ۷۱ شعراء کی جانب منسوب ہیں، ان میں ۴۰ جاہلی دور کے شاعر ہیں، مثلاً امرؤ القیس، حارث بن عباد، درید بن الصمۃ، ابو داؤد ایادی، ذوالاصبع عدوانی، سلامۃ بن جندل، طرفہ اور عروۃ بن الورد وغیرہ، سابقہ مجموعہ کی طرح یہ مجموعہ بھی معتبر

---

[1] الفہرست ص ۱۰۲۔ [2] دیکھئے مفضلیات کی فہرست سوم مطبوعہ دار المعارف۔

AsliAhleSunnet.com

متروک الفاظ آئے ہیں جن کا لغت کی کتابوں میں اور بلند مرتبہ ہے، اس میں بھی بہت سے متروک الفاظ آئے ہیں جن کا لغت کی کتابوں میں تذکرہ نہیں ملتا لہ لیکن مفضلیات کے مقابلہ میں اس میں اس نوعیت کے الفاظ کم ہیں اور اسی وجہ سے شارحین نے اس پر مفضلیات کے مقابلہ میں کم توجہ دی ہے، اصمعی کے انتخاب میں غریب الفاظ کی کمی کا سبب یہ بھی ہے کہ اس نے بہت سے قصائد کو کامل نقل کرنے کے بجائے ان کا انتخاب پیش کیا ہے۔

جمہرۃ اشعار العرب اس نوعیت کا چوتھا مجموعہ ابوزید محمد بن ابی الخطاب القرشی کی کتاب "جمہرۃ اشعار العرب" ہے، ابوزید قرشی کا شمار مشہور راویوں میں نہیں ہے لیکن انکی کتاب کے مقدمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کے اور دوسری صدی کے راویوں کے مابین دو یا تین نسلوں کا فاصلہ ہے یعنی مؤلف اور راویوں کے مابین سند کے واسطے بہت طویل نہیں ہیں، ہمارے خیال میں ابوزید کا زمانہ تیسری صدی کے اواخر یا چوتھی صدی کے اوائل کا زمانہ ہے، جمہرہ میں ۴۹ طویل قصیدے شامل ہیں جنہیں سات اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے، ہر قسم میں سات قصیدے ہیں، پہلی قسم معلقات کے لئے مخصوص ہے، اس کے بعد مجمہرات، پھر مختارات، مذہبات، عیون المراثی، مشوبات اور ملحمات کی قسمیں ہیں، اس مجموعہ میں طویل قصائد شامل ہیں لیکن ان کی روایت زیادہ معتبر نہیں ہے، اس لئے صحیح روایتوں سے ان کا تقابل ضروری ہے، کتاب الجمہرۃ بیروت اور مصر سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔

مختارات ضعفِ سند کے لحاظ سے جمہرۃ ہی کی مانند ابن الشجری متوفی ۵۴۲ھ کی مختارات ہے جس میں جاہلی اور اسلامی دونوں دور کے شعراء کا کلام شامل ہے، مؤلف نے اسے تین اقسام میں تقسیم کیا ہے، پہلی قسم کے اندر جو شعراء شامل ہیں ان میں چند اہم شعراء کے نام یہ ہیں: شنفری، طرفہ، لقیط الایادی اور متلمس، دوسری قسم میں زہیر، بشر بن ابی خازم اور عبید بن الابرص کے دواوین کا انتخاب درج ہے، اور تیسری قسم میں حطیئہ کے دیوان کا انتخاب ہے، یہ مجموعہ بھی قاہرہ میں طبع ہو چکا ہے۔

لہ دیکھئے اصمعیات کی فہرست سوم۔

AsliAhleSunnet.com

حماسۃ

انہی منتخبات کی فہرست میں "حماسہ" کے نام سے موسوم دواوین بھی داخل ہوتے ہیں، تاریخی حیثیت کے مقابلہ میں ان کی ادبی حیثیت زیادہ ہے کیونکہ ان کے مرتبین نے اپنے ماخذ کی نشاندہی نہیں کی ہے، اس نوعیت کے سب سے مشہور کتاب ابو تمام متوفی ۲۳۲ھ کی دیوان الحماسۃ ہے، اسکی کئی شرحیں بھی مشہور ہیں، مثلاً شرح المرزوقی اور شرح التبریزی، ابو تمام نے اس کتاب کو دس ابواب میں تقسیم کیا ہے جن میں سب سے بڑا باب حماسہ کا ہے اور اسی نام سے یہ مجموعہ موسوم ہے، اس میں جاہلی، اسلامی اور عباسی دور کے شعراء کا کلام درج ہے اور مکمل قصائد بہت کم مذکور ہیں، اس کے بعد حماسۃ البحتری کا درجہ ہے، اس میں ۱۷۴ ابواب کے تحت چھوٹے چھوٹے قطعے شامل ہیں، اکثر ابواب پر اخلاقی رنگ غالب ہے، متقدمین نے اس کتاب کی شرح کی جانب توجہ مبذول نہیں کی، ایک حماسۃ ابن الشجری نے بھی ترتیب دی ہے جس میں اکثریت جاہلی شعراء کے کلام کی ہے، یہ کتاب حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے، خالدیان کی نسبت سے معروف دو بھائیوں سعید الخالدی متوفی ۳۵۰ھ اور محمد الخالدی متوفی ۳۸۰ھ کی مرتب کردہ حماسۃ جسے "الاشباہ والنظائر" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، آخری دنوں طبع ہو چکی ہے، اسی طرح علی بن ابی الفرج البصری متوفی بھی اب شائع ہو چکی ہے۔

ان منتخبات کے علاوہ کچھ منفرد دیوان بھی شائع ہو چکے ہیں "دواوین الشعراء الستۃ الجاہلیین" کے نام سے آلورد نے ایک مجموعہ نشر کیا ہے جس میں امرؤ القیس، نابغہ، زہیر، عنترہ اور علقمہ کے دیوان شامل ہیں، لیکن اس ایڈیشن میں صرف اصمعی کی روایت پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ کچھ اضافے بھی کئے ہیں لیکن وہ زیادہ تر غلط منسوب ہیں، اصمعی کی روایت پر مبنی شنتمری متوفی ۴۷۶ھ کی شرح کو نشر کرنے کی ضرورت اب بھی باقی ہے، اسی طرح امرؤ القیس کے دیوان کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جن میں دار المعارف کا ایڈیشن خاص اہمیت کا مالک ہے اس میں ابوالفضل ابراہیم نے دیوان کی جملہ روایات کو جمع کر کے ان کے مابین دقیق موازنہ کیا ہے، دار الکتب المصریۃ نے ثعلب کی شرح کے ساتھ زہیر کا دیوان شائع کیا ہے،

AsliAhleSunnet.com

لیکن اس کے محققین نے دیوان کی کوفی روایت اور اصمعی کی بصری روایت کے مابین موازنہ نہیں کیا ہے، ان دواوین کے علاوہ نابغہ، طرفہ، لبید، عروۃ بن الورد، حاتم، علقمہ، شنفری اور اوس بن حجر کے دواوین بھی شائع ہو چکے ہیں لیکن ان میں سے اکثر علمی و تحقیقی ایڈیشن کے محتاج ہیں، لائل نے عبید بن الابرص اور عامر بن الطفیل کے دیوان کو نشر کیا ہے، انکے علاوہ کچھ دواوین کے مخطوطے ابھی موجود ہیں جو نشر نہیں ہوئے ہیں۔

جاہلی اشعار کا ایک معتد بہ حصہ ابو عبیدہ کی کتاب شرح النقائض، ابن الاثیر کی الکامل اور ابن عبد ربہ کی العقد الفرید میں مذکور ہے، ابن سلام کی کتاب طبقات الشعراء بھی اس سلسلہ کی عمدہ کتاب مانی جاتی ہے، اس میں جاہلی شاعری کا وقت پسندانہ مطالعہ کر کے مصنف نے صحیح اور موضوع اشعار کے مابین بڑی حد تک امتیاز پیدا کر دیا ہے، ابن قتیبہ کی کتاب الشعر والشعراء میں مقدمہ زیادہ اہمیت کا مالک ہے جسمیں مصنف نے اپنے دور کے شعراء کو قدیم جاہلی روایات و مثل سے مربوط کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن شعراء کے تراجم ناقص اور اخبار و اشعار کی روایت بغیر سند کی گئی ہے، جاہلی اشعار کا ایک بڑا مجموعہ جاحظ کی البیان والتبیین اور الحیوان، مبرد کی الکامل، یزیدی کی الامالی، ثعلب کی مجالس، ابن قتیبہ کی عیون الاخبار اور ابو علی قالی کی الامالی میں بھی موجود ہے، لیکن ان مآخذ کے اشعار پر دیگر صحیح روایات کی تائید کے بعد ہی مکمل بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ عرب شعراء کے دواوین کا ایک بڑا حصہ ہم تک نہیں پہونچ سکا لیکن ابو الفرج اصبہانی نے اپنی کتاب الاغانی میں اشعار کی بڑی مقدار کو مدون کر دیا ہے اور ساتھ ہی شعراء کے تراجم بھی ذکر کر دیئے ہیں، اس میں نویں صدی عیسوی تک کے شعراء کا ذکر آگیا ہے، ابو الفرج اصبہانی علم کے ساتھ ساتھ ناقدانہ بصیرت کا بھی مالک تھا اس لئے اس نے اس دور تک کی تصنیفات سے تمام عمدہ و مفید اشعار و واقعات کو منتخب کر کے سند کے ساتھ انھیں تحریر کیا ہے، تعدد روایات کی صورت میں بحث و تمحیص سے کام لے کر متہم راویوں کی روایات کو مرجوح قرار دیا ہے، شعراء کے بارے میں رواۃ و ناقدین کی رائے کا بھی ذکر کیا

AsliAhleSunnet.com

ہے۔ اسی لئے اس کتاب کو جاہلی دور کی شاعری اور شعراء کی تاریخ کا سب سے بڑا ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔

بعد کے دور کی کتابوں میں جن میں بعض ایسے مواد درج ہیں جو قدیم کتابوں میں درج ہونے سے رہ گئے ہیں، بغدادی متوفی ۱۰۹۳ھ کی کتاب خزانۃ الادب کا نام آتا ہے، یہ کتاب "شواہد الرضی" کی شرح ہے جو ابن الحاجب کی کتاب الکافیۃ کے شارح ہیں، اس میں بعض جاہلی شعراء کے تراجم اور انتحال وصحت کے لحاظ سے ان کے اشعار پر محاکمہ درج ہے، سیوطی کی کتاب "شرح شواہد المغنی" بھی تقریباً اسی نوعیت کی حامل ہے۔

AsliAhleSunnet.com

چھٹی فصل

جاہلی شاعری کی خصوصیات

۱۔ جاہلی شاعری کی ابتداء اور اسمیں مختلف قبائل کا حصہ

جاہلی شاعری کا جو نمونہ ہمارے پاس موجود ہے اس معیار تک پہونچنے کے لئے عربی شاعری جن مراحل سے گزری ہے ان کے بارے میں ہم قطعی طور پر کوئی بات نہیں کہہ سکتے، ہمارے پاس ایسے اشعار موجود نہیں ہیں جن سے عربی شاعری کے اولین مراحل کا کوئی اندازہ کیا جاسکے، جاہلی دور کے موجودہ قصائد کی فنی روایات جو وزن وقافیہ، معانی وموضوعات اور اسلوب وساخت کے اعتبار سے خاصی پیچیدہ ہیں، عربی شاعری کے عہد طفولیت اور ہمارے مابین دبیز پردوں کی حیثیت سے کھڑی ہیں اور ہم اس سلسلہ میں واضح طور پر کچھ معلوم کرنے سے قاصر ہیں، ابن سلام نے اس پردے کو اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے ایک فصل[1] منعقد کی ہے جس میں اولین جاہلی شعراء کے بارے میں گفتگو کی ہے، ابن قتیبہ نے اس کا تتبع کرتے ہوئے اپنی کتاب الشعر والشعراء کے مقدمہ میں ان شعراء کا ذکر کیا ہے، ان دونوں مؤلفین کے یہاں جن شعراء کا تذکرہ ہوا ہے ان کے یہاں عربی قصیدہ ہمیں اپنی مکمل شکل وساخت میں نظر آتا ہے، اس لئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس سے ماقبل کے دور میں جن شعراء کے ہاتھوں قصیدے کی ابتداء ہوئی اور جنہوں نے اس کے خطوط متعین کئے ان کا تذکرہ ادبی تاریخ کے صفحات پر ثبت نہ ہوسکا، امرؤالقیس

---

[1] طبقات فحول الشعراء لابن سلام ص ۲۳ (مطبوعہ دار المعارف)

AsliAhleSunnet.com

کے دیوان میں ایک شعر ہے:[1]

عُوجَا علی الطَّلَلِ المُحِیلِ لِاَنَّنَا　　نَبکِی الدِّیَارَ کَمَا بَکَی ابنُ خِذَامِ

(سالوں پرانے کھنڈر پر ٹھہرو تاکہ ابن خذام کی طرح ہم بھی ان گھروں پر آنسو بہا لیں۔)

یہ ابن خذام کون تھا، ہمیں کچھ معلوم نہیں، صرف اس شعر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شاید وہ شعراء میں پہلا شخص ہوگا جس نے دیار احبہ پر رونے اور کھنڈرات پر ٹھہرنے کی طرح ڈالی ہو۔

جاہلی شاعری کے طویل قصائد میں ہمیں معانی و موضوعات کا ایک معین نظام نظر آتا ہے، شعراء نے ان قصائد کو عام طور پر کھنڈرات کے ذکر اور دیار احبہ کے نقوش پر رونے رلانے سے شروع کیا ہے، پھر صحرا میں اپنے سفر اور اونٹ اور گھوڑوں کی سواریوں کا ذکر کیا ہے، اونٹنی کو تیز رفتاری میں بعض وحشی جانوروں سے تشبیہ دی ہے، پھر قصیدہ کے اصل موضوع یعنی مدح، ہجو، فخر، عتاب، عذر یا مرثیہ کی جانب توجہ دی ہے، ان کے طویل قصائد میں بھی وزن و قافیہ کے سلسلہ میں ایک مستقل روایتی انداز نظر آتا ہے چنانچہ وہ موسیقانہ اکائیوں (MUSICAL UNITS) سے مرکب ہوتا ہے جنھیں ابیات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور ان تمام ابیات کا وزن، قافیہ اور روی ایک ہوتا ہے، اور اس طرح جاہلی قصیدہ کا جو نقشہ ہمارے سامنے قدیم ترین نصوص کے ذریعہ آیا ہے وہ مکمل اور پختہ ہے، بعض قصائد میں عروض کے لحاظ سے کچھ خامیاں ضرور نظر آتی ہیں لیکن ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے، پھر انہی شعراء کے ایسے قصائد بھی ہمارے سامنے موجود ہیں جو وزن و قافیہ کے لحاظ سے بالکل صحیح ہیں، اس لئے یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ جاہلی شاعری کے اندر وزن و قافیہ کے نظام کے غیر پختہ مرحلہ کی تصویر پیش کرنیوالے اشعار ہم تک نہیں پہونچ سکے۔

قدیم اور جدید دور کے بعض علماء کا خیال ہے کہ رجز، عربی شاعری کا قدیم ترین وزن

---

[1] دیوان امرؤ القیس ص ۱۱۴ (مطبوعہ دار المعارف)

AsliAhleSunnet.com

ہے اور یہ سجع سے پیدا ہوا ہے، ساتھ ہی حُدی اور صحرا میں اونٹوں کی چال اور ان کے پیروں سے پیدا ہونے والی آواز سے اس کا تعلق ہے، اسی سے پھر دوسرے وزن بھی نکلے ہیں لہ لیکن یہ بات ایک مفروضہ سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی، صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ جاہلی دور میں رجز یہ شاعری کا وزن دوسرے اوزان سے زیادہ رائج تھا کیونکہ وہ لوگ اسے امن و جنگ دونوں حالتوں میں بکثرت استعمال کرتے تھے، لیکن اس رواج سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ یہ وزن دیگر اوزان سے قدیم اور سابق ہے، یہ ایک عوامی وزن ضرور تھا لیکن ممتاز جاہلی شعراء اس وزن میں نظم نہیں کہتے تھے، بلکہ ان کے قصائد طویل، بسیط، کامل، وافر، سریع، مدید، منسرح، خفیف، وافر، متقارب اور ہزج وغیرہ بحروں میں ہوتے تھے اور ابتدائی تین بحروں کو ان کے یہاں زیادہ مقبولیت حاصل تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے سامنے وزن یا اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز ایسی نہیں ہے جس سے ہم یہ فیصلہ کر سکیں کہ جاہلی شاعری کا دور طفولیت یا ابتدائی عہد کب شروع ہوا اور موجودہ صورت تک وہ کس طرح پہونچی، جاہلی دور میں شاعری کسی خاص قبیلہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھی بلکہ اسمیں عدنانی و قحطانی سبھی قبائل شریک تھے، اسی طرح شعراء کی جماعت میں متعدد عورتوں کے نام بھی ملتے ہیں، ان شعراء کی تعداد کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید اس دور کے ہر فرد کے لئے شاعری آسان تھی، اور امیر و فقیر ہر شخص شعر کہتا تھا، ابن سلام نے اپنی کتاب طبقات میں چالیس ممتاز شعراء کا تذکرہ کیا ہے اس میں جاہلی اور مخضرم دونوں طرح کے شعراء ہیں، پھر انھیں دس طبقات میں تقسیم کر کے ہر طبقہ میں چار شاعر کو شامل کیا ہے، ان کے علاوہ کچھ دوسرے شعراء کا تذکرہ بھی موجود ہے، اس مجموعہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شہری و دیہاتی اور مختلف قبائل کے شعراء کے نام موجود ہیں، اسی طرح ابوالفرج اصفہانی نے اغانی میں بہت سے شعراء کے حالات

لہ دیکھئے تاریخ الادب العربی از بروکلمن ج ۱ ص ۵۱ (مطبوعہ دارالمعارف)

AsliAhleSunnet.com

زندگی اور شاعری پر روشنی ڈالی ہے، اس نے بھی عام طور پر مشہور شعراء کا ذکر کیا ہے، ان شعراء کے علاوہ سیکڑوں شعراء دوسرے ہیں جن کا تذکرہ آمدی کی کتاب "المؤتلف والمختلف" اور مرزبانی کی کتاب "معجم الشعراء" میں درج ہے۔

یہ بات البتہ ثابت شدہ ہے کہ جاہلی دور کی شاعری میں مضری قبائل کا حصہ ربعی و قحطانی قبائل کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔ اغانی مفضلیات اور اصمعیات وغیرہ کتابوں کے مطالعہ سے قبیلۂ مضر کی طرف منسوب اشعار کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے اور تاریخی شواہد سے اس کثرت کی تائید ہوتی ہے، اسی طرح تاریخی شواہد سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شاعری میں مختلف قبائل اور مختلف شہروں کا حصہ بھی متفاوت تھا۔

بہر صورت جاہلی شاعری کا ایک معتد بہ حصہ زمانہ کی دستبرد کا شکار ہوگیا اور تدوین کے زمانہ تک پہونچنے سے پہلے ہی اس کا ایک بڑا حصہ ضائع ہوگیا، ابوعمرو بن العلاء یہ کہا کرتا تھا کہ عربوں کے اقوال و اشعار کا بہت تھوڑا حصہ تم تک پہونچا ہے، اگر ان کا پورا سرمایہ تم تک پہونچتا تو معرفت و شاعری کی ایک کثیر مقدار سامنے آتی[1] ہم ابوعمرو کے اس مبالغہ کو مکمل طور پر صحیح نہیں قرار دے سکتے کیونکہ عربوں کے ادبی سرمایہ سے ضخیم جلدیں تیار ہوئی ہیں، مختلف قبائل نے اپنے اشعار کو محفوظ رکھا اور جب تدوین کا دور آیا تو اسے رواۃ کے حوالے کیا۔

۲۔ جاہلی شاعری غنائی شاعری ہے

یونانیوں کے عہد سے اہلِ مغرب کے یہاں شاعری کی مختلف اصناف کا وجود ملتا ہے، ناقدین نے ان اصناف کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے: **قصصی، تعلیمی، غنائی اور تمثیلی۔ قصصی** شاعری کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قصیدے طویل ہوتے ہیں، اور کبھی کبھی ایک قصیدہ ہزاروں ابیات پر مشتمل

---

[1] ابن سلام ص ۲۳۔

AsliAhleSunnet.com

ہوتا ہے قصصی قصیدہ میں واقعات کا ایک تسلسل ہوتا ہے جس کا محور کوئی ذات ہوتی ہے، اسے قصہ کا ہیرو مانا جاتا ہے، ہیرو کے علاوہ قصہ میں دوسری شخصیتیں بھی ہوتی ہیں لیکن ان کا کردار ثانوی حیثیت رکھتا ہے، اس نوعیت کے قصیدہ کی حیثیت ڈرامے یا کہانی کی ہوتی ہے لیکن فرق یہ ہوتا ہے کہ یہ منظوم ہوتا ہے، اس میں بھی کہانی کا دقیق تسلسل موجود ہوتا ہے اور ٹھوس منطقی طور پر واقعہ کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ کی جانب انتقال عمل میں آتا ہے، کہانی میں تخیل کی وسیع کارفرمائی ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس میں اساطیر اور خارق عادت امور کی کثرت ہوتی ہے اس نوعیت کی منظوم کہانیوں میں یونانیوں کے یہاں ان کے دیوی دیوتاؤں کا بھی مسلسل ظہور ہوتا ہے، یونانیوں کے منظوم قصوں میں ہومیروس کا "الیاذہ" بہت مشہور ہے جسے سلیمان البستانی نے عربی زبان میں منتقل کیا ہے، یونانیوں کے علاوہ دیگر اقوام کے ادبی سرمایوں میں بھی منظوم کہانیوں کا وجود ملتا ہے، چنانچہ رومانیوں کے یہاں فرجیل کا "انیاذہ" ہندوؤں کے یہاں "رامائن و مہابھارت" ایرانیوں کے یہاں فردوسی کی "شاہنامہ" جرمن کے یہاں "انشودۃ النظلام" اور فرانسیسیوں کے یہاں "انشودۃ رولان" اسکی مثال میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

قصصی شاعری میں شاعر اپنے جذبات اور شخصیت کی عکاسی کے بجائے اپنے تخیل کی مدد سے کہانی کے ہیرو کا ذکر کرتا ہے، اور تاریخی واقعات کی مدد سے اسکی زندگی کے خطوط میں رنگ بھرتا ہے، عام طور پر منظوم کہانی کا وزن ایک ہی ہوتا ہے۔ جاہلی دور میں قصصی شاعری کا وجود نہیں تھا، اسی طرح تعلیمی شاعری (جس میں علم ومعرفت کی باتیں مذکور ہوتی ہیں) اور تمثیلی شاعری (جس میں اسٹیج، حرکت، ایکٹنگ، مکالمے اور دوسرے مختلف مناظر ہوتے ہیں) کا بھی جاہلی شعراء کے یہاں کوئی سراغ نہیں ملتا۔

مذکورہ تینوں اقسام کی شاعری سے جاہلی دور کے شعراء ناواقف تھے، انکی شاعری میں چھوٹے چھوٹے قصائد کا وجود ملتا ہے جن میں سے بہت کم قصیدوں میں اشعار کی

AsliAhleSunnet.com

تعداد سو سے متجاوز ہوگی، ان کی شاعری کو ہم ذاتی قسم کی شاعری سے تعبیر کر سکتے ہیں جسمیں شاعر اپنے ذاتی جذبات اور خواہشات کی ترجمانی کرتا ہے۔

مغربی شاعری کے مذکورہ اقسام میں جاہلی دور کی شاعری کو غنائی شاعری کے ذیل میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں شاعر عام طور پر اپنے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے اور اشعار کے ذریعہ اپنی خوشی یا رنج کا اظہار کرتا ہے۔ عربی قصیدہ کا یہ رجحان مدح و ہجو، غزل و مرثیہ اور عتاب و اعتذار وغیرہ جملہ اصناف سخن میں نظر آتا ہے اور اس طرح جاہلی دور کی عربی شاعری مغرب کی غنائی شاعری کے مماثل نظر آتی ہے۔

جاہلی دور کے متقدمین شعراء پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں شاعری غناء کے ساتھ مربوط تھی، ابوالفرج اصبہانی نے مختلف مقامات پر اشارہ کیا ہے کہ شعراء اپنے اشعار خود گایا کرتے تھے، مثلاً سلیک بن سلکہ، علقمہ بن عبدۃ الفحل اور اعشیٰ وغیرہ، اعشیٰ کے متعلق یہ بھی مذکور ہے کہ وہ موسیقی کے مشہور آلے چنگ پر ضرب لگا کر اپنے اشعار گایا کرتا تھا، اور شاید اسی وجہ سے اسے "صناجۃ العرب"[1] کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ابوالنجم ایک لونڈی کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

تغنّی فانَّ الیومَ یومٌ مِنَ الصِّبا　　　ببعضِ الّذی غنّی امرؤُ القیس اَو عَمرُو

(آج بچپن کا دن ہے، امرؤالقیس یا عمرو بن قمیئہ کا گایا ہوا گانا سناؤ۔)

حسان بن ثابت کا شعر ہے:

تغنَّ بالشِّعرِ امّا کنتَ قائِلَہُ　　　انّ الغناءَ لِھذا الشعرِ مضمارُ

(شعر نہ بھی کہو تو شعر کو گاؤ کیوں کہ گانا شعر کے لئے مہمیز ہے۔)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ غنا کو وہ لوگ شعر کی تعلیم کے لئے بنیاد سمجھتے تھے اور شاید اسی لئے شعر خوانی کو انھوں نے انشاد کے لفظ سے تعبیر کیا اور اسی سے حُدی بھی ہے جسے

---

[1] اغانی ج ۹ ص ۱۰۹ مطبوعہ دار الکتب۔

AsliAhleSunnet.com

سفر میں وہ لوگ اونٹوں کے پیچھے گایا کرتے تھے، یہ لوک گیت کی حیثیت سے بہت مشہور ہے۔

جاہلی دور میں عورتیں مجموعہ کی صورت میں خوشی کی تقریبات میں گایا بجایا کرتی تھیں، طبری نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز گانے کے ساتھ دف اور بانسری کی آواز سنی تو دریافت کیا کہ کیا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ شادی میں عورتیں گا رہی ہیں۔[1]

عام حالات میں گانے بجانے کے علاوہ اہل عرب اپنے مذہبی میلوں اور مناسبتوں میں گانے کا اہتمام کرتے تھے، جب اپنے معبودوں کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے یا قربانیاں دیتے تو اس وقت بھی دینی نغمے گاتے تھے اور اسی طرح جب بارش نہیں ہوتی تھی تو اس وقت بھی بارش و شادابی کے دیوتا کے آگے نغمہ خوانی کرتے تھے۔

سابقہ بیان سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ جاہلی دور میں شاعری، غنا و موسیقی کے ساتھ مربوط تھی اور ہم اسے مکمل غنائی شاعری کہہ سکتے ہیں، اس دور میں لوگ غنا کی مختلف قسموں سے آشنا تھے، اسحاق موصلی کا بیان ہے کہ: قدیم دور میں عربوں کے یہاں غنا کی تین قسمیں تھیں: **نصب، سناد اور ھزج۔ نصب** کے ذیل میں سواروں اور لونڈیوں کے گانے آتے ہیں اور اسی کو مرثیوں میں استعمال کرتے تھے، **سناد** ثقیل ہوتا ہے اور اس میں زیر و بم اور تکرار ہوتی ہے، اور **ھزج** خفیف ہوتا ہے، اسمیں رقص ہوتا ہے اور دف اور بانسری کی آواز سے طرب پیدا کیا جاتا ہے۔[2]

اس طرح جاہلی دور کے شعراء نے غنائی فضا میں اپنے اشعار نظم کئے اور مختلف اوقات میں انھیں خود ہی گایا اور دوسروں کو سنایا، اس غنا میں کبھی کبھی موسیقی کے آلات کا بھی دخل رہتا تھا، لونڈیاں ایک ساتھ مل کر کورس کی صورت میں بھی ان اشعار کو گاتی اور ان پر رقص کرتی تھیں، اس دور کے اخیر میں پھر شاعری، غنا اور موسیقی سے علیحدہ ہونی شروع ہوگئی، قافیہ کو اسی غنا اور موسیقی کا باقی ماندہ حصہ بتایا جاتا ہے۔

---

[1] الطبری ج ۱ ص ۱۱۲۶ (مطبوعہ یورپ)۔ [2] العمدۃ لابن رشیق ج ۲ ص ۲۴۱۔

AsliAhleSunnet.com

۳۔ موضوعات

عربی شاعری کو خواہ وہ جاہلی شاعری ہو یا غیر جاہلی، مختلف موضوعات میں تقسیم کرنے کی پہلی کوشش ابو تمام متوفی ۲۳۲ھ نے کی، اس نے اپنے مرتب کردہ دیوان میں دس ابواب کے تحت مختلف شعرا کے اشعار کو جمع کیا، اس دیوان کے دس موضوعات یہ ہیں: حماسہ، مرثیہ، ادب، نسیب، ہجو، ضیوف و مدح، صفات، سیر، نعاس، ملح اور عورتوں کی مذمت، ان موضوعات میں کچھ تو ایک دوسرے سے مربوط یا متداخل ہیں اور کچھ موضوعات کو ابو تمام نے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا ہے مثلاً عتاب و اعتذار کا موضوع۔

قدامہ نے اپنی کتاب نقد الشعر میں فن شاعری کو مندرجہ ذیل چھ موضوعات میں تقسیم کیا ہے: مدح، ہجو، نسیب، مرثیہ، وصف اور تشبیہ، اس نے اپنی منطقیانہ عقل سے کام لیتے ہوئے شعر کو صرف دو موضوعات میں محصور کر دیا ہے اوّل مدح اور دوم ہجو، اس نے نسیب و مرثیہ کو مدح کی صف میں شمار کیا ہے، شاعری کے موضوعات کا دائرہ تنگ کرنے کا یہی موقف انھوں نے اپنی کتاب نقد النثر میں بھی اختیار کیا ہے۔

ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں شاعری کے نو موضوعات قرار دیئے ہیں: نسیب، مدح، فخر، مرثیہ، اقتضاء و استنجاز، عتاب، وعید و انذار، ہجو اور اعتذار، ابو ہلال عسکری کا بیان ہے کہ: جاہلی دور میں شعر کی پانچ قسمیں تھیں: مدح، ہجو، وصف، تشبیب اور مرثیہ، پھر نابغہ نے بجا طور پر اعتذار کو ان میں داخل کر کے انھیں چھ بنایا۔[1]

لیکن جاہلی شاعری میں مذکورہ موضوعات کو تاریخی اعتبار سے ترتیب نہیں دیا جا سکتا اور نہ یہ معلوم کیا جا سکتا کہ کب ان کی ابتدا ہوئی اور کس طرح ان کی ترقی و تبدیلی عمل میں آئی، کیوں کہ جاہلی شاعری کے اوّلین نمونے ہمارے پاس موجود نہیں ہیں، البتہ تخمینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جاہلی شاعری عربوں کے دینی و مذہبی ترانوں کے

---

[1] دیوان المعانی ج ۱ ص ۹۱۔

AsliAhleSunnet.com

ترقی یافتہ صورت ہے جنہیں وہ اپنے معبودوں کے سامنے پڑھ کر ان سے مدد طلب کرتے تھے اور دشمنوں کے مقابلہ میں فتح و نصرت کی التجا کرتے تھے، اور یہیں سے دشمنوں کی ہجو اور اپنے سرداروں اور سپاہیوں کی مدح کا سلسلہ شروع ہوا، اور مرثیہ کی ابتدا اس طرح پر ہوئی کہ اہلِ عرب اپنے خیال و عقیدے کے مطابق مردے کے آرام کے لئے تعویذ کے طور پر جو کلام کہتے تھے اس میں اس کے محاسن کا ذکر کرتے تھے، اور فطری قوتوں کی تعظیم کرتے تھے، اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جاہلی شاعری کے موضوعات کی موجودہ شکل دعاء، تعویذ اور دیوتاؤں کے آگے عاجزی و انکساری کے اظہار سے ترقی کے بعد متعین ہوئی ہے۔[1]

جاہلی دور میں ہجویہ شاعری کے اندر ہمیں ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جن کا تعلق دینی انداز کی بد دعاؤں اور مذہبی طور کی لعنت ملامت سے جوڑا جا سکتا ہے، اس دور کی ہجو کا محور ان اوصاف کو بنایا گیا تھا جو مروّت کے منافی تھے، شاعر جب کسی شخص یا قبیلہ کی ہجو کرتا تھا تو مروّت کے ذیل میں آنے والی تمام صفات مثلاً شجاعت، کرم، پڑوسی کا تحفظ، وفاداری، مدد اور انتقام وغیرہ سے اسے عاری بنا کر چھوڑتا تھا۔

اس دور میں ہجو صرف ہجویہ قصائد میں محدود نہیں تھی، بلکہ شعراء جب اپنی شجاعت و دلیری اور دشمنوں کے مقابلہ میں فتح و کامرانی کا تذکرہ کرتے تھے تو اس ضمن میں بھی موقع بہ موقع اپنے مخالفین کی ہجو کرتے تھے، اور چونکہ حماسی شاعری بیشتر جاہلی قصائد کا مرکزی موضوع تھی اس لئے اس کے ساتھ ساتھ مخالفین کی ہجو کے موضوع کو بھی اہمیت حاصل رہی، شعراء اپنی شجاعت و ناموری کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے مخالفین کی ہر ممکن تنقیص کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

حماسی شاعری میں ہمیں ایک نمایاں چیز یہ بھی نظر آتی ہے کہ شاعر اپنے مخالفین

---

[1] دیکھئے تاریخ الادب العربی از بروکلمان ج ۱ ص ۴۴ (مطبوعہ دار المعارف)

AsliAhleSunnet.com

کے بارے میں انتہائی شدید قسم کے غم و غصہ اور عداوت و کینہ کا اظہار کرتا ہے اور انھیں قتل و انتقام کی دھمکی دیتا ہے، اس نوعیت کی شاعری سے پورے قبیلہ میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور دشمنوں سے انتقام لینے کے لئے وہ ہر طرح آمادہ نظر آتا ہے، پھر جب قبیلہ انتقام لے کر دشمنی کی آگ بجھا لیتا ہے تو شعراء فتح و کامرانی کے ترانے گانا شروع کر دیتے ہیں، دُرَید بن الصّمۃ اپنے بھائی عبد اللہ کے قاتلوں سے انتقام کے بعد اپنے قصیدہ میں کہتا ہے۔

ویا راکبا اما عرضتَ فبلّغن　　　ابا غالبٍ انْ قدْ ثأرْنا بغالبِ

اے سوار اگر مکہ جاؤ تو ابو غالب کو بتادو کہ ہم نے غالب کا انتقام لے لیا ہے۔

قتلتُ بعبدِ اللہ خیرَ لِداتِہ　　　ذُؤابَ بْنَ اَسماءَ بْنِ زیدِ بن قاربِ

عبد اللہ کے بدلہ میں نے اس کے بہترین ہمسر ذؤاب کو قتل کر دیا۔

تکرّ علیہم رجلتی وفوارِسی　　　واکرہ فیہم صَعْدَتی غیرَ ناکبِ

میرے سوار اور پیدل ان پر حملہ آور تھے اور میرے نیزہ کا حملہ ان سے خطا نہیں کرتا تھا۔

فان تُدْبروا یاخُذْنکم فی ظُھورکُمْ　　　وانْ تقبلوا یاخُذْکم فی التّرائبِ

اگر تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے تو تمکو پشت سے پکڑیں گے اور اگر سامنے سے آؤ گے تو سینہ پر حملہ کریں گے۔

وان تسھلوا للخیل تسھل علیکم　　　بطعن کایزاغ المخاض الضواربِ

اگر برابر زمین پر اترو گے تو وہاں تمہارے ساتھ جائیں گے اور حاملہ اونٹنی کے پیشاب کی طرح تم پر نیزوں کی بارش کریں گے۔

اسی طرح عمرو بن کلثوم نے بھی اپنے مشہور معلقہ میں اپنی قوم کی فتح و کامرانی کا بڑے فخریہ اور پر جوش انداز میں تذکرہ کیا ہے اور اپنے قبیلہ تغلب کو گرد و پیش کے دوسرے قبائل کے مقابلہ میں برتری دی ہے، اور یہ واضح کیا ہے کہ ان قبائل میں سے اگر کوئی قبیلہ میرے قبیلہ کے ساتھ نبرد آزما ہوگا تو اس کا انجام ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ اور نہ ہوگا۔

AsliAhleSunnet.com

جنگ وجدال کا تذکرہ کرتے ہوئے فطری طور پر شعراء نے لڑائی میں استعمال ہونے والے ہتھیاروں اور گھوڑوں کا بھی ذکر کیا ہے، جنگی ہتھیاروں کے تذکرہ میں اوس بن حجر کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی، اس نے اپنے مشہور لامیہ قصیدہ میں تلوار، نیزے، زرہ اور کمان وغیرہ کا مفصل ذکر کیا ہے، مفضلیات و اصمعیات نامی مجموعوں میں بھی ہمیں اس طرح کے اشعار بکثرت ملتے ہیں۔

حماسی نوعیت کی شاعری میں شعراء نے صرف طاقت و بہادری کے تذکرہ ہی پر اکتفا نہیں کی ہے، بلکہ اس کے ساتھ ہی انھوں نے زندگی و عمل کی اعلیٰ صفات مثلاً سخاوت، وفاداری اور اجار نوازی کا بھی ذکر کیا ہے، ربیعہ بن مقروم اپنے میمیہ قصیدہ میں کہتا ہے[1]:

وانْ تَسْأَلِینی فانّی امرؤٌ أُهِینُ اللئیمَ و اَحْبُوا الکریمَا

اگر تم پوچھتی ہو تو میں ایسا شخص ہوں کہ کمینہ کی توہین کرتا ہوں اور شریف کو دیتا ہوں

وابْنِی المعالی بالمکرُماتِ واُرْضِی الخلیلَ واُرْوِی النَّدیمَا

اچھے کام سے بلند مقام حاصل کرتا ہوں، دوست کو راضی رکھتا ہوں اور ہمنشین کو سیراب کرتا ہوں

ویَحْمدُ بَذْلی لہ مُعْتَفٍ اذا ذمّ مَنْ یَعْتَفِیہ اللَّئِیمَا

سائل میری سخاوت کی تعریف کرتا ہے جب کہ وہ کمینوں کی مذمت کرتا ہے۔

حماسی شاعری ہی سے متعلق ایک دوسری صنف مرثیہ کی ہے جس میں شاعر اپنے حماسی قصائد کے اندر قبیلہ کے بہادروں کا ماتم کرتا تھا، ان کے اوصاف کا ذکر کرتا تھا اور قبیلہ کو انتقام کے لئے اکساتا تھا، اس صنف میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا حصہ نمایاں طور پر نظر آتا ہے، وہ مقتولین جنگ کا انتقام لینے کے وقت تک برابر ان پر نوحہ و ماتم کرتی تھیں اور ان کے اوصاف و محاسن کا تذکرہ کرکے روتی رہتی تھیں، روایتوں سے

---

[1] المفضلیات ص ۱۸۳

AsliAhleSunnet.com

سے معلوم ہوتا ہے کہ مشہور شاعرہ خنساء عکاظ کے بازار میں جاکر اپنے بھائی صخر اور معاویہ کا ماتم کرتی تھی اور اسی طرح ہند بنت عتبہ بھی اپنے باپ کا ماتم کرتی تھی لے اغانی کے تذکرہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں اپنے مقتولین کا ماتم صرف چند روز کرکے خاموش نہیں ہوجاتی تھیں بلکہ اس کا سلسلہ سالہا سال جاری رہتا تھا، ماتم کے اظہار کے لئے وہ اپنے بال مونڈ لیتی تھیں، چہروں کو ہاتھ، جوتوں اور کوڑوں سے پیٹتی تھیں، اور یہ سب کام مقتولین کی قبر اور قبیلہ کی مجالس اور تقریبات میں ہوتا تھا تاکہ تمام دیکھنے والے اس سے متاثر ہوں اور ان کے دلوں میں مقتولین کی عظمت و بہادری کا سکہ بیٹھ جائے۔

اس صنف سخن کو فروغ دینے میں عورتوں کا کیا حصہ رہا ہے اس کا اندازہ لویس شیخو کی کتاب "مراثی شواعر العرب" سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ نوحہ خوان و مرثیہ گو عورتوں میں خنساء کا نام سب سے زیادہ نمایاں ہے، کسی معرکہ میں اس کا بھائی معاویہ کام آگیا تو خنساء نے اپنے رنج وغم کے اظہار کے لئے اس پر رونا شروع کیا، ابھی اس کا یہ زخم مندمل نہ ہوسکا تھا کہ دوسرا بھائی صخر کسی اور لڑائی میں مارا گیا، اس صدمہ نے اس کے دل کو بری طرح متاثر کیا اور اس نے اپنے اشعار میں اپنے خون جگر کو نکال کر رکھ دیا، صخر کے مرثیہ میں اس کے چند عمدہ اشعار یہ ہیں :

قَذًی بعینك اَمْ بالعینِ عُوَّارُ　　　اَمْ ذَرِفَتْ اَنْ خَلَتْ من اهلِها الدارُ

تمہاری آنکھ میں تنکا ہے یا آشوب، یا گھر کے مکینوں سے خالی ہونیکے باعث برابر آنسو بہہ رہے ہیں؟

كاَنَّ عینی لذکراہ اذا خطرَتْ　　　فَیضٌ یسیل علی الخدَّینِ مِدْرارُ

اس کی یاد جب آتی ہے تو میری آنکھ سیلاب کی مانند دونوں رخساروں پر آنسو بہاتی ہے۔

فالعینُ تبکی علیٰ صخرٍ وحقّ لها　　　ودونه مِنْ جدید الارضِ اَستارُ

صخر پر میری آنکھ کا رونا برحق ہے، زمین نے جلد ہی اسے اپنے پردہ میں چھپا لیا ہے۔

لے الاغانی ۴/ ۲۱۰ (مطبوعہ دارالکتب)

AsliAhleSunnet.com

تبکی خُناسُ وما تنفكُّ ما عَمَرت   لها علیه رَنینٌ وھیَ مِفتارُ

خنساء اپنے ضعف کے باوجود تاحیات اس پر روتی رہے گی ـــــ

بکاءَ والھۃٍ ضلّت الیفتھا   لھا حَنینانِ: اصْغارٌ و اکبارُ

جس طرح اونٹنی اپنے مانوس بچے کو کھو کر کبھی آہستہ اور کبھی زور سے روتی ہے۔

ترعی اذا نسیت حتی اذا ذکرت   فانما ھی اقبال و ادبار

اسے بھولتی ہے تو چرنے لگتی ہے، اور جب اس کی یاد آتی ہے تو آگے پیچھے دوڑتی ہے۔

وان صخرا لتأتم الھداۃ بہ   کأنہ علم فی رأسہ نار

صخر کی رہنما لوگ اقتدار کرتے تھے، وہ اس پہاڑ کی مانند ہے جسکی چوٹی پر آگ روشن ہو۔

عرب شعراء اپنے مرثیوں میں عام طور پر میدان جنگ میں کام آنے والے بہادروں کا تذکرہ کرتے تھے اور ان کی خوبیوں پر آنسو بہاتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی کبھی کبھی وہ اپنے مخالفین کی شدید ہجو بھی کرتے تھے اور اپنے قبیلہ کی خوبیوں اور میدانِ جنگ کی کامیوں پر فخر کا اظہار کرتے تھے، اس کی مثال ہمیں المرقش کے قصیدہ میں نظر آتی ہے[1]، جسکا مطلع ہے:

ھَلْ بالدِّیَارِ اَنْ تجیب صَمَمُ   لو کان رَسْمٌ ناطقا کلّمْ

یہ دیار بہرے ہیں، جواب نہیں دیں گے، نشان اگر بول سکتا تو بولتا ـــــ

اس قصیدہ میں اس نے غزل سے ابتدا کی ہے، پھر مرثیہ، مدح، فخر اور ہجو کے اشعار آئے ہیں۔

عرب شعراء صرف بہادر مقتولین ہی کا مرثیہ نہیں لکھتے تھے بلکہ ان اشراف کا بھی مرثیہ لکھتے تھے جو بستر مرگ پر جان دیتے تھے، اس نوعیت کے مرثیوں میں مرنے والوں کے اوصاف و محاسن کا تذکرہ کر کے شاعر فخر و اعتزاز کا اظہار کرتا ہے، اوس بن حجر کا

---

[1] المفضلیات ص ۲۳۷۔

AsliAhleSunnet.com

ایک عمدہ مرثیہ ہے جسے اس نے فضالہ بن کلدہ اسدی کی موت کے موقع پر کہا ہے:

اَیَّتُھا النَّفسُ اَجمِلِی جَزَعًا ... اِنَّ الذی تحذرین قد وقعا

اے نفس صبر کر جس کا ڈر تھا وہ مصیبت آگئی۔

اِنَّ الذی جَمَّعَ السماحۃ والنج ... دَۃَ والحزمَ والقُوی جُمَعا

وہ ذات جس میں سخاوت، نصرت، احتیاط اور قوت کے اوصاف جمع تھے۔

الاَلْمَعِیَّ الذی یظن لك الـ ... ظَنَّ کاَن قد رائ وقد سمعا

اور وہ باہوش جس کا گمان بھی سچا ہوتا تھا۔

المخلفَ المتلف المرزّأ لَم ... یُمَتَّعْ بضعیفٍ ولم یمُتْ طبعا

اور جو اپنا مال بے تحاشہ خرچ کرتا تھا اسے کوئی کمزوری نہیں لاحق ہوئی، نہ کمینہ کی موت مرا۔

اَوْدیٰ وھل تنفع الاشاحۃُ من ... شیٔ لمن قد یحاول البِدَعا

وہ فوت ہوگیا، اور انوکھے امور کی کوشش کرنے والے کو طلب میں سرگرمی کیا فائدہ دیگی۔

مرثیہ کے علاوہ عربی شاعری کی مشہور صنف مدح ہے، جس میں شعراء اپنے قبائل اور ان کے سرداروں کی تعریف کرتے تھے، عام طور سے وہ ان قبائل کی مدح کرتے تھے جو اچھے پڑوسی کی حیثیت سے ان سے پیش آتے تھے، اس نوعیت کے اشعار میں قبیلہ کی خودداری، عزت، شجاعت، دشمنوں کے قتل، مہمانوں کے اکرام اور پڑوسیوں کی حمایت و تحفظ وغیرہ صفات کا ذکر ہوتا تھا۔ بعض سرداران قبائل کے کارناموں کا دائرہ متعدد قبائل تک وسیع ہوجاتا تھا، اور وہ قیدیوں کی رہائی اور دوسرے رفاہ عام کے کام انجام دیا کرتے تھے، ایسے سرداروں کی مدح سرائی دوسرے قبائل کے شعراء بھی کرتے تھے، اور ان کی خوبیوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

جاہلی دور کے اخیر میں شعراء نے مدح کو کسب مال و زر کا وسیلہ بنالیا تھا، اور ان تمام ممتاز و سربرآوردہ افراد کی شان میں قصائد لکھتے تھے جن سے کسی مالی منفعت کی توقع ہوتی تھی، شعراء کی جانب سے مناذرۃ اور غساسنہ کی مدح و تعریف کے پیچھے

AsliAhleSunnet.com

یہی جذبہ کارفرما تھا، کسب زر کے لئے جو قصائد لکھے جاتے تھے ان پر شعراء بالخصوص اس نقطۂ نظر سے توجہ دیتے تھے کہ انہیں ممدوح کے لئے زیادہ سے زیادہ مؤثر بنایا جا سکے، اس میدان میں خصوصیت کے ساتھ زہیر، نابغہ اور حسان بن ثابت کا نام آتا ہے۔ زہیر مخصوص طور پر اپنے قبیلہ کے اشراف کی مدح کرتا تھا۔ حسان بن ثابت غساسنہ کی مدح کرتے تھے، اور نابغہ نے نعمان بن منذر کو اپنے مدحیہ قصائد کا محور بنایا تھا، علقمہ بن عبدۃ نے حارث اصغر کی مدح میں ایک عمدہ قصیدہ کہا تھا جس میں اپنے بھائی کی رہائی کی درخواست کی تھی[1]

چونکہ مناذرۃ نے مدح کو قبائل کے مابین اپنی شہرت کا ذریعہ بنا لیا تھا اسلئے وہ شعراء کو خاص طور پر مال و دولت سے نوازتے تھے جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دربار میں شعراء کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی جس میں مثقب عبدی، متلمس، ممزق عبدی، طرفہ اور مسیب بن علس کا نام قابل ذکر ہے، نعمان بن منذر کی بہت سے شعراء نے مدح کی، مجر بن خالد اس کی تعریف میں کہتا ہے[2]:

سَمِعْتُ بفعلِ الفاعلین فلم اَجِدْ ‌ ‌ ‌ ‌ كفِعلِ اَبِی قابوسَ حَزْمًا ونائلاً

میں نے لوگوں کے کارنامے سنے، ابو قابوس کی طرح احتیاط و سخاوت کسی میں نہیں ہے۔

یُساقُ الغمامُ الغُرُّ من كلِّ بلدةٍ ‌ ‌ ‌ ‌ الیكَ فاضحیٰ حولَ بیتكَ نازلاً

سفید بادل ہر طرف سے تمہارے پاس پہنچائے جاتے ہیں اور تمہارے گھر وہ اترتے ہیں۔

فانْ انْتَ تهلِكْ یهلكُ الباعُ والندی ‌ ‌ ‌ ‌ وتُضحِی قلوصُ الحمدِ جَرْباءَ حائلاً

تمہاری ہلاکت شرافت اور سخاوت کی ہلاکت ہے اس سے حمد کی اونٹنیاں بانجھ اور خارشتی ہو جائیں گی۔

اعشیٰ کے ہاتھوں فن مدح کسب زر کا پیشہ بن گیا، اس نے جزیرۂ عرب کے تمام

---

[1] المفضلیات ص ۳۹۰۔ ‌ ‌ [2] الجیوان ۳/ ۵۸۔

AsliAhleSunnet.com

بادشاہوں اور مشہور سرداروں کے پاس جاکر ان کی مدح سرائی کی اور ان کے آگے دست سوال دراز کیا۔

مدح کے بعد صنفِ غزل پر نظر ڈالیے تو اس میں شعراء کے یہاں اپنی جوانی کے ایام اور عورتوں کا ذکر ملے گا۔ عربی قصائد میں سب سے پہلے ہمارے سامنے ایسے اشعار آتے ہیں جن میں شاعر ان مقامات پر روتا ہے جہاں سے اس کے قبیلہ کے لوگ اور اس کی محبوبہ جاچکی ہے، اپنی جوانی کی یادوں کا تصور کرکے وہ اپنے سوز و اشتیاق کا اظہار کرتا ہے۔

عورتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے شعراء اس کے جسم کے ایک ایک حصّہ کی تصویر کشی کرتے ہیں اور اس ضمن میں اس کے لباس، زیورات، خوشبو اور حیاء و پاکدامنی تمام صفات کو نمایاں کرتے ہیں۔

شعراء نے عورتوں سے محبت اور ان کے غم میں بہائے گئے آنسوؤں کا بھی طویل تذکرہ کیا ہے، بشر بن ابی خازم کا ایک شعر ہے:

فظللتَ من فرطِ الصّبابة والهوی   طَرِفًا فؤادُك مثلَ فعلِ الأيهَمِ

فرطِ عشق و محبت سے تم سرگرداں ہو گئے ہو، تمہارا دل جنون کا شکار ہے۔

عورتوں کی یاد انھیں اکثر ستاتی تھی اور ان کا خیال دلوں میں سوز و گداز پیدا کر دیتا تھا، اس یاد کی تاثیر بڑی گہری ہوتی تھی، مرقش اصغر کہتا ہے:

صحَا قلبُه عنها على أنّ ذِكرةً   اذا خطرتْ دارتْ به الأرضُ قائما

اس کا دل محبوبہ سے غافل ہے، لیکن جب اس کی یاد اسے آتی ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ زمین گھوم رہی ہے۔

جاہلی دور میں عربوں کی زندگی خانہ بدوشی کی زندگی تھی، سبزے اور پانی کی تلاش میں وہ ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے تھے اور جہاں پر پانی اور چارے کی سہولت رہتی تھی وہاں پر قیام پذیر ہو جاتے تھے، خانہ بدوشی کی اس زندگی میں سواری کے

AsliAhleSunnet.com

جانوروں کی کافی اہمیت تھی، عام طور سے اونٹ اور گھوڑوں پر یہ سفر طے ہوتے تھے، شعراء نے اپنے اشعار میں خصوصیت کے ساتھ اس نوعیت کے سفر، سواریوں اور اس پر سفر کرنے والی عورتوں کا (جن میں ان کی محبوب و معشوق عورتیں بھی ہوا کرتی تھیں) تذکرہ کیا ہے اور اس نوعیت کے اشعار میں ان کی منظر نگاری اور وقت پسندی کے حسین نمونے موجود ہیں، مفضلیات[1] میں مثقب عبدی کا ایک قصیدہ ہے جس کا مطلع ہے:

أَفَاطِمُ قَبْلَ بَيْنِكِ مَتِّعِينِي　　　وَمَنْعُكِ مَاسَأَلْتُ كَأَنْ تَبِينِي

اس قصیدہ میں شاعر نے سواری، اس پر سفر کرنے والی حسین و جمیل عورتوں اور ان کی حرکات و سکنات نیز دل لبھانیوالی اداؤں کا ذکر کیا ہے، اور بتایا ہے کہ سفر کے دوران کس طرح یہ عورتیں اپنے سر اٹھا کر ادھر ادھر کے مناظر کو دیکھتی ہیں اور اس کی محبوبہ کس طرح ان کے مابین ممتاز حسن و جمال کی مالک نظر آتی ہے۔

عرب شعراء نے عورت کے ساتھ اپنے تعلق کا جو نقشہ اشعار میں کھینچا ہے اسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس تعلق کی نوعیت جسمانی تمتع اور لطف اندوزی کی تھی جیسا کہ طرفہ اور امرؤ القیس کے معلقہ سے معلوم ہوتا ہے، لیکن دوسری طرف ہمیں جاہلی دور میں ایسے شعراء بھی نظر آتے ہیں جو اپنی غزلیہ شاعری میں عورت کا تذکرہ محتاط انداز میں کرتے ہیں، اس کی عزت و پاکدامنی کا تحفظ ضروری خیال کرتے ہیں، اس کی نظر میں مقام پیدا کرنے کے لئے سخاوت و شجاعت کے جوہر دکھاتے ہیں اور اس کے پیکر سے اپنے فنِ شاعری کے لئے غذا اور تقویت حاصل کرتے ہیں، عنترہ اور اس طرح کے دوسرے شعراء کے کلام میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ غزل عذری" (پاکدامن غزل) کی بنیاد اسی وقت پڑ چکی تھی۔

جاہلی دور کی شاعری کے موضوعات میں ایک اہم موضوع منظر نگاری و تصویر کشی

---

[1] ص ۲۸۸۔

AsliAhleSunnet.com

ہے، شعراء نے ان تمام اشیاء کی تصویر کشی کی ہے جن پر صحراء میں ان کی نگاہ پڑتی تھی قصیدہ کا عام انداز یہ ہوتا تھا کہ غزل و تشبیب کے بعد شاعر جب اپنی بادیہ پیمائی کا ذکر کرتا تھا تو اس ضمن میں وہ اونٹوں پر اپنے طول طویل سفر کا مفصل ذکر کرتا تھا اور متعلقہ اشیاء کی جیتی جاگتی تصویر نظر کے سامنے پیش کر دیتا تھا، طرفہ نے اپنے معلقہ میں اونٹنی کا تذکرہ شروع کیا تو اس کے ایک ایک عضو اور ایک ایک حصہ کی تصویر کشی کی اور سفر کے وقت کی کیفیات کا قلمی نقشہ کھینچ دیا، مفضلیات و اصمعیات میں اس طرح کے اشعار کی بڑی مقدار موجود ہے، ان اشعار میں وہ نادر تشبیہات بھی نمایاں نظر آتی ہیں جن میں اونٹنی کو قصر، کشتی، پل اور پہاڑ، ہرن و نیل گائے وغیرہ سے تشبیہہ دی گئی ہے اور اس طرح اسکے مختلف اوصاف و محاسن کو نمایاں کیا گیا ہے۔

اونٹ کے علاوہ جاہلی شعراء کے اشعار میں بھیڑ، گھوڑوں، نجوؤں، عقاب اور دوسرے جانوروں کا بھی ذکر بکثرت ملتا ہے اور اس سلسلہ میں وہ مختلف خیالات و معتقدات کا بھی ذکر کرتے ہیں جو اِن جانوروں سے متعلق مشہور ہیں۔

جاہلی شاعری کے مذکورہ جن موضوعات کا تذکرہ ہم نے کیا ہے وہ طویل قصائد میں سموئے ہوئے موجود ہیں، ان کے علاوہ قصیدہ میں حکمت و دانائی اور تہذیب و ہمدردی کے موضوعات بھی ہوتے تھے، شاعر قصیدہ میں جابجا اپنے ذاتی تجربات کا بھی ذکر کرتا ہے اور اپنی اولاد و دیگر متعلقین کو مفید نصیحتیں کرتا ہے، عمرو بن اہتم نے ایک قصیدہ میں اپنے بیٹے کو متعدد وصیتیں کی ہیں، اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے[1]:

وانّ المجدَ اوّلُہٗ وعُورٌ ومصدر غِبِّہٖ کرمٌ وخیرُ

بزرگی کی ابتدا مشکل اور اس کی انتہا کا ماخذ کرم ہے ——

شاعری میں حکمت و دانائی کی باتیں اور اپنے تجربات کا نچوڑ پیش کرنے کے

---

[1] المفضلیات ص ۴۱۰۔

AsliAhleSunnet.com

سلسلہ میں جن شعرار کو خاص شہرت حاصل ہوئی وہ یہ ہیں : زہیر بن ابی سلمیٰ، اُفوہ اودی اور علقمہ بن عبدۃ۔

گزشتہ سطور میں جاہلی قصیدہ کے بنیادی و اصلی موضوعات کا تذکرہ کیا جاچکا ہے، اس تذکرہ سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جاہلی دور میں شاعر عام طور پر قصیدہ کو غزل و تشبیب سے شروع کرتا تھا جس میں محبوبہ کے گھر اور کھنڈرات پر آنسو بہانے اور پھر شاعر کی محبت و عشق کا تذکرہ ہوتا تھا، اس کے بعد شاعر صحرا میں اپنے سفر کی تصویر کشی کرتا تھا اور اپنی جرأت کے مظاہر کو محبوبہ کے سامنے بیان کرتا تھا، اسی ضمن میں گھوڑے یا اونٹنی کا ذکر آتا تھا، سفر اور سواری کا تذکرہ یا تو قصیدہ کی ابتدا میں رہتا تھا یا پھر اخیر میں، اس کے بعد قصیدہ کی نوعیت کے لحاظ سے ہجو، مرثیہ یا مدح کا حصہ شروع ہوتا تھا، اور ان اشعار میں شاعر اپنے مشاہدات، نصائح اور تجربات کا ایک ماہر فنکار کی طرح تذکرہ کرتا تھا۔

۴۔ معنوی خصوصیات جاہلی دور کی شاعری کی معنوی خصوصیات کے سلسلہ میں سب سے پہلے جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ ہے مفہوم کی وضاحت و سادگی، شاعر خواہ اپنے احساس و خیالات کی ترجمانی کرے یا اپنے گرد و پیش کے فطری مناظر کی تصویر کشی کرے دونوں صورتوں میں وہ تکلف و مبالغہ سے دُور رہ کر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔

اور غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ شاعر اپنے احساسات اور دیگر اشیار پر اپنے فنی ارادے کو مسلط کرنے کے بجائے انھیں اپنی اصلی صورت میں اشعار کا جامہ پہنانا چاہتا ہے اور ان کی جوہری صورت میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا، یہی وجہ ہے کہ اس دور کی شاعری کو اس ماحول و مناظر اور حالات و طرز زندگی کا ترجمان کہا جاتا ہے، یہ حقیقت متقدمین کے سامنے واضح تھی، اسی وجہ سے جاہلی دور اور اس وقت کی زندگی پر گفتگو کرتے ہوئے وہ اشعار سے استشہاد کرتے تھے، جاحظ کو اپنی مشہور کتاب "الحیوان" کیلئے ان اشعار میں

AsliAhleSunnet.com

زبردست مواد ملے اور ان اشعار کی مدد سے اس نے جانوروں کے اوصاف وخصائص کی واضح تصویر پیش کی، اس کا مطلب یہ ہے کہ جاہلی شاعر نے حیوانات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی اصلی حقیقت کو اپنے خیال وفن کے لبادہ میں چھپانے کی کوشش نہیں کی۔

جاہلی شاعر کی سادگی و وضاحت پسندی کا نمونہ ہمیں ان اشعار میں بھی نظر آتا ہے جن میں میدان جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اس نوعیت کے اشعار میں حقیقت نگاری کا جوہر اس وقت کھلتا ہے جب شاعر کا قبیلہ میدانِ جنگ میں شکست کھا جاتا ہے اور اس شکست کا تذکرہ شاعر اپنے اشعار میں کرتا ہے، ایسے موقع پر شاعر اپنے قبیلہ کی شکست، اپنے فرار اور دشمنوں کی شجاعت و جوانمردی کا کھلے دل سے اعتراف کرتا ہے، اور حقائق کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کرتا، جاہلی دور کے ایسے ہی قصیدوں کو "منصفات" کا نام دیا گیا ہے، بعض مبالغہ آمیز اور حقیقت سے دور اشعار جاہلی شاعری میں ضرور ملتے ہیں لیکن انکی حیثیت شاذ و نادر اشعار کی ہے عام ومعروف کی نہیں۔

حقیقت کی عکاسی اور مبالغہ سے دوری کی اسی روح کی وجہ سے جاہلی شاعری میں ہمیں ایک اثباتی و افہامی انداز نظر آتا ہے، اور مفہوم متعین و واضح معلوم ہوتا ہے جس طرح کوئی ثابت و راسخ شئی اپنے مقام پر جمی رہتی ہے، یہ خصوصیت اس دور کی حکیمانہ شاعری میں بخوبی نمایاں ہے جس کے ذریعہ مناسب و درست آراء و نتائج کی ترجمانی کی گئی ہے، شاعر مفہوم کو محسوس و محکم شئی کی صورت میں پیش کرتا ہے جس میں خیال کا شائبہ نہیں ہوتا، اسی وجہ سے مفہوم محسوس و واضح معلوم ہوتا ہے اور اس کو سمجھنے کے لئے ذہن وفکر کے گوشوں کو ٹٹولنا یا اشہب خیال کو دوڑانا نہیں پڑتا، مرثیہ، مدح اور حماسی شاعری میں جاہلی دور کا شاعر فضائل و محاسن کو انسان کے محسوس وجود کے اندر پیش کرتا ہے اور انھیں عام ذہنی مفہوم کی شکل نہیں دیتا، سخاوت، بخل، وفاداری اور دوسرے فضائل ورذائل کا ذکر کسی متعین و محدود شخص کے وجود سے متصل ہوئے بغیر نہیں آتا۔

جاہلی شاعری کے اسی رجحان کی وجہ سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شاعر، محبت یا اس

AsliAhleSunnet.com

کے علاوہ کسی اور موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے خیالات وجذبات کی تحلیل وتجزیہ نہیں کرتا، اسے نفس انسانی کی مخفیات یا محسوس اشیاء کی گہرائیوں میں اترنے کا فن نہیں آتا، تشبیہات وخیالات کے تمام سرمایہ کو وہ محسوس ومادی دنیا سے حاصل کرتا ہے' اس نے عورت کو آفتاب، ماہ کامل، موتی، گڑیا، نیزے، تلوار، بادل، گائے، ہرنی اور قطاۃ سے، انگلیوں کو عنم سے، دانتوں کو بلور سے، رخسار وسینہ کو آئینے سے، بالوں کو رسّی وسانپ سے، چہرے کو دینار سے، خوشبو کو مشک سے، تھوک کو شراب وشہد سے، آنکھوں کو نیل گاؤ وہرن کی آنکھ سے اور سرین کو تودۂ ریت سے تشبیہہ دی ہے، اسی طرح مرد کو سمندر، بارش، شیر، بھیڑیا، عقاب، اونٹ، چاند، نیزے، تلوار، چٹان اور شاہین وغیرہ سے تشبیہہ دی ہے اور یہ تمام اشیاء محسوس ومادی ہیں اور انھیں سمجھنے کیلئے خیالات کی وادی میں چکر کاٹنے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔

حسیت کا مذکورہ رجحان پوری جاہلی شاعری میں نمایاں ہے، شاعر اپنے تخیل کے لئے گرد وپیش کی محسوس کائنات سے غذا حاصل کرتا ہے، حسیت پرستی کے اس رجحان کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ شاعر جب کسی چیز کی تصویر کشی کرتا ہے تو اس کے تمام اجزاء پر دقیق نظر ڈالتا ہے اور باریک تفصیل پیش کرتا ہے اس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس چیز کو بعینہٖ قصیدہ میں منتقل کرنا چاہتا ہے، اس کی حیثیت اس مجسمہ ساز کی ہوتی ہے جو مجسمہ کے تمام اجزاء اور تفصیلات کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیتا ہے، طرفہ نے اپنے معلقہ میں اونٹنی کا جو ذکر کیا ہے، اس کی جانب ہم گزشتہ سطور میں اشارہ کر چکے ہیں۔

محسوسات پرستی ہی کی وجہ سے جاہلی دور کی شاعری کے مفہوم میں وسعت وہمہ گیری نہیں پیدا ہو سکی اور تقریباً تمام شعراء چند محدود مفہوم کے محور پر گھومتے رہے اور اپنے راستہ سے انحراف نہیں کیا، طرفہ نے اونٹنی کے بارے میں جو کچھ کہا اسی کو دوسرے شعراء نے بھی دہرایا، امرؤ القیس نے کھنڈرات پر آہ وبکا کی طرح ڈالی تو دوسرے شعراء نے بھی اس کا تتبع کیا، عمرو بن کلثوم نے اپنے معلقہ میں حماسی شاعری کا جو نمونہ پیش کیا ہے تقریباً وہی انداز

AsliAhleSunnet.com

دوسرے حماسی شعراء نے اختیار کیا، یہی بات شاعری کی دیگر اصناف یعنی غزل، مدح اور مرثیہ وغیرہ کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے، تمام شعراء ایک ہی نوعیت کے مفہوم، تشبیہات اور تخیل کو پیش کرتے ہیں، اسی وجہ سے ان کی شاعری پر تقلید و محاکات کی چھاپ نظر آتی ہے، لیکن مفاہیم و تشبیہات کے اعادہ و تکرار میں ایک خصوصیت البتہ یہ نظر آتی ہے کہ ہر شاعر کے یہاں مفہوم کو ایک نئی ساخت اور خوبصورت قالب میں پیش کیا جاتا ہے اور اسکی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مفہوم پر اس کی شخصیت اور اس کے فن کا اثر نمایاں ہو، مثال کے طور پر ایک شاعر عورت کو مطلق طور پر ہرنی سے تشبیہ دے کر خاموش ہو جاتا ہے، لیکن اس کے بعد آنے والا دوسرا شاعر اسی تشبیہ میں ایک قید کا اضافہ کر کے مفہوم میں وضاحت اور خوبصورتی پیدا کر دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہرنی سَلم کے ہرے بھرے درخت کی طرف جب اپنی گردن بڑھاتی ہے تو اس سے جو منظر رونما ہوتا ہے محبوبہ اس سے مشابہ ہے، علباء بن ارقم کا شعر ہے:

فَيَوْمًا تُوَافِينَا بِوَجْهٍ مُقَسَّمٍ   كَأَنْ ظَبْيَةٍ تَعْطُو إِلَى نَاضِرِ السَّلَمْ

(پس کسی دن وہ خوبصورت چہرے کے ساتھ ہمارے پاس آتی ہے گویا کوئی ہرنی درخت سَلم کی طرف گردن بڑھا کر اس کے پتے کھا رہی ہے۔)

تشبیہات میں توضیح و تفصیل کا اندازہ مندرجہ ذیل مثالوں سے بھی ہو سکتا ہے، شعراء نے مردوں کو ستاروں سے تشبیہ دیا ہے، عامر محاربی کہتا ہے[۱]:

وَكُنَّا نُجُومًا كُلَّمَا انْقَضَّ كَوْكَبٌ   بَدَا زَاهِرٌ مِنْهُنَّ لَيْسَ بِأَقْتَمَا

(ہم تاروں کی مانند ہیں، جب ایک ستارہ گرتا ہے تو دوسرا چمکدار ستارہ ظاہر ہو جاتا ہے)

طفیل غنوی اپنی قوم کی تعریف میں کہتا ہے[۲]:

نُجُومُ ظَلَامٍ كُلَّمَا غَابَ كَوْكَبٌ   بَدَا سَاطِعًا فِي حِنْدِسِ اللَّيْلِ كَوْكَبُ

(وہ تاریکی کے ستارے ہیں، جب ایک ستارہ ڈوبتا ہے تو دوسرا ستارہ رات کی تاریکی میں نکل آتا ہے)

---

[۱] مفضلیات ص ۳۲۱۔ [۲] الحیوان ج ۳ ص ۹۴۔

AsliAhleSunnet.com

لقیط بن زرارۃ اس مفہوم میں نادر اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے[1]:

اذا ماتَ مِنّا سَیّدٌ قام صاحبُہٗ
وانّی مِن القومِ الذین عرفتمُ

(میں اس قوم سے ہوں جسے تم جانتے ہو جب ہمارا کوئی سردار مرجاتا ہے تو دوسرا اسکی جگہ لے لیتا ہے)

بَدا کوکبٌ تاوی الیہ کواکبُہٗ
نجومُ سماءٍ کلّما غابَ کوکبٌ

(وہ آسمان کے تاروں کی مانند ہیں جب کوئی ستارہ ڈوبتا ہے تو دوسرا ظاہر ہوتا ہے اور تمام ستارے اسکے گرد سمٹ آتے ہیں)

دُجی اللیلِ حتی نظّم الجزعَ ثاقبُہٗ
اَضاءَتْ لھم اَحسابُھم ووجوھُھم

(ان کے حسب اور انکے چہروں سے تاریک رات اسطرح روشن ہوجاتی ہے کہ سوئی میں دھاگہ ڈالا جاسکے)

نابغہ نے اسی مفہوم کو ایک نیا رنگ دیتے ہوئے یوں کہا ہے:

اذا طلعتْ لم یَبْدُ منھنّ کوکبُ
وانّکَ شمسٌ والملوکُ کواکبُ

(تو آفتاب اور دوسرے بادشاہ ستارے ہیں جب آفتاب نکلتا ہے تو کوئی ستارہ نظر نہیں آتا)

جاہلی شاعری کے مفہوم کے سلسلہ میں دوسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ شعراء کے یہاں حسیت میں جمود نہیں ہے جس سے طبیعت میں اکتاہٹ یا تکدر پیدا ہو، بلکہ انہوں نے حسیت میں ایک حرکت رکھی ہے جس کی وجہ سے مفہوم میں جان پیدا ہوجاتی ہے، اور یہ حرکت ان کی زندگی اور حالات کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے، انھیں کسی ایک مقام پر مستقل طور پر جم کر رہنے کا موقع نہیں ملتا تھا، پانی اور چارے کی تلاش میں وہ ہمیشہ پابرکاب رہا کرتے تھے، خانہ بدوشی کی اسی زندگی کی وجہ سے اشعار میں جب انھوں نے حیوانات کا تذکرہ کیا تو متحرک حیوانات کا تذکرہ کیا جامد کا نہیں۔ طرفہ نے اونٹنی کا جو تذکرہ کیا ہے اس میں حرکت کا وصف وضاحت سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔

دیارِ حبیب اور کھنڈرات پر ٹھہرنے اور رونے کا جو ذکر شعراء نے کیا ہے اس میں بھی حرکت ہی کی کارفرمائی ہے جمود کی نہیں، کیونکہ اس موقع پر بھی عام طور پر

---

[1] الحیوان ج ۳ ص ۹۲۔

AsliAhleSunnet.com

شعراء نے محبوبہ اور ساتھ کی عورتوں کے سفر اور سواریوں کے اوصاف کا منظر پیش کیا ہے اور منزل بہ منزل سفر کا نقشہ کھینچا ہے۔

جاہلی دور کی زندگی میں ثبات و استقرار کے بجائے حرکت تھی، اور اسی حرکت کی وجہ سے جاہلی شاعری کے معانی میں بھی ایک طرح کی سرعت کا احساس ہوتا ہے، شاعر کسی مفہوم پر طویل توقف کرکے اسے واضح نہیں کرتا بلکہ اس کے بجائے سرسری طور پر گزر جاتا ہے، اس کی زندگی کا عدم استقرار اس کی شاعری کے مفہوم کو بھی غیر ثابت و غیر مستقر بنا رہا ہے، جاہلی شاعری میں ایجاز و اختصار کا اصلی سبب بھی یہی ہے اور اسی سے ان کے قصیدوں میں ہر شعر کی ایک معنوی وحدت اور اپنا مستقل مفہوم ہے، اور اسی وجہ سے ان کے طویل قصائد کا بھی کوئی ایک موضوع نہیں ہے بلکہ اس میں مختلف نوعیت کے موضوعات وجذبات زیر بحث آتے ہیں اور ان میں کسی باہمی ربط کا احساس نہیں ہوتا، اسی خصوصیت کی بنا پر بعض تنقید نگاروں کی رائے ہے کہ جاہلی شاعری میں بنیادی طور پر استطراد ہے، لیکن اگر ان کی زندگی کی خصوصیت کو پیش نظر رکھا جائے تو اس چیز کو استطراد کے بجائے "تنقل سریع" سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

جاہلی شاعری میں قصیدہ وسیع وعریض فضا سے مشابہ ہے جس میں رنگا رنگ اور غیر مربوط اشیاء، ایک وحدت میں جمع نظر آتی ہے، قصیدہ میں بھی مختلف موضوعات پہلو بہ پہلو اکٹھا ہو جاتے ہیں اور ان کے اس اجتماع کی کوئی فکری توجیہ نہیں کی جا سکتی، وہ شاعر کی صحرائی زندگی کی ایک کامیاب تصویر ضرور پیش کرتے ہیں لیکن اپنے باہمی ربط کے بارے میں کسی عقدہ کو حل نہیں کرتے۔

۵۔ لفظی خصوصیات

جاہلی شاعری کے سلسلے میں اہم اور قابل لحاظ امر یہ ہے کہ اس کی ساخت بالکل مکمل ہے اور اشعار میں تراکیب پوری طرح اپنے مدلولات کی ترجمان جو عام طور پر محسوسات سے تعلق رکھتے ہیں، اسی طرح عبارت بھی اپنے مفہوم کو ادا کرتی ہے اور اس میں کسی طرح کی کمی یا کوتاہی کا احساس نہیں ہوتا،

AsliAhleSunnet.com

جاہلی شاعری کا یہ پہلو ایک طرح کی لغوی ترقی کا پتہ دیتا ہے، اور یہ امر یقینی ہے کہ یہ ترقی سابقہ لغوی تجربات کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہوگی جو ترقی کے مختلف مدارج طے کرنے کے بعد جاہلی شاعری کی موجودہ ساخت تک پہونچے ہوں گے جسمیں ہم دیکھتے ہیں کہ الفاظ اپنی جگہ پر درست ہیں اور عبارت مفہوم کو ادا کرنے میں کسی نقص و اضطراب کا شکار نہیں ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں جاہلی شعراء موضوعات و مفاہیم کے سلسلہ میں جدت و ابداعت کی جانب زیادہ متوجہ نہیں تھے کیونکہ اس دور کی سادہ صحرائی زندگی کا تقاضا ہی یہی تھا، لیکن اس کے مقابلہ میں ان کی توجہ تمام تر اشعار کے قالب اور ساخت پر مرکوز تھی اور وہ ایک ایک سال تک قصیدہ کے صیغے اور عبارتوں پر نظر ثانی کرتے رہتے تھے تاکہ اس کی ساخت پوری طرح محکم و مکمل ہو جائے اور صیغوں میں نغمہ و موسیقی پیدا ہو، فن شاعری کو اس ریاض سے بلاشبہ جلا ملی اور قصائد میں شیرینی اور موسیقی کی چاشنی کا احساس ہونے لگا، نابغہ، علقمہ، مرقش، اعشیٰ، طرفہ، متلمس، عنترہ، درید بن الصمۃ، سلامہ بن جندل، حادرہ اور مثقب عبدی وغیرہ کے قصائد ساخت کے کمال اور شعراء کی دقت پسندی کا واضح ثبوت ہیں۔

شعراء نے قدیم دور ہی سے اشعار کی تاثیر کو تقویت دینے کے لئے محسنات لفظی و معنوی کا بھی استعمال کیا ہے، اس سلسلہ میں سب سے زیادہ استعمال تشبیہ کا ہوا ہے، قصیدہ میں جن موضوعات یا اشخاص کا ذکر ہوا ہے، انھیں شعراء نے تشبیہ کی مدد سے بالکل واضح اور متعین کرنے کی کوشش کی ہے، جاحظ نے عنترہ کے مندرجہ ذیل اشعار کے بارے میں اپنی غیر معمولی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے[1]، ان اشعار میں عنترہ نے باغ کا ذکر کیا ہے اور نیچے گرتی ہوئی مکھی اور اس کے پروں کی حرکت کی تصویر کشی کی ہے:

---

[1] الحیوان ج ۳ ص ۳۱۲۔

AsliAhleSunnet.com

جادَتْ علیھا کلُّ عَینٍ ثَرَّۃٍ   فترکْنَ کلَّ حدیقۃٍ کالدِّرھمِ

فتری الذُّبابَ بھا یُغنّی وحدَہ   ھَزِجاً کفعلِ الشاربِ المترنّمِ

غَرِداً یحُکُّ ذِراعَہ بذراعِہ   فعلَ المکبِّ علی الزِّنادِ الأجذمِ

ان اشعار میں باغ کے نشیب اور اس کے گڈھوں کو درہم سے اور مکھی کی آواز کو گنگناتے شرابی سے تشبیہ دی ہے، پھر مکھی کے پروں کی حرکت کو جب وہ گر رہی ہو ایسے آدمی سے تشبیہ دی ہے جس کے ہاتھ کٹے ہوئے ہیں اور وہ آگ جلانے کیلئے چقماق برابر رگڑ رہا ہے لیکن آگ جلتی نہیں ہے۔

تشبیہات کے علاوہ جاہلی شاعروں میں استعارہ بھی ہے، امرؤالقیس اور اس کے بعد کے دوسرے شعراء کے یہاں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، امرؤالقیس نے اپنے ایک شعر میں رات کی طوالت و سست رفتاری کو استعارہ کے طور پر اس اونٹ سے تعبیر کیا ہے جو بیٹھ جائے اور پھر نہ اٹھے، رات کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

فقلتُ لہ لمّا تمطّی بصُلْبِہِ   وأردفَ أعجازاً وناءَ بکَلْکَلِ

میں نے اس سے کہا جب وہ پیٹھ سے دراز ہوا، سرین پیچھے کیا اور سینہ سے بیٹھا

ابن المعتز نے کتاب "البدیع" میں جاہلی شعراء کے بہت سے استعارات کا ذکر کیا ہے، اوس بن حجر کا شعر ہے:

وانّی امرؤٌ أعددتُ للحرب بعدما   رأیتُ لھا ناباً من الشرِّ أعصلا

میں نے لڑائی کے لئے تیاری کی جب کہ دیکھا کہ اس کے ٹیڑھے دانت ہیں۔

عباسی دور میں جن بعض محسنات کا زیادہ رواج ہوا ان کے نمونے بھی ہمیں جاہلی شاعری میں نظر آتے ہیں، امرؤالقیس کا شعر ہے:

مِکَرٍّ مِفَرٍّ مُقْبِلٍ مُدْبِرٍ معاً   کجُلمودِ صَخْرٍ حطَّہ السیلُ مِن عَلِ

(وہ پلٹتا بھاگتا آگے اور پیچھے ایک ساتھ ہوتا ہے جیسے پتھر کی چٹان جسے سیلاب نے اوپر سے گرا دیا ہو۔)

AsliAhleSunnet.com

كُمَيتٍ يزِلُّ اللِّبدُ عَنْ حَالِ مَتْنِهِ كَمَا زَلَّتِ الصَّفْوَاءُ بِالمُتَنَزِّلِ

(سیاہی مائل سُرخ ہے اس کی پشت سے زین پھسل جاتی ہے جس طرح چکنی چٹان اپنے اوپر بیٹھے ہوئے آدمی کو لے کر گرتی ہے)

پہلے شعر میں طباق ہے اور دوسرے شعر میں جناس مفضل ضبی نے عبداللہ بن سلمۃ غامدی کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے جس کے آخر میں جناس کی صنعت اس کثرت سے مستعمل ہے کہ شبہ ہوتا ہے کہ عباسی دور کے کسی شاعر کا قصیدہ ہے[1]

شعرار کے طبقات

جاہلی دور میں شعرار کے تعداد کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکا ہے، لیکن جن شعرار کے حالات و اشعار ہم تک پہونچ سکے ہیں ان کی تعداد سو سے زائد ہے، علمار ادب نے ان کو بحث کی سہولت کے خیال سے مختلف طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

ابن سلام نے اپنی کتاب "طبقات الشعرار" میں جاہلی و اسلامی شعرار کو دس طبقات میں تقسیم کیا ہے اور اس تقسیم میں اشعار کی کثرت مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی اور فنی مہارت کو ملحوظ رکھا ہے۔

بعض دوسرے علمار نے منتخب قصائد کا لحاظ کرتے ہوئے درج ذیل سات طبقات متعین کئے ہیں:

اصحاب المعلقات، اصحاب المجمہرات، اصحاب المنتقیات، اصحاب المذہبات، اصحاب المراثی، اصحاب المشوبات، اصحاب الملحمات۔

---

[1] مفضلیات ص ۱۰۷۔

AsliAhleSunnet.com

ہر طبقہ میں جو شعراء شامل ہیں ان کے نام، قبیلے اور وطن کی تفصیل کے لئے جرجی زیدان نے یہ فہرست درج کی ہے[1]:

(۱) اصحاب المعلّقات

شاعر کا نام	قبیلہ	وطن
امرء القیس	کندہ	نجد
زہیر بن ابی سلمیٰ	مزینہ	〃
نابغہ	ذبیان	حجاز
اعشیٰ	بکر	یمامہ
لبید بن ربیعہ	عامر	نجد
عمرو بن کلثوم	تغلب	عراق
طرفۃ بن العبد	بکر	بحرین
عنترۃ بن شداد	عبس	نجد

(۲) اصحاب المجمہرات

شاعر کا نام	قبیلہ	وطن
عبید بن الابرص	اسد	نجد
عدی بن زید	عباد	حیرہ
بشر بن ابی خازم	اسد	نجد
امیہ بن ابی الصلت	ثقیف	طائف

---

[1] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، ج ۱ ص ۸۰، ۸۱۔

AsliAhleSunnet.com

شاعر کا نام	قبیلہ	وطن
خداش بن زہیر	عامر	نجد
نمر بن تولب	عکل	″

③ اصحاب المنتقیات

مسیب بن علس	بکر	عراق
مرقش اصغر	ضبیعہ	نجد
متلمس	بکر	بحرین
عروۃ بن الورد	عبس	نجد
مہلہل بن ربیعہ	تغلب	عراق
درید بن الصمۃ	جشم	نجد
المتنخل الہذلی	ہذیل	حجاز

④ اصحاب المذہبات

حسان بن ثابت	انصار	یثرب
عبد اللہ بن رواحہ	″	″
مالک بن العجلان	″	″
قیس بن الخطیم	″	″
احیحۃ بن الجلاح	″	″
ابو قیس بن الاسلت	″	″

AsliAhleSunnet.com

شاعر کا نام	قبیلہ	وطن
عمرو بن امرئ القیس	انصار	یثرب

⑤ اصحاب المراثی

ابو ذؤیب الہذلی	ہذیل	حجاز
محمد بن کعب غنوی	غنی	نجد
اعشیٰ باہلہ	باہلہ	//
علقمہ حمیری	حمیر	یمن
ابو زبید طائی	طی	نجد
متمم بن نویرۃ	یربوع	//
مالک بن الریب	تمیم	عراق

⑥ اصحاب المشوبات

نابغہ جعدی	جعدہ	نجد
کعب بن زہیر	مزینہ	//
القطامی	تغلب	عراق
الحطیئہ	عبس	نجد
الشماخ بن ضرار	ذبیان	حجاز
عمرو بن احمر	باہلہ	نجد
تمیم بن مقبل	عامر	//

AsliAhleSunnet.com

⑦ اصحاب الملحمات

شاعر کا نام	قبیلہ	وطن
الفرزدق	تمیم	عراق
جریر	"	"
الاخطل	تغلب	"
عبید الراعی	ہوازن	حجاز
ذو الرمۃ	عبد مناۃ	یمامہ
الکمیت	اسد	نجد
الطرماح بن حکیم	طی	"

اس تقسیم میں کچھ شعراء اسلامی دور کے بھی شامل ہو گئے ہیں۔ ابو زید القرشی نے اپنی کتاب "جمہرۃ اشعار العرب" میں اسی ترتیب سے ان شعراء کے قصائد ذکر کیے ہیں۔

اغراض کلام کے لحاظ سے جاہلی شعراء کی جو تقسیم کی گئی ہے اسکے طبقات درج ذیل ہیں:

اصحاب معلقات، امراء و ملوک، شہسواران، حکماء، عشاق، صعالیک، مغنی، خواتین، ہجوگو، وصف گویان اسپ، غلامان۔

ان طبقات کے ضمن میں کل ۱۲۱ شعراء داخل ہیں جن کے حالات و کلام کی معتدبہ مقدار ہم تک پہونچی ہے۔

طبقات کی اس تقسیم میں شعراء کے عام حالات اور کلام کے اوصاف کا لحاظ کیا گیا ہے، بعض شعراء پر ایک سے زیادہ حیثیت کا انطباق ہو سکتا ہے۔

AsliAhleSunnet.com

ساتویں فصل

شعراءِ معلّقات

اِمرؤُالقیس

قبیلہ و خاندان

امرؤالقیس کا تعلق قبیلۂ کندہ کے ایک سردار گھرانے سے ہے۔ یہ قبیلہ یمنی تھا اور حضرموت کے مغربی حصہ میں اس کا مسکن تھا، یمن والوں نے جب شمالی حصہ کو ہجرت کی تو اس قبیلہ کے بھی بہت سے افراد شمال میں آبسے، شمال میں ان کا قیام وادی الرّمّہ کے جنوب میں تھا جو مدینہ کے شمال سے عراق تک پھیلی ہوئی ہے، یمن سے ہجرت کر کے آنیوالی جماعت کو پانچویں صدی عیسوی کے وسط سے نجد کے علاقہ میں ایک ممتاز مقام حاصل تھا، اس جماعت کا سردار حُجر تھا جسے آکل المرار (تلخ گھاس کھانے والا نر اونٹ) کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، امارت و سرداری کا سلسلہ حجر کی اولاد میں بھی باقی تھا، اس نے بہت سے شمالی قبائل کو اپنے زیر اثر کر لیا تھا، اور خود حمیر کے یمنی بادشاہوں کا زیر فرمان تھا[1]

نجد میں قبیلۂ کندہ کی امارت، حیرہ میں مناذرۃ کی امارت اور شام میں غسانیوں کی امارت کے بالمقابل تھی، چونکہ کندی امارت مذکورہ دونوں امارتوں کے درمیان واقع تھی اور اسی طرح اپنے گرد و پیش میں پھیلے ہوئے معد کے قبائل کو زیر اثر بنانے کی کوشش کرتی رہتی تھی اس لئے پڑوس کی دونوں امارتوں سے اس کی ٹکر ہوتی رہتی تھی، اور یہ سلسلہ حجر ہی کے وقت سے جاری تھا، حجر نے اپنی امارت کا دائرہ وسیع کر کے مناذرۃ کے حدود تک پہونچا

---

[1] الاغانی ج ۱۵ ص ۲۸، جواد علی ج ۳ ص ۲۲۰۔

AsliAhleSunnet.com

دیا تھا، اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عَمرو امیر بنا اور اس نے اپنی موروثی حکومت کا اس انداز سے تحفظ کیا کہ حیرہ کے بادشاہ نے متاثر ہو کر اس کے ساتھ رشتہ قائم کر لیا، عمرو کے بعد اس کا بیٹا حارث حاکم بنا، اس خاندان کا یہ سب سے اہم حاکم تھا، اندازہ کے مطابق اس کی حکومت کی ابتداء ۴۹۰ء میں ہوئی ہو گی، بیزنطینی مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ حاکم رومیوں کی سرحدوں پر اکثر چھاپے مارا کرتا تھا، اور ان حملوں میں قیادت کے فرائض حارث کے دونوں بیٹے حجر اور معدیکرب انجام دیتے تھے، اس نے ۴۹۷ء اور ۵۰۲ء میں فلسطین پر بھی حملہ کیا تھا۔

چھٹی صدی عیسوی میں نجد کے اوپر حارث کے اقتدار میں اضافہ ہو گیا، اتفاقاً ایران کا بادشاہ قباذ حیرہ کے امیر منذر بن ماء السماء سے ناراض ہو گیا کیونکہ منذر نے مزدکی مذہب کی پیروی سے انکار کر دیا تھا، قباذ نے منذر کو معزول کر کے حارث کو حیرہ کا حاکم مقرر کر دیا جو اس کا داماد تھا، حارث نے امارت کو اپنی اولاد کے مابین اس طرح تقسیم کیا کہ حجر کے حصّہ میں قبیلۂ اسد وغطفان، شرحبیل کے حصّہ میں بکر، معدیکرب کے حصّہ میں تغلب اور سلمہ کے حصّہ میں قیس کا قبیلہ آیا۔[1]

لیکن جلد ہی حالات میں انقلاب آیا اور اہلِ حبش نے یمن پر قبضہ کر لیا، ادھر قباذ کی موت کے بعد اس کا بیٹا کسریٰ انوشرواں ۵۲۸ء میں تخت نشین ہوا، چونکہ یہ مزدکیت کا مخالف تھا اس لئے اس کے متبعین کو ستانا شروع کیا، اور منذر بن ماء السماء کو پھر حیرہ کا اقتدار سونپ دیا، حارث کے ساتھ اس کی متعدد معرکہ آرائیاں ہوئیں اور ایک لڑائی میں حارثؒ کام آ گیا، منذر نے اس کی اولاد کے خلاف قبائل کو برافروختہ کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلمہ اور معدیکرب دونوں ایک لڑائی میں جو "یوم اُدارۃ اول" کے نام سے معروف ہوئی شکست کھا گئے، شرحبیل اپنے بھائی سلمہ کے ساتھ ایک جنگ میں اس

---

[1] تاریخ العرب قبل الاسلام ج ۳ ص ۲۴۳۔

AsliAhleSunnet.com

سے پہلے ہی تباہ ہو چکا تھا۔

امرؤالقیس کے باپ حجر کو قبیلہ بنو اسد کے لوگوں نے قتل کر دیا تھا، صاحب اغانی نے اس کے قتل کے سلسلہ میں چار مختلف روایتیں نقل کی ہیں[1] جن میں زیادہ معتبر وہ روایت ہے جسے ابو الفرج نے ہیثم بن عدی متوفی ۲۰۶ھ سے روایت کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ حجر نے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے جب عویر بن شجنہ کی پناہ حاصل کی تو بنی اسد کے علاقہ سے نکل کر عرصہ تک اپنے قبیلہ کندہ میں مقیم رہا، اور بنی اسد کی سرکوبی کے لئے اپنے قبیلے کے لوگوں پر مشتمل ایک عظیم جماعت تیار کی اور اسے لے کر فخریہ انداز میں پیش قدمی کی، بنو اسد نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ سوچا کہ اگر یہ شخص ہمیں مغلوب بنا لے گا تو پھر بچوں کی طرح ہم پر حکمرانی کرے گا، مغلوب ہو جانے کے بعد زندگی میں کیا بھلائی ہوگی، ہم عربوں میں سب سے زیادہ مضبوط ہیں، لہٰذا ہم عزت کی موت مریں گے، یہ کہہ کر وہ حجر کی طرف بڑھے، دونوں فریق میں شدید لڑائی ہوئی، بنو اسد کے میر لشکر علباء بن حارث نے حجر پر حملہ کر کے اسکو قتل کر دیا، قبیلہ کندہ کو شکست ہو گئی، ان میں امرؤالقیس بھی تھا جو شکست کے بعد اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر فرار ہو گیا، بنو اسد نے اس کے خاندان کے بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا اور بہتوں کو قیدی بنا لیا، عورتوں کو گرفتار کر لیا اور مال و دولت کو لوٹ کر آپس میں تقسیم کر لیا، اس روایت کی تائید عبید بن الابرص کے اشعار میں بھی ہوتی ہے جس نے تمام واقعات کا خود مشاہدہ کیا تھا، ایک شعر میں وہ اس بات کا تذکرہ کرتا ہے کہ جب اس کے قبیلہ نے قبیلہ کندہ اور اس کے سردار حجر کو شکست دی تو اس معرکہ میں حجر قتل کیا گیا اور امرؤالقیس بھاگ نکلا:

فذاكَ الَّذي أنجاكَ مِمّا هُنالِكا   وركضُكَ لولاهُ لقيتَ الذي لقُوا

(اگر تم دوڑ کر نہ بھاگتے تو تمہارا حشر دوسروں جیسا ہوتا، لیکن فرار نے تمہیں وہاں کی ہلاکت سے نجات دے دی)

---

[1] الاغانی ج ۹ ص ۸۲ (مطبوعہ دار الکتب)

AsliAhleSunnet.com

عبید کے دیوان میں متعدد مقامات پر اس بات کا تذکرہ ہے کہ کس طرح حجر اور اس کے قبیلے کندہ کا بنو اسد کے ہاتھوں خاتمہ ہوا، اور اسی وجہ سے ہم دوسری روایتوں کے مقابلہ میں ہیثم بن عدی کی روایت کو زیادہ مستند اور صحیح مانتے ہیں۔

حالاتِ زندگی عربی ادب سے متعلق کتابوں میں امرؤالقیس کے مختلف نام مذکور ہیں، کہیں اس کا نام حُندج بتایا گیا ہے کہیں عدی اور کہیں مُلیکہ۔ اسی طرح کنیت ابو وہب، ابو زید اور ابو الحارث وارد ہوئی ہے، القاب بھی متعدد ہیں یعنی ذوالقروح، مَلِک ضلیل اور امرؤالقیس، آخری لقب زیادہ مشہور ہے، جاہلی دور میں قیس نامی ایک بُت تھا جس کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے، اور اس کی جانب نسبت کیا کرتے تھے، امرؤالقیس کی ماں کا نام فاطمہ بنت ربیعہ تھا جو کلیب اور مہلہل تغلبی کی بہن تھی، چونکہ جاہلی دور میں امرؤالقیس نام کے سولہ شاعر تھے اس لئے بعض راویوں کو مشہور شاعر امرؤالقیس کے نام ونسب میں اشتباہ پیدا ہوا اور انہوں نے اس کو اسی نام کے دوسرے شاعر کے ساتھ خلط ملط کر دیا، لیکن صحیح روایت وہی ہے جسے ہم نے ذکر کیا ہے۔

امرؤالقیس کا سال پیدائش یقینی طور پر معلوم نہیں، گمان یہ ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں اس کی ولادت ہوئی، نشو ونما اور ابتدائی ایام زندگی کے بارے میں بھی کوئی واضح بیان موجود نہیں، جوانی کے زمانے سے متعلق کچھ روایتیں ضرور وارد ہوئی ہیں لیکن ان پر افسانوی رنگ غالب ہے، ہشام الکلبی اور ابن قتیبہ نے جو روایتیں اس سلسلہ میں ذکر کی ہیں ان میں وضع و تکلف صاف ظاہر ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امرؤالقیس کے اشعار میں شراب و شکار اور غزل و تشبیب کی بنیاد پر اس طرح کی روایتیں وضع کی گئی ہیں۔

انھیں روایتوں میں یہ تفصیل بھی مذکور ہے کہ امرؤالقیس کی شراب و کباب اور حسن وعشق والی زندگی میں یکسر انقلاب اس وقت پیدا ہوا جب بنو اسد نے اس کے باپ کو قتل کر دیا، عربوں کے رواج کے مطابق امرؤالقیس کے لئے باپ کا انتقام لینا ضروری ہو گیا، اس نے اپنے باپ اور اپنے قبیلہ کا کھویا ہوا اقتدار حاصل کرنے کے لئے بے پایاں کوشش کی

AsliAhleSunnet.com

اور اس سلسلہ میں ان تمام طاقتور اور بارسوخ قبائل و افراد کے پاس گیا جن سے مدد کی توقع کی جاسکتی ہے، آخر میں تیماء میں قلعۂ ابلق کے مالک مشہور شاعر سموأل بن عادیا کے پاس پہونچا، ابن الکلبی کے بیان کے مطابق امرؤالقیس نے سموأل سے یہ درخواست کی کہ وہ حارث بن جبلہ غسانی کے نام ملک شام میں یہ لکھ دے کہ وہ مجھے قیصر تک پہنچادے، اس نے لکھ دیا اور امرؤالقیس قیصر کے دربار تک پہونچنے میں کامیاب ہوگیا، قیصر اس زمانہ میں جوستنیان تھا، اس نے امرؤالقیس کی بہت عزت کی اور اس کی مہم سر کرنے کیلئے ایک بڑی فوج اس کے ساتھ لگادی، امرؤالقیس جب یہاں سے روانہ ہوا تو قبیلۂ بنی اسد کے طماح نامی ایک شخص نے امرؤالقیس کے خلاف جوستنیان کے کان بھر دیئے اور کہا کہ یہ شخص انتہائی بدکردار ہے آپ کے پاس سے جب روانہ ہوا تو لوگوں سے یہ بیان کیا کہ آپ کی صاحبزادی سے اس کی مراسلت اور رسم و راہ تھی، اس نے اس کا ذکر اپنے اشعار میں بھی کیا ہے جس سے آپ کی رسوائی کا خطرہ ہے، یہ سن کر قیصر نے ایک زہر آلود قیمتی جبہ یہ کہہ کر امرؤالقیس کے پاس بھیجا کہ میں اپنا مخصوص جوڑا تمہارے پاس بھیج رہا ہوں، اسے برکت کے لئے پہن لو اور مجھے منزل بہ منزل اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہو، جوڑا جب امرؤالقیس کو ملا تو اس نے انتہائی خوشی کے ساتھ اس کو پہن لیا، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد زہر اس کے جسم میں سرایت کر گیا اور گوشت پوست کٹ کٹ کر گرنے لگا، اسی وجہ سے اس کو ذوالقروح کہا جاتا ہے، اسی حالت میں وہ روم کے ایک گاؤں انقرہ پہونچا اور موت کا قرب محسوس کر کے یہ اشعار کہے:

رُبَّ خُطبةٍ مُسْحَنْفِرَةْ   وطَعْنةٍ مُثْعَنْجِرَةْ

وجَفْنةٍ مُتحَيِّرَةْ   حَلَّتْ بأرضِ انقرةْ

(بہت سے طویل خطبے، رسنے والا زخم اور مرغن کھانے سے بھرا ہوا پیالہ انقرہ کی سرزمین میں پہونچا۔)

یہاں پر اسے کسی عورت کی قبر نظر آئی جس کا تعلق شاہی خاندان سے تھا، یہ

AsliAhleSunnet.com

عسیب نامی پہاڑ کے نشیب میں مدفون تھی، اس کا واقعہ امرؤ القیس کو معلوم ہوا تو یہ اشعار کہے:

أجارتنا إن المزار قريب — وإني مقيم ما أقام عسيب
أجارتنا إنا غريبان ههنا — وكل غريب للغريب نسيب

(اے میری پڑوسن! زیارت گاہ قریب ہے، اور جب تک مزدور مقیم ہے میں بھی مقیم ہوں۔
اے پڑوسن ہم دونوں یہاں اجنبی ہیں، اور ہر اجنبی دوسرے اجنبی کا رشتہ دار ہوتا ہے)
اس کے بعد مر گیا اور اسی عورت کے پہلو میں اسے دفن کیا گیا۔

یہ اور اس طرح کی دیگر روایات جن کا تعلق باپ کے قتل کے بعد امرؤ القیس کے حالات سے ہے ابن الکلبی سے مروی ہیں جسے متہم مانا جاتا ہے، اور خود ان روایات میں بھی ایسی گڈمڈ ہے جس سے ان کے موضوع ہونے کا یقین ہو جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ امرؤ القیس کی زندگی سے متعلق واقعات میں افسانوی رنگ اتنا غالب ہے کہ اصل حقیقت کا سراغ مشکل ہو گیا ہے اور اسی وجہ سے ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے یہ رائے قائم کی ہے کہ امرؤ القیس کی زندگی اور موت سے متعلق تفصیلات میں ہمیں عبدالرحمٰن بن الاشعث کندی کی زندگی کا نقشہ نظر آتا ہے جس نے حجاج کے خلاف بغاوت کی تھی اور ترکی بادشاہ سے اس کے خلاف مدد چاہی تھی لیکن اسے اپنی کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی، طٰہٰ حسین کی رائے مبنی بر مبالغہ ہو سکتی ہے لیکن اس سلسلہ میں ہم بھی کوئی قطعی دلیل نہیں پیش کر سکتے، البتہ ہمیں اس بات میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں نظر نہیں آتی کہ امرؤ القیس نے اپنے باپ کے قتل کے بعد اس کا انتقام لینے کی کوشش کی لیکن اس کی یہ کوششیں ناکام ہو گئیں اور پھر وہ موت کا شکار ہو گیا، امرؤ القیس کی تاریخ وفات کا بھی قطعی طور پر تعین نہیں کیا جا سکتا لیکن غالب گمان یہ ہے کہ اس کی وفات ۵۳۰ء اور ۵۴۰ء کے درمیان کسی وقت ہوئی ہوگی کیونکہ اس کے باپ اور چچا وغیرہ کے خلاف قبائل کی بغاوت ۵۲۸ء میں ہوئی تھی اور اسی سال اس کے دادا حارث کی موت بھی واقع ہوئی تھی۔

دیوان امرؤ القیس کا دیوان متعدد بار طبع ہو چکا ہے، سب سے پہلے اسے دی سلان (DESLANE) نے ۱۸۳۷ء میں پیرس میں طبع کیا تھا، اس دیوان کو موصوف

AsliAhleSunnet.com

نے شنتمری کی کتاب "دواوین الشعراء الستۃ" کے دو مخطوطوں سے تیار کیا تھا، اس کتاب میں امرؤ القیس، نابغہ، زہیر، طرفہ، عنترہ اور علقمہ بن عبدہ کے دواوین شامل تھے، شنتمری نے ان دیوانوں کی جو شرح تیار کی ہے اس میں اصمعی کی روایت کی پابندی کی ہے اور ہر شاعر سے متعلق اس کی روایت ذکر کرنے کے بعد دوسری روایتوں کا بھی اضافہ کیا ہے۔

دی سلان نے اس دیوان کو "نزھۃ ذوی الکیس وتحفۃ الادباء فی قصائد امری القیس" کے نام سے نشر کیا تھا، اور اس ایڈیشن سے شنتمری کی شرح کو خارج کر دیا تھا۔

۱۸۷۰ء میں مستشرق الوارڈ (AHLWARDT) نے دواوین ستہ کو نشر کیا اور امرؤ القیس کے دیوان میں شنتمری کی روایت کے بجائے سکری سے مروی ایک نسخہ کی روایت پر اعتماد کیا، اور ادب وتاریخ کی کتابوں سے ایسے کئی قصیدے اور قطعات درج کیے جو امرؤ القیس کی جانب منسوب تھے، اس کے بعد یہ دیوان ابی بکر بطلیوسی کی ترتیب پر مصر، ہندوستان اور ایران میں طبع ہوا، حسن سندوبی نے حروف معجم کے لحاظ سے مرتب کیے ہوئے ایک ایڈیشن میں ان تمام قصائد وقطعات کو درج کر لیا جو تاریخ وادب کی کتابوں میں اس کی جانب منسوب تھے، اسی طرح مصطفےٰ السقانے مذکورہ پانچ شعراء کے ساتھ امرؤ القیس کے دیوان کو نشر کیا اور شنتمری کی روایت پر اعتماد کیا، ان کے اس مجموعہ کا نام "مختار الشعر الجاھلی" ہے۔

۱۹۵۸ء میں محمد ابو الفضل ابراہیم نے قاہرہ کے معروف ومستند ادارہ "دار المعارف" سے امرؤ القیس کے دیوان کا جدید علمی ایڈیشن شائع کیا، موصوف نے اس ایڈیشن کو متعدد قلمی نسخوں کی مدد سے تیار کیا ہے، اور اس میں تمام روایتوں کا لحاظ رکھا ہے، ابتداء میں انھوں نے شنتمری کے نسخہ کے حوالہ سے اصمعی کی روایت نقل کی ہے، اس روایت کا سلسلہ سند معتبر ہے، اس میں ۲۸ قصائد وقطعات اور شنتمری کی شرح شامل ہے، اس کے بعد طوسی کی روایت سے ۹ قصائد وقطعات کو شامل کیا ہے، پھر سکری، ابن النحاس مصری اور ابو سہل کے نسخوں سے اضافہ بھی مندرج ہے اور اس طرح دیوان کے قصائد وقطعات کی تعداد سو

AsliAhleSunnet.com

تک پہونچ گئی ہے، ان روایات میں اصمعی سے شنتمری والی روایت اعتبار و اعتماد میں اعلیٰ ہے لیکن چونکہ خود اصمعی کا بیان ہے کہ امرؤ القیس کے زیادہ تر اشعار کا راوی حماد الراویۃ ہے، اور بہت تھوڑے اشعار اعراب اور ابوعمرو بن العلاء سے مروی ہیں، اور حماد کا اشعار میں وہی مقام ہے جو اخبار میں ابن الکلبی کا ہے، یعنی اکثر اشعار کا انتساب غلط ہوتا ہے، اس لئے اصمعی کی روایت سے مروی اشعار کو بھی ہم احتیاط و تحفظ کے بعد ہی قبول کریں گے۔

کیونکہ امرؤ القیس کا زمانہ قدیم اور زبانی روایت سے دور تدوین تک پہونچنے کا وقفہ طویل ہے، نیز اس کے ہم نام دیگر شعراء کے اشعار کے ساتھ اس کے اشعار خلط ملط ہو گئے ہیں، ایسی صورت میں کسی بھی قصیدے یا قطعے کی روایت پر تنقیدی نگاہ اور راویوں کے مراتب پر نظر ضروری ہے۔

شاعری طٰہٰ حسین نے امرؤ القیس کے جملہ اشعار کا انکار کرنے کی کوشش کی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ امرؤ القیس کا تعلق قبیلۂ کندہ سے ہے جو یمنی قبیلہ ہے اور اس کے اشعار کی زبان قریش کی زبان ہے، اس لئے یہ اشعار موضوع ہیں اور انھیں غلط طور پر امرؤ القیس کی جانب منسوب کیا گیا ہے، لیکن ہم پہلے یہ واضح کر چکے ہیں کہ قبیلۂ کندہ اگرچہ یمنی تھا لیکن اس کی زبان عدنانی تھی، اور قریش کی زبان ہی کو ان میں رواج و برتری حاصل تھی، شمال کے جملہ شعراء خواہ ان کا تعلق عدنانی قبائل سے ہو یا یمنی قبائل سے، اس زبان کو استعمال کر سکتے تھے، ہم نے پہلے اس بات کی جانب بھی اشارہ کیا ہے کہ امرؤ القیس سے متعلق اخبار و روایات اور اس کے اشعار میں وضع و انتحال کا ضرور دخل ہے، لیکن اس کا ہرگز یہ مفہوم نہیں لیا جا سکتا اس کے تمام اشعار مشکوک و ناقابلِ اعتبار ہیں، البتہ یہ ہمیں بھی تسلیم ہے کہ امرؤ القیس کی جانب منسوب اشعار میں بہت تھوڑے اشعار ایسے ہیں جن کی امرؤ القیس کی جانب نسبت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

ان اشعار کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں: پہلی قسم وہ ہے جسے امرؤ القیس نے اپنے باپ کے قتل سے پیشتر کہا، اور دوسری قسم وہ جو باپ کے قتل کے بعد کہی گئی، پہلی قسم میں

AsliAhleSunnet.com

اس کا معلقہ اور دیوان کا "الاعم صباحًا ایھا الطلل البالی" والا طویل قصیدہ آئے گا جنہیں اصمعی، مفضل ضبی اور ابو عبیدہ نے روایت کیا ہے۔

معلقہ کے اندر خود ایسے دلائل موجود ہیں جن سے اس کی نسبت کی صحت کا یقین ہو جاتا ہے، اس معلقہ کو امرؤ القیس نے اس شعر سے شروع کیا ہے:

قفا نبك من ذكرى حبيب ومنزل   بسِقطِ اللوى بين الدخول فحومل

اس مطلع کو متقدمین نے امرؤ القیس کی جدت پسندی کا نمونہ قرار دیا ہے، ایک ہی شعر میں اس نے کئی باتیں کہی ہیں، خود ٹھہرا ہوا اور احباب کو ٹھہرایا، خود رویا اور رلایا، محبوبہ اور اس کے فرودگاہ کا ذکر کیا ہے پھر بتایا کہ کس طرح اس کو ماضی کی یاد ستاتی تھی اور احباب اس کی غمخواری کی کوشش کر رہے تھے، آگے چل کر اس نے عورتوں کے ساتھ اپنی عاشقانہ مہم کا حال بیان کیا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دوسری عورتوں کے ساتھ اپنے تعلقات کا تذکرہ کر کے وہ اپنی محبوبہ کے دل میں غیرت کے جذبات کو بھڑکانا چاہتا ہے، پھر "یوم عُنیزہ" کا ذکر بڑے کھلے اور فحش انداز میں کیا ہے، اس کے بعد فاطمہ سے اپنی محبت اس کے ناز و انداز اور اپنے عتاب کا ذکر ان بدیع اشعار میں کیا ہے:

اَفاطِمَ مَهلاً بعضَ هذا التدلّلِ   وان كنتِ قد اَزمعتِ صرمي فاجملي

(اے فاطمہ! ناز و نخرہ چھوڑ دو، اور اگر قطع تعلق چاہتی ہو تو مناسب طور پر قطع تعلق کرو)

وان كنتِ قد ساءَتكِ منّي خليقةٌ   فسلّي ثيابي من ثيابكِ تنسلِ

(اگر تمہیں میری کوئی عادت بری لگے تو باہمی معاملہ علیحدہ کر لو۔)

اَغرّكِ منّي انّ حبّكِ قاتلي   وانّكِ مهما تأمُري القلبَ يفعلِ

(تمہیں شاید اس بات نے دھوکہ میں ڈالا ہے کہ تمہاری محبت میری قاتل ہے اور یہ کہ دل تمہارا فرمانبردار ہے)

وما ذرفتْ عيناكِ الّا لتقدحي   بسهميكِ في اَعشارِ قلبٍ مُقتّلِ

(تمہاری آنکھ سے آنسو اس لئے بہتا ہے کہ تم شکستہ دل پر تیروں کی ضرب لگاؤ۔)

پھر اپنی محبوبہ فاطمہ کو غیرت دلانے کیلئے اس نے کسی نامعلوم عورت کے ساتھ اپنی

AsliAhleSunnet.com

عاشقانہ مہم کا تذکرہ کیا ہے، اس سلسلہ میں اس نے بتایا کہ ہر طرح کے خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے پہرہ داروں کی نگاہ سے بچ کر وہ محبوبہ کے گھر پہنچا اور پھر اس کو لے کر دونوں آبادی کے کنارے گئے اور عشق و محبت کی باتیں کرتے رہے، انہی اشعار میں شاعر نے محبوبہ کے ساتھ اپنے عاشقانہ مکالمے، اپنی جرأت رندانہ اور محبوبہ کے بے مثال حسن اور ناز و ادا کا بھی ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح وہ اپنے حسن کی وجہ سے مردوں کو اپنی محبت کے دام میں گرفتار کر لیتی ہے اور ان کے دلوں کو اپنے قبضہ میں کر لیتی ہے۔

امرؤ القیس کے یہاں عاشقانہ مہم کا مکالمہ و کہانی کے انداز میں جو تذکرہ نظر آتا ہے اسے دیکھ کر اموی دور کے مشہور غزل گو شاعر عمر بن ابی ربیعہ کا نام ذہن میں آجاتا ہے جس نے عورتوں کے ساتھ اپنے مکالمات اور ان کی باتوں کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ راتوں کے وقت ان کے پاس جانے اور محافظین کی جانب سے پیش آنے والے اندیشوں کا ذکر اپنے مشہور رائیہ قصیدہ میں کیا ہے، اس کا مطلع ہے:

أَمِنْ آلِ نُعْمٍ أَنْتَ غَادٍ فَمُبْكِرُ   غَدَاةَ غَدٍ أَمْ رَائِحٌ فَمُهَجِّرُ

دونوں شاعروں کے یہاں اسی مشابہت کی وجہ سے طہٰ حسین نے امرؤ القیس کی جانب مکالماتی غزل کے انتساب کو غلط قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ راویانِ اشعار نے عمر بن ابی ربیعہ کی شاعری کو دیکھ کر اسی قسم کے اشعار کو غلط طور پر امرؤ القیس کی جانب منسوب کر دیا ہے[1]۔ لیکن ہم یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ عمر بن ابی ربیعہ نے امرؤ القیس کی شاعری میں مکالماتی غزل کو دیکھ کر اس کا تتبع کیا ہو، کیونکہ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بعد کا شاعر اپنے پیشرو کا تتبع کرتا ہے، امرؤ القیس کی جانب منسوب غزلیہ مکالمات کا انکار کرنے کے بجائے دونوں شاعروں کی عاشقانہ مہم کے تذکرون کے مابین اگر ہم موازنہ کریں اور ان کے باہمی فرق کو سمجھنے کی کوشش کریں تو یہ زیادہ مناسب ہوگا اور اس سے حقیقت پر روشنی پڑے گی، دونوں شاعر محبوبہ سے

---

[1] فی الادب الجاہلی ص ۲۲۱۔

AsliAhleSunnet.com

ملاقات کی دشواریوں اور ملاقات کے بعد پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ ضرور کرتے ہیں، لیکن عمر کے یہاں اس تذکرہ میں عورتوں کے ساتھ سرگوشی اور شاعر پر ان کی فریفتگی میں تفنن نظر آتا ہے، اور امرؤ القیس کے یہاں اس تذکرہ پر حسّی انداز غالب ہے جو کبھی کبھی فحش شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ عشقیہ داستان پر مشتمل شاعری ایک قدیم طرز ہے جسے امرؤ القیس نے شروع کیا، اعشیٰ نے اسے نشو و نما دی اور اموی دور میں عمر بن ابی ربیعہ اور دوسرے شعراء نے اس پر مخصوص توجہ دی اور انھیں اس باب میں شہرت حاصل ہوئی۔

معلقہ میں آگے چل کر امرؤ القیس نے محبوبہ کے ساتھ اپنی محبت اور اس سلسلہ میں ناصحین و ملامت گروں کی باتوں سے اعراض کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ مہیب رات میں کس طرح وہاں تک پہونچتا ہے، اس کے بعد اپنے گھوڑے اور شکار و سفر کا ذکر کیا ہے، شاید وہ محبوبہ کے سامنے اپنی شجاعت و بہادری اور شہسواری و شکار میں مہارت وغیرہ کا حال بیان کرنا چاہتا ہے، پھر شمالی حجاز میں تیمار سے قریب شاعر کی قوم بنی اسد کے ٹھکانوں کو بارش و سیلاب سے جو کچھ تغیر و نقصان ہوا ہے اس کا ذکر ہے۔

امرؤ القیس کے معلقہ اور دوسرے قصائد کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے باپ کے قتل سے پہلے اس کی شاعری کے بنیادی موضوعات یہ تھے: تشبیب، عریاں مکالماتی غزل، اور مناظر فطرت کی تصویر کشی جس میں گھوڑوں، وحشی جانوروں، بارش اور سیلاب کا تذکرہ داخل ہے، معلقہ میں تقریباً یہ تمام موضوعات موجود ہیں۔

امرؤ القیس کی زندگی کا ابتدائی یا پہلا دور سکون و آرام کا دور تھا، اور اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس مرحلہ میں عشق و محبت اور سیر و شکار میں مصروف نظر آتا ہے لیکن باپ کے قتل کے بعد اس کی زندگی میں اچانک تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ سنجیدہ ہو کر باپ کے انتقام اور بنی اسد پر اپنے قبیلے کندہ کی برتری و تسلط کی فکر میں لگ جاتا ہے، ذیل کے اشعار میں شاید اس نے اسی تبدیلی کی جانب اشارہ کیا ہے:

AsliAhleSunnet.com

کانّی لم ارکبْ جواداً للذةٍ　　ولم اتبطّنْ کاعباتٍ ذاتِ خلخالِ

(گویا میں نہیں سوار ہوا گھوڑے پر لذت کے لئے اور پازیب والی عورت کی مصاحبت نہیں کی۔)

ولم اَسْبأ الزِقّ الرویّ ولم اَقُلْ　　لخیلی کُرّی کرّۃً بعدَ اِجفالِ

(اور نہیں خرید اشراب کا بھرا ہوا مشکا اور شکست کے بعد اپنے گھوڑے سے دوبارہ حملہ کو نہیں کہا۔)

امرؤالقیس کی زندگی کا دوسرا دور گہرے رنج والم کا دور نظر آتا ہے، اس کے باپ اور چچا وغیر کو اس کے دادا کی طرح قبیلہ بنی اسد کے لوگوں نے قتل کر دیا تھا، امرؤالقیس ان کے انتقام کے لئے مختلف بادشاہوں اور اصحاب اقتدار کے پاس گیا لیکن کہیں بھی اس کو مدد نہیں مل سکی، دوسری طرف منذر بن ماءالسماء اس کی تاک میں تھا، ان حالات میں فطری طور پر امرؤالقیس نے زمانہ کا شکوہ کیا اور اپنے اوپر ٹوٹنے والے مصائب کا رونا رویا، دیوان کے قصیدہ نمبر "گیارہ" میں اس کا واضح تذکرہ ملتا ہے، چند اشعار یہ ہیں:

ارانا مُوضعین لامرٍ غیبٍ　　ونُسحرُ بالطعامِ وبالشرابِ

(میں دیکھتا ہوں کہ ہم لوگ غیبی شئی یعنی موت کی طرف تیزی سے جا رہے ہیں پھر بھی کھانے پینے میں مشغول ہیں۔)

عصافیرٌ وذِبّانٌ ودُودٌ　　واَجرأُ من مجلّحۃ الذئابِ

(لوگ گنجشک مکھی اور کیڑوں کی مانند ہیں لیکن خواہشات کے سلسلہ میں مضر بھیڑیے سے زیادہ جری ہیں۔)

وکلُّ مکارمِ الاخلاقِ صارت　　الیہ ھِمّتی وبہ اکتسابی

(جملہ مکارمِ اخلاق کے حصول کے لئے میری ہمت پورے طور پر متوجہ ہے۔)

فبعضَ اللومِ عاذلتی فانّی　　ستکفینی التجاربُ وانتسابی

الی عِرقِ الثّریٰ وشجت عُروقی　　وھذا الموتُ یسلبنی شبابی

(اے ملامت گر! ملامت نہ کر، مجھے تجربے اور آبار واجداد کی جانب نسبت کافی ہے، اور موت میرے شباب کو سلب کر رہی ہے۔)

AsliAhleSunnet.com

ونفسی سوف یسلبہا وجرمی　　　فیلحقنی وشیکا بالتراب

(موت میرے نفس وجسم کو سلب کر کے جلد ہی مجھے مٹی میں ملا دے گی۔)

ابعد الحارث الملک بن عمرو　　　وبعد الخیر حجر ذی القباب

ارجی من صروف الدھر لینا　　　ولم تغفل عن الصم الھضاب

(کیا بادشاہ حارث بن عمرو اور خیموں والے حجر کے بعد زمانہ کے حوادث سے مجھے نرمی کی امید ہو سکتی ہے جو سخت اور ٹھوس پہاڑوں سے بھی غافل نہیں ہیں؟)

واعلم اننی عما قلیل　　　سانشب فی شبا ظفر وناب

(مجھے معلوم ہے کہ عنقریب میں موت کے ناخن و دانت کا شکار ہو جاؤں گا۔)

کما لاقی ابی حجر وجدی　　　ولا انسی قتیلا بالکلاب

(جس طرح میرے باپ اور دادا شکار ہوئے، اور جنگ کلاب کے مقتول شرجیل کو میں بھول نہیں سکتا۔)

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ امرؤ القیس کو اب ماضی کی رنگین و بے اندیشہ زندگی بھول چکی تھی اور اس کی نگاہوں کے سامنے موت اور فنا کا نقشہ واضح ہو چکا تھا، اسی وجہ سے دنیا اور دنیا والوں کی حرص و طمع اس کے سامنے ہیچ تھی اور وہ لوگوں کو کنجشک، مکھی اور کیڑے مکوڑوں کی طرح ذلیل سمجھتا تھا، ملامت گروں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اب مجھے ملامت نہ کرو کیونکہ مصائب زمانہ نے مجھے جو درس دیا ہے وہ کافی ہے، آباء و اجداد کی طرح اسے بھی اب صرف اپنی موت کا انتظار تھا، اس دور کا امرؤ القیس پہلے دور کے امرؤ القیس سے یکسر مختلف نظر آتا ہے، جنگل میدانوں میں گھوڑوں پر دندناتے ہوئے آباء و اجداد کی بہادری اور فتح و ظفر کا نغمہ سنانیوالا شاعر آج کھوئی ہوئی عظمت و عزت اور اپنی بے لبسی و بے کسی پر آنسو بہا رہا ہے۔

سطور بالا سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امرؤ القیس ہی نے جاہلی شعراء کے لئے آثار و مقامات پر گریہ و بکار، مکالماتی غزل، رات، گھوڑے، بارش و سیلاب کی نقشہ کشی اور

AsliAhleSunnet.com

زمانہ کی شکوہ سنجی کی بنا ڈالی، اسے ان موضوعات میں پیشرو نہ کہا جائے لیکن ان کو مکمل شکل دینے والا ضرور مانا جائیگا۔ اور اسی وجہ سے متقدمین نے دوسرے شعراء کے مقابلہ میں اسے اعلیٰ مقام دیا ہے، ابن سلام کہتے ہیں کہ امرؤالقیس نے متعدد طرز و اسالیب کو ایجاد کیا اور عرب شعراء نے انھیں مستحسن قرار دے کر ان کا تتبع کیا مثلاً احباب کو ٹھہرا کر مقامات احبہ پر رونا رلانا، تشبیب میں رقت، عورتوں کو ہرن و نیل گائے سے تشبیہ دینا اور تشبیب کو مدعا سے علیحدہ کرنا[1]

امرؤالقیس کے معلقہ اور دیوان کے دوسرے قصائد کا مطالعہ کرنے سے عبارت میں تسلسل اور الفاظ کی ترتیب میں تناسب کا پتہ چلتا ہے جو زبان پر شاعر کی قدرت کی دلیل ہے، اسی طرح ابن سلام کے بیان کے مطابق امرؤالقیس نے جاہلی شعراء میں تشبیہ کا سب سے عمدہ استعمال کیا ہے، اس کی تشبیہات میں محسوس واقعاتی رنگ نظر آتا ہے۔ علماء بلاغت نے اس کی تشبیہات کی خوبی و حسن کو اجاگر کرنے اور اس کے اقسام متعین کرنے میں بڑی تفصیل سے کام لیا ہے، اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ امرؤالقیس ہی نے عرب شعراء کو تشبیہ کے استعمال کا انداز عطا کیا اور اس کے بکثرت استعمال کے باوجود اس کا حسن برقرار رکھا۔

خلاصۂ کلام کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے کہ امرؤالقیس صرف جاہلی نہیں بلکہ پوری عربی شاعری کا بابائے آدم ہے، اسی کے ہاتھوں عربی شعر و شاعری کا حسین ڈھانچہ تکمیل پذیر ہوا، اس نے ایک طرف بہت سے اصناف کو وجود بخشا اور دوسری طرف وصف و تشبیہ میں کمال بہم پہونچایا، الفاظ، معانی، تخیلات اور دوسری چیزوں پر پوری توجہ دی اور لفظی و معنوی محسنات کے استعمال کے لئے راستہ ہموار کیا۔

---

[1] ابن سلام ص ۴۶، الشعر والشعراء ج ۱ ص ۵۷۔

AsliAhleSunnet.com

نابغہ ذبیانی

قبیلہ نابغہ کا تعلق قبیلۂ ذبیان سے ہے جو بَغیض بن ریث بن غطفان بن سعد بن قیس عَیلان کی جانب منسوب ہے اور بغیض ہی کی جانب قبیلۂ عبس کا بھی انتساب ہے، قبیلۂ ذبیان کی اہم شاخیں یہ ہیں: بنو فزارہ، بنو مرہ اور بنو سعد، بنو فزارہ سے بنو مازن اور بنو بدر ہیں جو جاہلی دور میں فزارۃ کے سردار تھے، اور انہی سے حذیفہ بن بدر اور اس کا بھائی حمل بن بدر بھی ہے، بنو مرۃ سے بنو غیظ، بنو سہم، بنو صِرمۃ، بنو خُصَیلۃ، بنو نُشبۃ، بنو یربوع (نابغہ کی شاخ) اور سرداران بنو مرۃ یعنی ہرم بن سنان اور حارث بن عوف ہیں جن دونوں کی زہیر بن ابی سلمیٰ نے مدح کی ہے۔

قبیلۂ ذبیان اور اس کی شاخوں کو جاہلی تاریخ میں جنگ داحس وغبراء کی وجہ سے بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی جس کا سلسلہ راویوں کے بیان کے مطابق ۵۶۸ء سے ۶۰۸ء تک یعنی تقریباً چالیس سال جاری رہا، داحس وغبراء کے سلسلہ سے شروع ہونے والی لڑائیوں میں فتح وشکست سے دونوں فریق دوچار ہوتے تھے اور کبھی کبھی غسانیوں کے ہاتھوں بہت سے ذبیانی گرفتار ہو جاتے تھے، ایسے موقع پر نابغہ کو اپنے لوگوں کی رہائی کے لئے غسانیوں سے رحم کی درخواست کرنی پڑتی تھی۔

اسی طرح قبیلۂ ذبیان کی شاخیں مذکورہ لڑائیوں کے علاوہ آپس میں بھی ایک دوسرے سے ٹکرایا کرتی تھیں، ان جنگوں کا تذکرہ بشامۃ بن غدیر، حصین بن حمام مری، زبان بن سیّار اور نابغہ کے اشعار میں موجود ہے۔

ذبیان کا قبیلہ غطفان کے دوسرے قبائل کی طرح جاہلی دور میں عزیٰ کی پرستش کرتا تھا اور اس کے لئے مندر تعمیر کر کے اس کا حج کیا کرتا تھا، اور نذر و نیاز چڑھاتا تھا اس مندر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت خالد بن ولید نے منہدم کر دیا

AsliAhleSunnet.com

تھا، پھر بعد میں یہ قبیلہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

حالاتِ زندگی

نابغہ کا نام اور نسب یوں ہے: زیاد بن معاویہ بن ضباب بن جناب بن یربوع، اس کی ماں عاتکہ بنت انیس بھی قبیلۂ ذبیان ہی کی ایک شاخ بنو اشجع سے تعلق رکھتی ہے، نابغہ کی کنیت ابو امامۃ اور ابو ثمامۃ ہے، یہ دونوں اس کی لڑکیاں تھیں، اس نے اپنے لقب نابغہ کے ساتھ شہرت پائی، اس لقب سے ملقب ہونے کی مختلف وجوہ بتائی گئی ہیں، لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ شاعری میں کمال و برتری کی وجہ سے اسے نابغہ کے لقب سے یاد کئے جانے لگا، چونکہ مخضرم و اسلامی شعراء میں اور بھی دوسرے شعراء کو اس نام سے یاد کیا گیا ہے جیسے نابغہ جعدی، نابغہ شیبانی اور نابغہ تغلبی اس لئے نابغہ ذبیانی کی نسبت سے زیرِ بحث شاعر کو ممتاز کیا جاتا ہے۔

نابغہ کے بچپن و جوانی کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، راویوں کا صرف یہ بیان ملتا ہے کہ وہ قبیلۂ ذبیان کے اشراف میں شمار کیا جاتا تھا، اس کی زندگی میں اس دور کے حالات ملتے ہیں جب اس کا تعلق حیرہ کے حاکم نعمان بن منذر سے استوار ہوا اور اس نے نعمان کی تعریف شروع کی، نابغہ سے نعمان بے حد خوش تھا اور اسے اپنا مقرب و ندیم بنا کر رکھتا تھا، دربار میں اوس بن حجر تمیمی، مثقب عبدی اور لبید عامری وغیرہ شعراء موجود تھے لیکن جو اعزاز نابغہ کو حاصل تھا دوسرے شعراء کو نہ مل سکا، اس کا ذکر کرتے ہوئے نابغہ کہتا ہے:

الواھب المائۃَ المِعکاءِ زَیَّنَھا سَعُدانُ توضح فی اَوْبارھا اللِّبدِ

(سو مضبوط اونٹوں کا دینے والا جنہیں مزین کیا مقام توضح کی چراگاہ نے، جنکے بال چپکے ہوئے ہیں)

والاُدُم قد خُیِّسَت فُتْلًا مرافِقُھا مسدودۃً برحال الحیرۃِ الجُدُدِ

(اور سفید اونٹنیوں کو جن کے مضبوط بازو مسخر کئے گئے جبکہ وہ حیرہ کے جدید کجاووں سے بندھے ہوں)

والراکضات ذیول الرَّیْطِ فَنَّقَھا بَرْدُ الھواجر کالغِزْلان بالجَرَدِ

(اور دامن گھسیٹنے والی لونڈیوں کو جو دوپہر کی ٹھنڈک میں بے گیاہ میدان کی ہرنیوں کی طرح ہیں)

AsliAhleSunnet.com

والخيل تمزع غربا في اعنتها ... كالطير تنجو من الشؤبوب ذي البرد
(اور تیز رفتار گھوڑوں کو جس کی لگام پسینہ سے تر رہتی ہے اس پرندہ کی طرح جو جاڑے کی بارش سے نجات پا جائے.)

لیکن ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کے بعد نابغہ مناذرہ کے دربار سے کٹ کر غسانیوں سے جا ملا۔ واقعہ کی تفصیل یوں بتائی جاتی ہے کہ مناذرہ نے اُقر خصیب کی وادی کو محفوظ قرار دے کر قبائل کو وہاں جانے سے روک دیا تھا، مگر قبیلۂ ذبیان و اسد کے لوگ اس کے باوجود وہاں گئے جس کے نتیجہ میں مناذرہ نے ان دونوں قبیلوں پر بہت زیادتی کی اور عورتوں کو قید کر لیا۔ نابغہ نے اپنے اشعار میں اس کا پر درد تذکرہ کیا ہے۔ اس ظلم و زیادتی کے بعد نابغہ نے غسانیوں کی مدح کی اور اپنی قوم کی مدافعت اور قیدیوں کی آزادی کی خواہش کا اظہار کیا۔ عمرو بن الحارث الاصغر اور اس کے بھائی نعمان دونوں کی نابغہ نے خصوصیت کے ساتھ مدح کی تھی اور ان دونوں نے نابغہ کے قبیلہ کے قیدیوں کو آزاد بھی کر دیا جس سے خوش ہو کر نابغہ نے اپنی مدح کا سلسلہ مزید بڑھا دیا۔

غسانیوں کے دربار سے جب تک نابغہ کا تعلق رہا اس کے قبیلے والوں کو اس کا فائدہ پہونچتا رہا، پھر جب عمرو اور اسکے بھائی نعمان دونوں کی وفات ہو گئی تو نابغہ پھر نعمان بن منذر کے دربار میں واپسی کے بارے میں سوچنے لگا۔ نعمان اس سے بیحد ناراض تھا کیونکہ غسانیوں کے ساتھ نابغہ کے تعلق کا مفہوم یہ تھا کہ اس کا پورا قبیلہ غسانیوں ہی کا ہمنوا ہے، نعمان کی نظر میں نابغہ کا یہ جرم انتہائی شدید تھا، لیکن نابغہ کی پیہم معذرتوں کی وجہ سے نعمان نے اسے معاف کر دیا اور وہ دوبارہ اس کے دربار سے منسلک نظر آنے لگا۔

نابغہ سے متعلق روایات اور اس کے صحیح النسبۃ اشعار کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قوم کے شرفاء اور سرداروں میں اس کا شمار تھا، امرؤ القیس یا طرفہ کی طرح اس کے اشعار میں عشق و جوانی کی تیزی یا ابتذال و فحاشی کا اثر نہیں نظر آتا۔ نابغہ خود تو اپنے آبائی مذہب ہی کا پیرو تھا لیکن حیرہ میں اور غسانیوں کے یہاں قیام کی وجہ سے اس کے

AsliAhleSunnet.com

اشعار میں عیسائی مذہب کے بعض معتقدات کی جانب اشارہ ملتا ہے۔

نابغہ کی شاعری میں حکمت و دانائی کی باتیں بھی موجود ہیں، شراب اور تیروں سے فال لینے کی جاہلی عادتوں سے چونکہ نابغہ بیزار تھا اس لئے اس کی سنجیدگی اور وقار کا سب کو احساس تھا، اپنے دور میں غسانیوں اور حیرہ کے امرار کے یہاں اسے جو قدر و منزلت حاصل تھی وہی مقام جزیرہ عرب میں اور اس دور کے شعرار کے یہاں بھی نابغہ کو حاصل تھا، مختلف اجتماعات اور بازاروں کے موقع پر جو ادبی مجالس منعقد ہوتی تھیں ان میں شعرار نابغہ کے سامنے اپنا کلام پیش کرتے تھے، سوق عکاظ میں اعشیٰ، حسان اور خنسار کے اشعار کے بارے میں فیصلہ سے متعلق اغانی کی روایت مشہور ہے[1]

۶۰۲ء میں نعمان بن منذر کی موت کے بعد نابغہ اپنے قبیلہ میں واپس آگیا اور یہیں اپنی زندگی کے بقیہ ایام پورے کئے، ایسا لگتا ہے کہ نابغہ بھی اس کے بعد زیادہ دنوں زندہ نہیں رہا، کیونکہ اس کے اشعار میں ۶۰۸ء میں ختم ہونے والی داحس و غبرار کی لڑائی کے خاتمہ کی جانب کوئی اشارہ نہیں ملتا، اگر جنگ کا خاتمہ اس کی حیات میں ہوا ہوتا تو یقیناً وہ قبیلہ کے سردار ہرم بن سنان اور حارث بن عوف کے موقف کی تعریف کرتا اور دیت ادا کرکے خونریزی کے روکنے والے کارنامے کا ذکر کرتا، اسی بنا پر لوییس شیخو کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ نابغہ کی وفات ۶۰۴ء میں ہوئی[2]

دیوان

نابغہ کے دیوان کا قدیم ترین ایڈیشن ویرنبرگ کا ہے جو ایشیاٹک میگزین میں ۱۸۶۸،۶۹ء میں شائع ہوا تھا، اس کی ترتیب شنتمری کی شرح سے کی گئی ہے جس میں امرؤ القیس، نابغہ، زہیر، طرفہ، عنترہ اور علقمہ بن عبدۃ کے دیوان کی شرح ہے، ویرنبرگ کے سامنے اسی شرح کے دو مخطوطے پیرس کے اور ایک مخطوطہ ویانا کا تھا جسمیں بطلیوسی کی شرح بھی ہے، ۱۸۹۹ء میں اسی میگزین میں دیوان کا ایک ضمیمہ بھی شائع ہوا ہے

---

[1] ج ۹ ص ۳۴۰ ، ج ۱۱ ص ۶ ۔ [2] شعرار النصرانیۃ ص ۶۴۰ ۔

AsliAhleSunnet.com

جو مجموعہ شیفر کے ایک مخطوطہ سے منقول ہے۔

۱۸۷۰ء میں آلورد نے شنتمری کی شرح والے دواوین ستہ میں نابغہ کا دیوان بھی نشر کیا اور دیگر ادبی ماٰخذ کی مدد سے اس میں بعض اشعار کا اضافہ بھی کیا۔ مذکورہ دواوین اور بطلیوسی کی شرح کے ساتھ قاہرہ میں بھی یہ دیوان شائع ہوا۔ ۱۹۱۱ء میں قاہرہ ہی سے مصطفیٰ ادہم کی نگرانی میں نابغہ کا دیوان اس عنوان سے شائع ہوا: "التوضیح والبیان عن شعر نابغة بنی ذبیان" بیروت سے پانچ شعراء کے دواوین کا ایک مجموعہ شائع ہوا تھا اس میں بھی نابغہ کا دیوان تھا۔ نابغہ کے علاوہ چار دوسرے شعراء تھے: عروہ بن الورد، فرزدق، حاتم طائی اور علقمۃ الفحل۔ شعراء النصرانیہ میں لویس شیخو نے بھی اس دیوان کو شائع کیا اور آلورد کے ایڈیشن پر اعتماد کیا۔ "مختار الشعر الجاہلی" کے نام سے مصطفیٰ سقا نے جو مجموعہ شائع کیا اس میں بھی نابغہ کا دیوان شامل ہے۔ استنبول کے کتب خانہ احمد الثالث میں ابن السکیت کی شرح کے ساتھ دیوان کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے، اسی طرح کتب خانہ فیض اللہ میں بھی ایک قلمی نسخہ موجود ہے جس پر خطیب تبریزی کی شرح ہے۔

نابغہ کے اشعار کے مطالعہ کے لئے ہم نے شنتمری کی شرح کو بنیاد بنایا ہے، کیونکہ یہ اصمعی کی روایت پر مبنی ہے جنہیں جاہلی اشعار کا سب سے مستند و معتبر راوی تسلیم کیا جاتا ہے، یہ روایت قصیدہ نمبر ۲۲ پر ختم ہوجاتی ہے، اس کے بعد طوسی کی روایت سے سات قصیدے شامل کئے گئے ہیں جن کا اضافہ کوفہ اسکول کے راویوں نے کیا ہے، شاید اصمعی کو ان قصائد کی نسبت میں شک تھا اس لئے انھیں چھوڑ دیا تھا، لیکن اصمعی کی روایت میں بھی بعض قصائد کی صحت پر ہمیں کلام ہے، کیونکہ اس میں نعمان کی بیوی متجردہ کے بارے میں نابغہ کی جانب منسوب قصیدہ بھی شامل ہے جس کا عنوان ہے: "اَمِنْ آلِ مَيّةَ رائحٌ او مغتد" اصمعی نے اس قصیدہ کو بلا سند روایت کیا ہے جس سے روایت کے ضعف کا پتہ چلتا ہے، قصیدہ میں کھلی اور فحش غزل کا جو نمونہ موجود ہے وہ نابغہ کی باوقار شخصیت اور اس کے غزلیہ اسلوب سے میل نہیں کھاتا اس لئے ہمیں اس قصیدہ اور اس کے پس منظر کو تسلیم کرنے

AsliAhleSunnet.com

میں تامل ہے۔ غزل کا یہ رنگ اگر نابغہ کے دوسرے صحیح النسبۃ قصائد میں موجود ہوتا تو ہم اس قصیدہ کو بھی اسی کا کلام تسلیم کر لیتے۔ اس قصیدہ کا پس منظر ایک موضوع روایت بتائی جاتی ہے جس کے ذریعہ نابغہ سے نعمان بن منذر کے ناراض ہونے کی توجیہ مقصود ہے۔ خبر میں یہ مذکور ہے کہ نابغہ نے نعمان کی بیوی متجردہ کے بارے میں جو قصیدہ کہا اس میں بیحد صراحت سے کام لیا۔ اس میں بعض لوگوں کے کان بھرنے کی وجہ سے نعمان ناراض ہو گیا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا نابغہ کو متجردہ کے علاوہ اور کوئی عورت نہیں ملی تھی جس کے نام سے وہ تشبیب کرتا؟ اگر اس روایت کو وضع کرنے والے راویوں نے جاہلی دور اور مناذرۃ وغساسنہ کی باہمی منافست پر غور کیا ہوتا اور نابغہ کے اشعار پر بھی ان کی نظر ہوتی تو وہ قصیدہ اور اس سے متعلق واقعہ کی روایت نہ کرتے۔ نابغہ، نعمان کا دربار اپنے قبیلے کے قیدیوں کی رہائی کے لئے چھوڑنے پر مجبور ہوا تھا۔ یہ مسئلہ پوری طرح سیاسی نوعیت کا تھا لیکن راویوں نے اسے ذاتی رنگ دینا چاہا ہے۔ صحیح النسبۃ قصائد میں بھی بہت سے اشعار کی صحت کے بارے میں ہمیں شبہ ہے، معلقہ کے اندر بھی چند اشعار ایسے ہیں جنہیں پڑھنے کے بعد ان کی نسبت پر شبہ ہوتا ہے، اصمعی کی روایت والے پانچ قصائد کو چھوڑ کر بقیہ سترہ قصائد کی نسبت پر ہمیں اعتماد ہے۔

شاعری

ابن سلام نے جاہلی دور کے چار شعراء یعنی نابغہ، امرؤالقیس، زہیر اور اعشیٰ کو بقیہ شعراء پر ترجیح دی ہے[1]۔ ابن سلام کے اس فیصلہ کو ناقدین اور رواۃ نے بھی تسلیم کیا ہے۔

ان چاروں شعراء کے دواوین کا جائزہ لینے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نابغہ کا ذوق اوس بن حجر اور زہیر کے اسکول سے قریب ہے جو شعر کی تجدید و تنقیح کے لئے مشہور تھا، نابغہ بھی نوک قلم پر آنے والے ہر شعر سے مطمئن ہونے کے بجائے اسے پرکھتا اور اسکی تہذیب

---

[1] طبقات فحول الشعراء ص ۴۳۔

AsliAhleSunnet.com

وتزئین کرتا تھا تاکہ اس میں مکمل حسن و جزالت پیدا ہو جائے۔ نابغہ کو غسانیوں اور اہل حیرہ کے دو متمدن ماحول میں بھی رہنے کا موقع ملا جس کی وجہ سے اس کے ذوق میں رقت اور الفاظ و بیان میں سلاست و سہولت پیدا ہوگئی اور ساتھ ہی صحرائی زبان کی خصوصیت بھی باقی رہی۔

متقدمین نے نابغہ کے مدحیہ و اعتذاریہ قصائد کا تفصیلی ذکر کیا ہے، ان دونوں اصناف کے علاوہ اس کے یہاں مرثیہ، منظر نگاری، فخر و ہجو وغیرہ کے بھی نمونے ملتے ہیں، مجموعی طور پر اس کی شاعری میں حکیمانہ کلام اور تجربہ کی صداقت کا جوہر نمایاں نظر آتا ہے اور ساتھ ہی شاعر کی وفاداری اور محبت کا خلوص بھی جھلکتا ہے۔

غسانیوں کی جو مدح نابغہ نے کی ہے اس میں شاعرانہ کمال و تفوق نمایاں ہے، الفاظ کے انتخاب، معانی میں جدت اور جزئیات کے استقصار میں نابغہ نے فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے، نابغہ کے مدحیہ قصائد میں سب سے بہتر اس کا وہ بائیہ قصیدہ ہے جس کی ابتدا میں رات کے طول اور اپنے رنج و غم کا ذکر کرتا ہے:

كِلِيني لِهَمٍّ يا اُمَيْمَةُ ناصِبِ　　　　ولَيلٍ اُقاسِيهِ بطيءِ الكواكبِ

(امیمہ! تو مجھے تھکا دینے والے غم کے لئے چھوڑ دے اور سست رفتار ستاروں والی اس رات کے لئے جس کا رنج میں برداشت کرتا ہوں۔)

تطاوَلَ حتى قلتُ ليس بمنقضٍ　　　　وليس الذي يَرْعَى النجومَ بآيبِ

(اس رات کے طول سے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ ختم نہ ہوگی اور ستاروں کو ختم کرنے والی صبح لوٹ کر نہیں آئے گی۔)

وصَدْرٍ اراحَ الليلُ عازبَ همِّهِ　　　　تضاعفَ فيه الحزنُ من كلِّ جانبِ

(اور ایسے سینہ کے لئے جس کے ارادہ کو رات نے لوٹا دیا، اور جس میں ہر طرف سے غم کی یلغار ہے۔)

ان اشعار میں نابغہ اپنی قوم کے ان قیدیوں کے بارے میں اظہار افسوس کر رہا ہے،

AsliAhleSunnet.com

جنہیں غسانیوں نے گرفتار کر لیا تھا، اپنی بیٹی امامہ کو مخاطب کر کے غم کی وجہ سے رات کے طول کا شکوہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس رات میں ستارے سست رفتار ہو گئے ہیں اور ستاروں کو چرنے اور ختم کرنے والی صبح کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔ نابغہ نے اپنے شاعرانہ کمال سے معانی کی مناسب و موثر ادائیگی کے ساتھ ہی انہیں محسوس شکل دے دی ہے۔ اس ابتداء کے فوراً بعد ہی وہ قصیدہ میں عمرو بن حارث غسانی کی تعریف شروع کرتا ہے اور اس کے لشکر اور فتوحات کا ذکر کرتا ہے، چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ فرمایئے:

اذا ما غزَوْا بالجیشِ حلّقَ فوقھم عَصائبُ طیرٍ تھتدی بعصائبِ

(جب وہ غزوہ کے لئے نکلتے ہیں تو پرندوں کی جماعت ان کے اوپر حلقہ بنا لیتی ہے۔)

یُصاحِبُنَھم حتی یُغِرْنَ مُغارَھم من الضّاریات بالدّماء الدوارِبِ

(پرندے ان کے ساتھ حملہ کرتے ہیں، وہ خون کے خوگر اور سدھائے ہوئے ہیں۔)

تراھنّ خلفَ القوم خُزْراً عیونُھا جُلوسَ الشیوخ فی ثیاب المرانِبِ

(ان کو تم قوم کے پیچھے ترچھی نگاہ سے دیکھتے ہوئے دیکھو گے، ان کا رنگ کالے کپڑوں کی مانند ہے۔)

جوانحَ قد ایْقنَّ اَنّ قبیلہ اذا ما التقی الجمعانِ اوّلُ غالِبِ

(اترنے کیلئے تیار رہتے ہیں، انہیں یقین ہے کہ جنگ کے وقت ان کا قبیلہ ہی غالب ہو گا۔)

لھنّ علیھمْ عادۃٌ قد عرفْنَھا اذا عُرِّضَ الخطّیّ فوق الکواثبِ

(ان کے لئے معروف عادت ہے، جب میدان میں نیزے چلتے ہیں تو وہ اس کو جان لیتے ہیں۔)

تھم یتساقون المنیّۃَ بَیْنَھُم بایدیھُمْ بیضٌ رقاق المضاربِ

(وہ باہم موت کا جام پیتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں سفید تیز تلوار ہوتی ہے۔)

ولا عیبَ فیھم غیر اَنّ سیوفھم بھنّ فُلول من قراعِ الکتائبِ

(ان کی تلواروں میں کوئی عیب نہیں، البتہ لشکریوں کے قتل سے ان میں دندانے پڑ گئے ہیں۔)

AsliAhleSunnet.com

اس قصیدہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں شاعر نے موضوع کے تمام معانی کا استقصار کرنے کے بعد انھیں عمدہ پرشکوہ الفاظ اور حسین صورت میں پیش کیا ہے اور اسی کے ساتھ جدید معانی کی جانب بھی اشارہ کیا ہے جن کا تعلق تمدن و شہریت سے ہے۔ چنانچہ قصیدے میں غسانیوں کے مذہبی امور اور ان کی باعیش و عشرت زندگی کا بھی ذکر کیا ہے، اس حیثیت سے نابغہ دوسرے بادیہ نشیں شعراء مثلاً زہیر وغیرہ سے ممتاز ہے کیونکہ ان کی شاعری میں تمدن و شہریت سے متعلق موضوعات و معانی کا ذکر نہیں ملتا۔ انھیں اس طرح کی شہری زندگی کا کوئی سابقہ نہیں تھا اس لئے ان کے اشعار بھی اس رنگ سے خالی ہیں، لیکن نابغہ کی زندگی کا بڑا حصہ حیرہ میں یا غسانیوں کے دربار میں بسر ہوا تھا اس لئے اس کا ذوق اور اندازِ فکر بادیہ کے شعراء سے مختلف تھا اور وہ اپنے متمدن ممدوحین کو خوش کرنے کے لئے ان کے مناسب اسلوب استعمال کرتا تھا۔

مدح کی طرح معذرت خواہی کے باب میں بھی نابغہ کو کمال حاصل تھا۔ اس کے متمدن ذوق نے اس صنف سخن میں بھی اسے دوسروں سے ممتاز کیا ہے۔ شاعر کے لہجہ میں رقت اور معذرت میں اصرار ہے، وہ یہ چاہتا ہے کہ اپنے مخاطب نعمان بن منذر کے دل سے اپنے متعلق غلط خیالات کو دور کردے، خیالات کی بلندی و معنی آفرینی کے ملکہ نے یہاں بھی اس کا ساتھ دیا ہے اور اس صنف میں اس نے جو طویل قصائد لکھے ہیں انھیں جاہلی شاعری کے عمدہ ترین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ نابغہ اپنے متمدن ذوق کی مدد سے احساس جرم کی عمدہ تعبیر کرتے ہوئے نعمان سے عفو و رحم کی درخواست کرتا ہے اور متعدد عذر پیش کرتا ہے، ساتھ ہی اس کی تعریف بھی کرتا ہے، اپنے معلقہ کی ابتدا میں کھنڈرات کی تصویر کشی کرتے ہوئے اونٹنی کا ذکر کرتا ہے، اور اسے نعمان تک پہونچانے کے بعد نعمان کی فیاضی اور گراں قدر انعامات کو گناتا ہے پھر اس کے عفو و رحم کا طالب ہوتا ہے:

فلا لَعَمرُ الذی مَسَّحتُ کَعبَتَہ　　　وما هُرِیقَ علی الانصاب مِن جَسَدِ

(قسم ہے اس ذات کی جس کے کعبہ کو میں برکت کے لئے چھوتا ہوں، اور اس خون کی جو قربانی

AsliAhleSunnet.com

کے بعد پتھر پر بہتا ہے)

والمؤمنِ العائذاتِ الطیر تمسحُھا رکبانُ مکۃَ بینَ الغیل والسَّعَدِ

(اور اس ذات کی جو حرم میں پناہ لینے والے پرندوں کو امن دیتا ہے جن کا مکہ و منیٰ کی جھاڑیوں (غَیل وسَعد) کے مابین مسافر شکار نہیں کرتے۔)

مَاقلتُ مِنْ سیّئٍ مِما اُتیتَ بہ اِذنْ فلا رفعتْ سوطی الیّ یدِی

(میں نے وہ بُری باتیں نہیں کہا جو تمہیں پہونچائی گئی ہیں، ورنہ میرا ہاتھ کوڑا اٹھانے کے قابل نہ ہو۔)

الاّمقالۃَ اقوامٍ شقیتُ بھا کانتْ مقالتُھم قرعًا علی الکَبدِ

(یہ ان کی باتیں ہیں جو میری بدبختی کا سبب ہیں، ان کی باتوں کی ضرب دل پر لگتی ہے۔)

اذنْ فعاقبنی ربّی معاقبۃً قرّتْ بھا عینُ من یاتیك بالفَنَدِ

(اگر میں نے ان باتوں کو کہا ہو تو مجھے خدا ایسی سزا دے جس سے جھوٹ خبر پہونچانے والوں کی آنکھ ٹھنڈی ہو جائے۔)

اُنبئتُ اَنّ ابا قابوس اَوعَدنی ولا قرار علی زأرٍ مِنَ الاَسَدِ

(مجھے ابو قابوس (نعمان بن منذر) کی دھمکی کی خبر ملی ہے، شیر کی دھاڑ پر کیسے قرار ہو سکتا ہے۔)

مَھلاً فداءٌ لك الاقوامُ کلُّھُمُ وما اُثمّرُ مِنْ مالٍ ومِنْ وَلَدِ

(ٹھہرو تم پر تمام قومیں اور میری اولاد و مال فدا ہو۔)

لاتَقذِفنّی برکنٍ لاکفاءَ لہ واِنْ تأثّفك الاعداءُ بالرِّفَدِ

(مجھے ایسے مقام پر نہ ڈالو جس کی طاقت نہ ہو، دشمن جمع ہو کر بھی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔)

پختہ جاہلی قسموں کے ذریعہ نابغہ اپنی برأت پیش کرتا ہے اور الزامات کی صحت کی صورت میں خود کو بد دعا دیتا ہے۔ پھر نعمان کی طاقت و دبدبہ کا ذکر کر کے تمام اقوام بلکہ اپنے مال و اولاد کو اس پر فدا کرتا ہے اور اس کے بعد آگے کے اشعار میں پھر نعمان کی مدح کرتا ہے، مدح کے بعد پھر رحم کی درخواست یوں کرتا ہے:

AsliAhleSunnet.com

فما الفراتُ اذا هبَّ الرّیاحُ لہٗ تَرمِی اَوَاذیہ العِبرَین بالزّبدِ

(نہیں ہے فرات جب کہ تیز ہواؤں کے چلنے سے موجیں کنارے پر جھاگ ڈالیں۔)

یمُدّہٗ کلّ وادٍ مُترَعٍ لَجِبٍ فیہ رُکامٌ من الینبوتِ والخضَدِ

(اس کی مدد بھری ہوئی پرشور وادی سے ہو جس میں ینبوت کا درخت اور درختوں کے توڑے ہوئے ریزے ہوں۔)

یظلّ مِنْ خوفہ الملّاحُ معتصِمًا بالخیزُرانۃِ بعد الاَین والنّجدِ

(جس کے خوف سے ملّاح رنج و کرب کے بعد اپنے مسافروں سے چمٹ جائے۔)

یومًا باجُودَ منہ سَیبَ نافلۃٍ ولایحولُ عطاءُ الیوم دُونَ غدٍ

(ایسا دریا بھی ممدوح سے زیادہ سخی اور فیاض نہیں، اس کی آج کی سخاوت کل کی سخاوت کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔)

ھٰذا الثناءُ فَانْ تسمع بہ حسنًا فلم اُعرِّضْ ابیت اللّعنَ بالصَّفَدِ

(اس تعریف کو تم اگر سنو تو بہتر ہے، بادشاہ سلامت! اس سے میرا مقصد عطیہ کا حصول نہیں)

ھَا اِنَّ ذی عِذرَۃٌ اِلّا تکنْ نَفعَتْ فانَّ صاحِبَہا مُشارِكُ النّکدِ

(میرا یہ عذر اگر مفید نہ ہو تو پھر میں ہمیشہ رنج و بدبختی میں رہوں گا۔)

نعمان کے بارے میں نابغہ کے مذکورہ قصیدے اور دیگر معذرت خواہی کے موضوع سے متعلق قصائد سے اس صنف میں نابغہ کے کمال و تفوق کا اندازہ ہوتا ہے، یہ صنف ہر چند کہ وسیع نہیں لیکن نابغہ نے اپنی مہارت سے اس میں وسعت پیدا کرلی ہے اور تخیل آفرینی کی اپنی قوت سے انوکھی تصویر کشی اور دقیق معانی تک رسائی حاصل کی ہے، اس کے کلام کی فنی خوبیوں کی بناپر بعد کے شعراء نے اس کا تتبع کیا ہے۔

مدح و اعتذار کے بعد نابغہ کی مرثیہ گوئی کے فن پر نظر ڈالئے تو اس صنف میں بھی وہ ہمیں ایک باکمال شاعر نظر آتا ہے، نعمان بن الحارث الاصغر الغسانی کا مرثیہ نابغہ نے تشبیب سے شروع کیا ہے، پھر اپنی اونٹنی کا ذکر کرتے ہوئے اسے نیل گائے سے

AsliAhleSunnet.com

تشبیہ دی ہے، اس کے بعد گریز کر کے مرثیہ کا مضمون شروع کیا ہے، کہتا ہے کہ نعمان کی موت کی خبر سے اسے بے حد قلق ہوا ہے لیکن بنو قیس اس حادثہ پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں کیونکہ نعمان نے لڑائی میں انھیں غیر معمولی نقصان پہونچایا تھا۔ نابغہ اس کے دشمنوں کو بددعا دیتے ہوئے اس کی فوج کے بہادرانہ کارناموں اور فتوحات کا تذکرہ کرتا ہے اور پھر اس خیال کی تردید کرتا ہے کہ اسے نعمان سے کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اس ضمن میں نابغہ کہتا ہے کہ نعمان کی موت سے اس کے دل میں حزن و ملال کا شعلہ بھڑک اٹھا ہے، تسلی کے لئے آگے کہتا ہے کہ موت نظامِ کائنات کا ایک اصول ہے اور اس جام کو ہر شخص ایک نہ ایک دن ضرور نوش کرے گا، اس کے بعد نعمان کے لئے رحمت کی طلب کرتے ہوئے کہتا ہے:

سَقَی الغیثُ قبراً بین بُصریٰ وجاسمٍ　　　بغیثٍ من الوَسمِیّ قطرٌ و وابلُ

(شام کے مقامات بصریٰ و جاسم کے مابین واقع قبر کو بارش سیراب کرے۔)

ولا زالَ ریحانٌ ومسکٌ وعنبرٌ　　　علی منتھاہ دِیمۃٌ ثم ھاطلُ

(اس پر ریحان، مشک اور عنبر کی بارش ہوتی رہے۔)

ویُنبِتُ حَوذاناً وعَوفاً مُنوّراً　　　سَأُتبِعُہ مِن خیرِ ما قالَ قائلُ

(حوذان و عوف کی خوشبودار گھاس وہاں پر اُگے اور میں اس سے متعلق بہترین کلام کہتا رہوں)

نابغہ کے دیوان میں فخر و ہجو کے اشعار بھی ہیں لیکن اس نوعیت کے اشعار میں مدح و اعتذار اور مرثیہ والے اشعار جیسی فنی مہارت نظر نہیں آتی، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کی باوقار طبیعت اس صنف کے کلام پر آمادہ نہیں ہوتی تھی۔

نابغہ کی شاعری کے متعدد ایسے پہلو ہیں جن سے قصیدہ کی ساخت میں اس کی مہارت کا پتہ چلتا ہے، لفظی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو نابغہ کے قصائد میں کوئی لفظ بے محل نہیں نظر آئے گا، بلکہ تمام الفاظ واضح اور مفہوم پر دلالت میں محکم ہوں گے، اسی لئے جب نابغہ دیارِ حبیب، صحرا اور وحشی جانوروں کی تصویر کشی کرتا ہے تو بدوی اور غریب

AsliAhleSunnet.com

الفاظ استعمال کرتا ہے، لیکن بادشاہوں کی مدح، مرثیہ یا ان سے معذرت کے وقت مانوس، نرم و شیریں اور پرشکوہ الفاظ کا استعمال کرتا ہے، اسی لئے عباسی دور کے ناقدین کا فیصلہ ہے کہ جاہلی شعراء میں نابغہ کے یہاں شاعری کا حسن، کلام کی رونق اور الفاظ کا شکوہ سب سے زیادہ ہے [۱]

الفاظ پر توجہ کے ساتھ ہی معانی پر بھی نابغہ کی پوری توجہ تھی، اسی وجہ سے معذرت خواہی کے محدود موضوع کے اندر بھی اس نے مختلف اچھوتے خیالات پیش کئے اور قصیدہ میں موضوعات کو فنی انداز سے مرتب کیا، ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف گریز میں اسی ترتیب و نظم کی وجہ سے خوبی پیدا کی، وہ معلقہ میں تشبیب کے بعد اونٹنی کا خوبصورت تذکرہ کرتے ہوئے موضوع کی جانب نہایت چابکدستی سے اشارہ کرتا ہے، کہتا ہے:

فتلکَ تبلّغنی النّعمانَ إنّ لہ ۔۔۔ فضلاً علی النّاس فی الأدنی وفی الأبعدِ

(ان اوصاف کی حامل اونٹنی مجھے نعمان کے پاس پہونچائے گی جس کے احسانات قریب و دور کے تمام لوگوں پر ہیں۔)

نابغہ کے معذرت خواہی والے قصائد میں بھی تخلص کا یہ حسن برقرار ہے، الفاظ و معانی پر غیر معمولی توجہ کے ساتھ ساتھ نابغہ کے یہاں معنیٰ آفرینی اور تخیل کی ندرت بھی موجود ہے، متمدن شہری ماحول میں رہنے کی وجہ سے احساس میں جو رقت و نزاکت پیدا ہوگئی تھی اس کے نمونے بھی کلام میں بکثرت ملتے ہیں جبکہ دوسرے جاہلی شعراء کا کلام اس خوبی سے خالی ہے، معذرت خواہی کی صنف میں اگر نابغہ کو ہم منفرد کہیں تو شاید مبالغہ نہ ہوگا، ان فنی محاسن سے قطعِ نظر نابغہ کی شخصیت میں کشش کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فطری طور پر وہ باوقار اور کمینگی سے دور نظر آتا ہے، دوستوں کے ساتھ وفاداری اور عہد و پیمان کے تحفظ کا اسے ہمیشہ خیال رہتا تھا، اور انھیں خوبیوں کیوجہ سے شعراء سوق عکاظ کی ادبی مجلسوں میں اسے اپنا حکم مانتے تھے اور اس کے فیصلوں کو تعصب و ہوا پرستی سے برتر تصور کرتے تھے۔

---

[۱] طبقات فحول الشعراء ص ۴۶، الشعر والشعراء ج ۱ ص ۱۰۸۔

AsliAhleSunnet.com

زُہیر بن اَبی سُلمیٰ

قبیلہ زہیر کے باپ ربیعہ بن ریاح المزنی کا تعلق قبیلۂ مُزینہ سے ہے، جاہلی دور میں یہ قبیلہ بنو عبداللہ بن غطفان کا پڑوسی تھا جو مدینہ کے مشرق میں نجد کے علاقہ الحاجر میں سکونت پذیر تھا، انہی کے ساتھ ربیعہ کے ماموں کا قبیلہ بنی مُرّہ بن عوف بن سعد بن ذبیان بھی رہتا تھا، ربیعہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں بنی مرہ ہی کے ساتھ رہتا تھا، یہیں پر زہیر کی پیدائش ہوئی، کعب بن زہیر اپنے ایک شعر میں مزینہ کی جانب اپنی نسبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے:

هُم الاصلُ مِنّي حيثُ كنتُ واننى　　　من المزنيين المصفّين بالكرمِ

(میں جہاں بھی رہوں میری اصل وہی ہیں، میں مزینہ سے ہوں جو کرم کے لئے مخصوص ہیں۔)

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ربیعہ اپنے ننہال میں زیادہ لمبی مدت تک زندہ نہیں رہا، اس کی وفات کے بعد زہیر کی کفالت اس کے ماموں بُشامہ بن غدیر نے کی۔

زہیر کو اپنی زندگی کے دوران قبیلۂ عبس و ذبیان کی مشہور لڑائیوں یعنی جنگ داحس و غبراء کا سامنا رہا، اس لڑائی میں اس کا ننہالی قبیلہ شریک تھا، بشامہ کے اشعار میں ان لڑائیوں کا تذکرہ آیا ہے۔

ذبیان اور غطفان کے دوسرے قبائل عہد جاہلیت میں عُزّیٰ کی پرستش کرتے تھے، جو صحیح روایات کے مطابق کعبہ کا ایک بُت تھا جس کے ارد گرد چند درخت تھے جن کی لوگ تقدیس کرتے تھے[1] اس قبیلہ کے لوگ ظہورِ اسلام تک بُت پرستی پر قائم تھے۔

---

[1] تاریخ العرب قبل الاسلام از جواد علی ج ۵ ص ۹۷۔

AsliAhleSunnet.com

حالاتِ زندگی زہیر کی زندگی کے زیادہ تر حالات پردۂ خفا میں ہیں، بنو مرۃ کے یہاں اس کی پرورش اور نشو و نما کا ذکر ضرور ملتا ہے لیکن اس کی تفصیل سے کتب تاریخ و ادب خاموش ہیں، اس کی شاعری، سرداری اور مالداری کا بھی ذکر ادبی ماخذ میں موجود ہے، ابن سلام کا بیان ہے کہ: زہیر کے پاس مال کی کثرت تھی اور یہ ایک ہزار اونٹوں کا مالک تھا[1] زہیر کے ماموں بشامۃ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ دور اندیش اور صاحب رائے شخص تھا، قوم کے لوگ اس سے مشورہ کرتے اور اس کی رائے پر عمل کرتے تھے، اس کے کوئی اولاد نہیں تھی، وفات کے وقت اس نے اپنی دولت اپنے گھر والوں میں تقسیم کر دی تھی، زہیر کو بھی اس میں سے حصہ ملا تھا، اس کے علاوہ شاعری اور کریمانہ اخلاق و عادات میں بھی زہیر اپنے ماموں بشامۃ کا وارث بنا تھا، زہیر نے دو شادیاں کی تھیں، اس کی ایک بیوی کا نام اُمِّ اَوفیٰ تھا جس کا تذکرہ زہیر نے اپنے اشعار میں اکثر کیا ہے، اس کے بطن سے جتنی اولاد ہوئی سب فوت ہو گئی، زہیر نے بعد میں اسے طلاق دے دی تھی، اُمِّ اوفیٰ کے بعد زہیر نے کبشۃ بنتِ عمار الغطفانیۃ سے شادی کی، اس کے بطن سے کعب، بجیر اور سالم پیدا ہوئے، سالم زہیر کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا زہیر نے اس کا مرثیہ بھی کہا ہے[2]

زہیر نے اپنے اشعار میں داحس و غبراء کی لڑائیوں کا طویل ذکر کیا ہے اور ہرم بن سنان اور حارث بن عوف کے موقف کی تعریف کی ہے جو بنی مرہ کے سربراہ تھے اور جنہوں نے عبس و ذبیان کے قبیلوں کو مزید خونریزی سے بچایا تھا، ان دونوں سرداروں نے صلح کی خاطر مقتولین کی دیت کا ذمہ اپنے سر لے لیا تھا، دیت میں تین ہزار اونٹ تین سال کی مدت میں ادا کرنا تھا، زہیر نے اس کارنامہ کو اپنے معلقہ میں سراہا ہے اور اسی سے متاثر ہو کر اس نے زندگی بھر ہرم کی تعریف و تمجید کی اور ہرم نے بھی اسے انعامات

---

[1] ابن سلام ص ۵۶۳۔ [2] الاغانی ج ۱۰ ص ۲۹۷۔

AsliAhleSunnet.com

سے نوازا لیکن ہرم کا عطیہ تو فنا ہوگیا البتہ زہیر کا عطیہ رہتی دنیا تک لوگوں کو ہرم کے کارنامے کی یاد دلاتا رہے گا، اسی طرح زہیر نے حصن بن حذیفہ کی بھی تعریف کی ہے، جو بنو فزارۃ کا سردار تھا۔

مختلف دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ زہیر کے پاس مال و دولت کی فراوانی تھی، ماموں سے وراثت میں ملے ہوئے مال کے ساتھ ساتھ ہرم اور قبیلہ کے دوسرے اصحاب ثروت کی طرف سے حاصل ہونے والی دولت نے مالی اعتبار سے زہیر کو مطمئن بنا دیا تھا" مالداری کے ساتھ ہی زہیر کی شخصیت میں وقار و شرافت کا جوہر بھی موجود تھا، اسی وجہ سے اس کے اشعار میں امرؤ القیس جیسی عریانی و فحاشی کے نمونے نہیں ملتے۔ زہیر اپنی قوم کی طرح بت پرستی کے مذہب پر قائم تھا لیکن اس کے یہاں بعض ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے یوم آخرت اور جزا و سزا پر یقین تھا، معلقہ میں کہتا ہے:

فلا تکتمنّ اللہ ما فی نفوسکم ۔۔۔ لیخفی ومھما یکتم اللہ یعلم

(اللہ سے دل کی بات نہ چھپاؤ، خواہ جتنا بھی چھپاؤ وہ جان لے گا۔)

یؤخر فیوضع فی کتاب فیدّخر ۔۔۔ لیوم الحساب او یعجّل فینقم

(عمل کو قیامت کے لئے کتاب میں محفوظ رکھا جائے گا یا جلد ہی اس کا انتقام لیا جائیگا)

اگر ان اشعار کی نسبت زہیر کی جانب صحیح مان لی جائے تو ثابت ہوگا کہ وہ ان حُنفاء میں تھا جنہیں بت پرستی والے مذہب پر شبہ تھا، لیکن غالب گمان یہ ہے کہ زہیر اپنی قوم کے مذہب پر قائم تھا اور اس طرح کے خیالات کبھی کبھی اس کے ذہن میں آتے تھے جنہیں وہ اشعار میں محفوظ کر لیا کرتا تھا۔

ادبی حیثیت سے زہیر کی زندگی خاصی دلچسپ ہے، زہیر کے باپ اس کے ماموں، اس کی دونوں بہنیں سلمیٰ اور خنساء اور دونوں بیٹے کعب و بجیر سب کے سب شاعر تھے، اور بعد کی نسلوں میں بھی شعراء کے وجود کا پتہ چلتا ہے، جاہلی دور میں یہ خصوصیت کسی اور

AsliAhleSunnet.com

شاعر کو نہیں ملی، بہ ظاہر زہیر نے طویل عمر پائی، بعض روایات میں یہ بھی ذکر ہے کہ اس نے اسلام کا زمانہ پایا تھا لیکن یہ صحیح نہیں، زہیر کی وفات اسلام کے ظہور سے کچھ پہلے ہی ہو گئی تھی، البتہ اس کے بیٹوں میں کعب و بجیر نے اسلام کا زمانہ پایا اور دونوں مسلمان بھی ہوئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کعب کا قصیدہ مشہور ہے۔

دیوان زہیر کے دیوان کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، شاید قدیم ترین ایڈیشن "اکورد" کے مجموعہ العقد الثمین والا ہے جس کا تذکرہ سابقہ سطور میں گزر چکا ہے، ۱۸۸۹ء میں سویڈن کے لنڈبرگ نے زہیر کا دیوان شنتمری کی شرح کے ساتھ ایک سلسلہ کے ماتحت شائع کیا جس کا نام "طرف عربیہ" رکھا تھا، اس کے بعد مصر وغیرہ میں لنڈبرگ ہی کے ایڈیشن کی بنیاد پر دیوان کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ "مختار الشعر الجاہلی" میں مصطفے السقا نے بھی اسے شائع کیا، یہ تمام دواوین اعلم بطلیوسی کی روایت پر مبنی ہیں، اور ان ایڈیشنوں کا دار و مدار اصمعی کی روایت پر ہے، ثعلب کی کوفی روایت والے بھی متعدد قلمی نسخے مصری دار الکتب میں موجود تھے، ۱۹۴۴ء میں اس روایت کی بنیاد پر بھی دیوان شائع ہوا۔

اس طرح زہیر کا دیوان دو روایتوں کی بنیاد پر طبع ہو چکا ہے، ایک اصمعی کی بصری روایت، اور دوسری ثعلب کی کوفی روایت، اصمعی نے روایت میں اپنے تشدد و احتیاط کی وجہ سے صرف ۱۸ قصائد و قطعات کو زہیر کی جانب منسوب کیا ہے، لیکن ثعلب نے ان میں مزید دسیوں قصائد و قطعات کا اضافہ کیا ہے، جن کے بارے میں کہیں کہیں یہ وضاحت ہے کہ یہ حماد یا ابن الکلبی کی روایت ہے، جو کثرت وضع کے لئے مشہور ہیں، اس لئے زہیر کی شاعری کے مطالعہ کے سلسلہ میں کوفی روایت کو بنیاد نہیں بنایا جا سکتا، بلکہ اس کے لئے ہمیں اصمعی کی روایت کا سہارا لینا پڑے گا، اصمعی کی روایت کے بارے میں حسن ظن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زہیر کی اولاد میں کئی نسلوں تک کوئی نہ کوئی شاعر ضرور رہا جس نے زہیر کے اشعار کو محفوظ رکھنے پر توجہ دی، سب سے اخیر میں

AsliAhleSunnet.com

العوام بن عقبۃ کا نام آتا ہے جو کعب بن زہیر کے پوتے اور خود بھی شاعر تھے، ان کا قیام بصرہ میں تھا، غالب گمان یہ ہے کہ انہی کی زبانی بصرۃ کے رواۃ اور علماء تک زہیر کے اشعار پہونچے ہوں گے۔

شاعری جاہلی دور میں زہیر اشعار کی تنقیح و تہذیب کے لئے مشہور تھا، متقدمین علماء ادب کا بیان ہے کہ زہیر جاہلی دور کے چند مشہور شعراء کے اشعار کا راوی تھا، اس نے اوس بن حجر، طفیل غنوی اور بشامۃ بن غدیر کے اشعار کی روایت کی اور اس کے ذریعے کعب اور حطیئہ نے فن روایت سیکھا[1] مذکورہ بالا تین شعراء میں اوس بن حجر کی تاثیر زہیر پر نمایاں ہے، اسی کو زہیر کا استاد قرار دیا جا سکتا ہے، موضوعات و معانی میں زہیر، اوس ہی سے زیادہ متاثر ہوا۔

زہیر کی شاعری کے موضوعات میں مدح، غزل، وصف اور ہجو نمایاں ہے، اس نے ان اصناف پر مشتمل اشعار میں مکارم اخلاق اور حکمت و دانائی کی باتوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

مدحیہ قصائد میں سب سے زیادہ اہمیت معلقہ کو حاصل ہے، زہیر نے اس کے اندر ہرم بن سنان اور حارث بن عوف کی مصالحانہ کوشش کی تعریف کی ہے، مذکورہ دونوں اشخاص نے عبس و ذبیان کے برسرپیکار قبائل کے مابین صلح کرائی تھی اور خود دیت ادا کرنے کی پیش کش کی تھی، اسی اثناء میں حصین بن ضمضم نے اپنے بھائی کے انتقام میں قبیلۂ عبس کے ایک شخص کو قتل کر دیا جس کی وجہ سے قبیلۂ عبس کے لوگ پھر بھڑک گئے اور ہرم و حارث کی مصالحانہ کوششوں پر پانی پھرتا ہوا نظر آنے لگا، لیکن حارث نے موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے قبیلۂ عبس کے سامنے دیت اور قصاص دونوں پیش کیا، قصاص کے لئے اس نے اپنے بیٹے ہی کو پیش کر دیا لیکن قبیلۂ عبس والوں نے دیت قبول کر لی اور اس

---

[1] الاغانی ج ۲ ص ۱۶۵، الشعر والشعراء ج ۱ ص ۹۳۔

AsliAhleSunnet.com

طرح خونریز لڑائی سے نجات حاصل ہوگئی، زہیر نے ان مصالحانہ کوششوں کو سراہا ہے اور حصین کی حرکت پر افسوس ظاہر کیا ہے جس نے اپنی غلطی سے صلح کے امکان کو ختم کر دیا تھا:

یمیناً لنعم السیّدانِ وُجِدْتُما — علیٰ کلِّ حالٍ من سَحیل ومُبرَمِ
تدارکتما عَبْساً وذُبیانَ بعدما — تفانوا ودقّوا بینہم عِطرَ مَنشِمِ
وقد قُلتُما ان نُدرِكِ السّلمَ واسعاً — بمالٍ ومعروفٍ من الامر نَسْلَمِ
فاصبحتُما منہا علی خیرِ موطنٍ — بعیدَینِ فیہا من عُقوقٍ ومَاثَمِ
عظیمین فی عُلیا معدٍّ وغیرِہا — ومن یَستبِحْ کنزاً من المجد یَعظُمِ

زہیر نے معلقہ میں اس کے بعد جنگ اور اس کے مہلک نتائج کا ذکر کیا ہے پھر امن وسلامتی کی زندگی کی دعوت دی ہے جس میں اخوت ومحبت اور ہمدردی ومروّت کا دار دورہ ہو، معلقہ کے علاوہ زہیر نے دوسرے قصیدوں میں ہرم اور حارث کی تعریف کی ہے اور ان کے قبیلوں کو بھی سراہا ہے، اس سلسلہ میں اس کا لامیہ قصیدہ مشہور ہے اسی قصیدہ کا ایک شعر ہے:

ھُمْ خَیرُ حیٍّ مِنْ مَعدٍّ علمتُہم — لہم نائلٌ فی قومِہمْ ولہم فَضلُ

لامیہ قصیدہ کے علاوہ زہیر نے ہرم بن سنان کی مدح میں ایک دالیہ قصیدہ بھی کہا ہے جس میں اس کی سخاوت، شجاعت، فصاحت اور خیر پسندی کا ذکر کیا ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سَواءٌ علیہ اَیَّ حینٍ اتیتَہ — اَساعةَ نَحْسٍ تُتّقی ام باَسعُدِ

(اس کے لئے برابر ہے جس وقت بھی اس کے پاس آؤ، خواہ مال کی کمی کا وقت ہو یا زیادتی کا۔)

ومِدْرَہُ حربٍ حَمیُہا یتّقی بہ — شدیدُ الرِّجامِ باللسانِ وبالیدِ

(سخت جنگ کے موقع پر اپنی قوم کا دفاع کرتا ہے، زبان اور ہاتھ دونوں سے پوری طرح کام لیتا ہے)

AsliAhleSunnet.com

اذا ابتدرتْ قیسُ بن عیلانَ غایةً　　من المجد مَنْ یَسْبِق الیها یُسوّدِ

سبقتَ الیها کلّ طلقٍ مُبَرَّزٍ　　سبوقٍ الی الغایات غیر مُعلّدِ

(جب قیس بن عیلان بزرگی کی کسی منزل کی طرف سرداری کے لئے بڑھتا ہے تو تم سبقت کر جاتے ہو اس کی طرف اس گھوڑے کی مانند جو تیز رفتاری سے بغیر مار کھائے منزل کی طرف بڑھتا ہے)

فلو کانَ حَمْدُ یُخْلِدُ النّاسَ لم تمُتْ　　ولکنّ حَمْدَ النّاسِ لیس بِمُخْلِدِ

(اگر تعریف سے دوام ملتا تو تم مرتے نہیں. لیکن تعریف دوام نہیں عطا کرتی)

ہرم بن سنان کی مدح میں زہیر کے اور بھی قصائد ہیں جن میں اسے جاہلی دور کا سردار اور شریف ترین انسان دکھایا گیا ہے اور ان محاسن کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کی وجہ سے اس دور میں انسان کو عزت و سربلندی حاصل ہوتی تھی۔

بنو فزارہ کے سردار حصن بن حذیفہ نے مخالفین .. ساتھ لڑائیوں میں بہادرانہ کارنامے انجام دیئے تھے، زہیر نے اس کی تعریف میں قصیدہ خوانی کی ہے، لکھتا ہے:

وابیضَ فیاضٍ یداہ غمامةٌ　　علی مُعتفیہ ماتُغِبُّ نوافلُهُ

(عیوب سے پاک ہے، اس کے ہاتھ بادل کی طرح سخی ہیں، اس کا فضل منقطع نہیں ہوتا ہے۔)

بکرتُ علیه غُدْوَةً فرأیتُه　　قُعودًا لدیه بالصّریم عواذِلُهُ

(میں صبح کو اس کے پاس گیا تو اس کے ملامت گروں کو بیٹھے ہوئے پایا)

فاقصرنَ مِنْهُ عن کریم مُرَزَّاٍ　　عزومٍ علی الامر الذی هو فاعِلُهُ

(پس وہ رک گئے اس کی ملامت سے، وہ سخی، مال خرچ کرنے میں مبتلا اور کام کرنے میں پختہ ارادہ والا ہے۔)

اَخی ثقةٍ لاتُتلِفُ الخمرُ مالَه　　ولکنّه قد یُهلِكُ المالَ نائلُهُ

(بھروسہ کا شخص ہے شراب میں اسکی دولت ضائع نہیں ہوتی، البتہ سخاوت سے اس کا مال ختم ہو جاتا ہے)

تراہ اذا ماجئتَه متهلِّلاً　　کأنّك تُعطِیه الذی انتَ سائِلُهُ

(اگر اسکے پاس جاؤ تو کشادہ روئی سے اسطرح ملے گا کہ گویا تم اسے وہ چیز دے رہے ہو جسے تم مانگنے آئے تھے)

AsliAhleSunnet.com

زہیر کے مختلف مدحیہ قصائد کے مطالعہ سے اس صنف میں اس کی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے، اپنے مافی الضمیر کو اس نے خوبصورتی سے ادا کیا ہے اور غلو ومبالغہ سے اجتناب کرتے ہوئے ممدوح کے اندر صرف انہی صفات کو ثابت کیا ہے جنہیں جاہلی دور میں سیادت وشرافت کی علامت مانا جاتا تھا، اسی وجہ سے حضرت عمر بن الخطاب نے زہیر کے بارے میں کہا تھا کہ: وہ مدح میں صرف انہی صفات کا ذکر کرتا ہے جو انسان کے اندر موجود ہوتی ہیں[1]۔ زہیر بدوی شخصیت کی صحیح ترجمانی کرتا ہے اور صدق وسادگی کے دائرہ سے باہر نہیں نکلتا، اسے اگر کسی مفہوم کے متعلق مبالغہ کا شبہ ہوجاتا ہے تو ایسے موقع پر وہ "لو" یا کسی اور حرف شرط کو ذکر کرکے مبالغہ کو مقبول صورت دے دیتا ہے تاکہ کلام دائرہ اعتدال سے باہر نہ ہو، ایک مقام پر ہرم کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

لَوْنَالَ حَيٌّ مِنَ الدُّنْيَا بِمَكْرُمَةٍ　　　أُفُقَ السَّمَاءِ لَنَالَتْ كَفُّهُ الْأُفُقَا

(اگر دنیا کا کوئی زندہ شخص بزرگی کے ذریعہ آسمان کا افق پاسکتا تو اس کا ہاتھ پالیتا۔)

دوسری جگہ کہتا ہے:

لوكنتَ من شيءٍ سوى بشرٍ　　　كنتَ المنوِّرَ ليلةَ البدرِ

(اگر انسان کے سوا تو کچھ اور ہوتا تو چودھویں کا چاند ہوتا۔)

زہیر کے قصائد کی ابتدا میں تشبیب بھی ہے کیونکہ یہ جاہلی دور کی عام روایت ہے، جس میں تمام شعراء شریک نظر آتے ہیں، لیکن زہیر کے یہاں تشبیب کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اشعار میں عشق ومحبت کا جو ذکر ہے اس کا شاعر کے دل پر کوئی خاص اثر نہیں، وہ غزل اپنے سامعین کو خوش کرنے کے لئے کہتا ہے نہ کہ اپنی ذات کو، رسم وروایت کا تتبع اسے غزل گوئی پر مجبور کرتا ہے، ورنہ اس کی باوقار طبیعت کو اس صنف سے کوئی خاص دلچسپی نہیں، لیکن اس کے باوجود اس صنف میں اس کا کلام فنی خوبیوں کا حامل اور منظر نگاری کا

---

[1] اغانی ج ۱۰ ص ۲۹۰۔

AsliAhleSunnet.com

کامیاب نمونہ ہے۔

ہجو کی صنف میں زہیر کے جو اشعار منقول ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہجو میں مبالغہ سے پرہیز کرتا تھا، فحش گوئی یا بدزبانی کا نمونہ اس کے کلام میں نہیں ملتا، ہجو میں زہیر نے تمسخر کا انداز البتہ اختیار کیا ہے اور کہیں کہیں بڑی گہری چوٹ کی ہے، قبیلہ حِصن کی ہجو میں کہتا ہے:

وَمَا اَدرِی وَسَوفَ اخالُ اَدرِی   اَقَومٌ آلُ حِصنٍ اَمْ نِسَاءُ

(مجھے معلوم نہیں اور خیال ہے کہ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ آل حصن مرد ہیں یا عورت)

فَاِن تَکُنِ النِّسَاءُ مُخَبَّاٰتٍ   فَحُقَّ لِکُلِّ مُحصَنَۃٍ هِدَاءُ

(اگر پردہ نشین عورت ہیں تو ہر عورت کے لئے زفاف مناسب ہے۔)

زہیر کے شاعری کا ایک اہم اور قابلِ ذکر پہلو اس کی منظر نگاری اور تصویر کشی ہے، وحشی اور شکاری جانوروں کے تذکرہ میں اس نے بے مثال مہارت کا ثبوت دیا ہے، اس باب میں زہیر کے استاد اوس کی مہارت کا تذکرہ متقدمین نے بھی کیا ہے [۱] اور یہ وضاحت کی ہے کہ زہیر نے اس صنف میں اوس سے استفادہ کیا ہے، لیکن اس استفادہ کے ساتھ ہی زہیر نے اس صنف کو ترقی بھی دی ہے اور اس میں ایسا کمال حاصل کیا ہے کہ اسے جاہلی دور کا کامیاب وصف نگار مانا جاتا ہے، زہیر کی نازک خیالی نے حیوانات کی تصویر و تفصیل اور حرکات و سکنات کی توضیح میں اس کی مدد کی اور اس نے ایک جیتا جاگتا منظر پیش کر دیا، معلقہ میں محبوبہ کے کھنڈرات پر بیس سال بعد اپنے جانے کا ذکر کرتا ہے جہاں پر پہونچنے کے بعد اسے صرف ہرن اور نیل گائے وغیرہ کے جھنڈ نظر آتے ہیں:

بِهَا العِينُ وَالآرَامُ يَمشِينَ خِلفَةً   وَاَطلَاؤُهَا يَنهَضنَ مِن كُلِّ مَجثَمِ

(وہاں نیل گائے اور سفید ہرنیاں ادھر ادھر چلتی ہیں، اور انکے بچے اٹھکر یہاں سے وہاں جاتے ہیں)

---

[۱] خزانۃ الادب للبغدادی ج ۲ ص ۲۳۵۔

AsliAhleSunnet.com

اس ایک ہی شعر میں زہیر نے صحراء میں نیل گائے اور ہرن کی تگ و دو اور بچوں کے کلیل کے منظر کو اس خوبی سے پیش کیا ہے کہ بسا اوقات تفصیل میں یہ خوبی نہیں پیدا ہو سکتی۔

زہیر کی ایک طویل نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جس میں اس نے صحراء کی روئیدگی، بارش، گھوڑوں اور شکار کا تذکرہ کرتے ہوئے منظر نگاری کا خوبصورت نمونہ پیش کیا ہے۔

وَغَیْثٍ من الوَسْمِیِّ حُوٍّ تِلاعُهُ اجابَتْ رَوابِیَهِ النجاءَ هَواطِلُهُ

(پہلی بارش جس کا پانی بہنے کی جگہ سیاہ ہے، اس کے اونچے مقامات کو تیز بارش نے سیراب کیا۔)

هَبَطْتُ بِمَمسودِ النواشرِ سابِحٍ مُمَرٍّ اَسیلِ الخَدِّ نَهْدٍ مَراکِلُهُ

(میں آیا مضبوط اعصاب والے تیز رفتار ٹھوس جسم نرم چہرہ اور بھاری پیٹ والے گھوڑے پر۔)

تعیمٍ فَلَوْنَاهُ فاُکمِلَ صَنْعُهُ فتَمَّ وعَزَّتْهُ یداهُ وکاهِلُهُ

(جو مکمل خلقت والا تھا، ہم نے اس کا دودھ جلدی چھڑا دیا تھا اس لئے اسکے ہاتھ اور کندھا مضبوط تھا۔)

اَمینٍ شَظاهُ لم یُخَرَّقْ صِفاقُهُ بمِنقَبةٍ ولم تقَطَّعْ اَباجِلُهُ

(اس کے بازو کی ہڈیاں مضبوط تھیں، بیطار کے آلے سے اسکی جلد پھٹی نہیں تھی اور نہ ہاتھ کی رگیں کاٹی گئی تھیں۔)

اذا ما غَدَوْنا نبتغِی الصَّیدَ مَرَّةً متیٰ نَرَهُ فانّنا لا نُخاتِلُهُ

(جب ہم کبھی شکار کی تلاش میں جاتے ہیں تو اسے دیکھ کر دھوکے سے نہیں پکڑتے۔)

فبَیْنا نَبغّیُ الصَّیدَ جاءَ غلامُنا یَدِبّ ویُخفی شخصَهُ ویُضائِلُهُ

(جب ہم شکار تلاش کر رہے تھے تو ہمارا غلام خود کو چھپاتا ہوا آیا۔)

فقال شِیاهٌ راتِعاتٌ بِقَفْرَةٍ بمُستأسِدِ القُرْیانِ حُوٍّ مَسایِلُهُ

(اور کہا کہ پانی کے پاس لمبی گھاس والے مقام پر نیل گائیں چر رہی ہیں۔)

ثلاثٌ کاَقواسِ السَّراءِ ومِسْحَلٌ قد اخضرّ من لَسِّ الغَمیرِ جَحافِلُهُ

(وہ تین ہیں اور سراء درخت کی کمان کی مانند سبک تن ہیں ان کے ساتھ گاؤخر بھی ہے جس کے ہونٹ گھاس کھانے سے ہرے ہیں۔)

AsliAhleSunnet.com

وقد خَرَّم الطُّرَادُ عنه جحاشه فلم تبقَ الا نفسه وحلائِلُهُ

(ہنکانے والوں نے بچوں کو بھگا دیا تو صرف نیل گائے اور گاؤ خر بچ گئے۔)

اسی طرح پوری نظم میں شکاری جانوروں، گھوڑے کی رفتار و چالاکی وغیرہ اور شکار تک دبے پاؤں پہونچنے کا تذکرہ ہے، زہیر نے ظاہری چیزوں کے ساتھ ساتھ احساسات واوہام کی بھی بہترین تصویر پیش کی ہے۔

زہیر کی منظر نگاری میں ایک طرح کا وقار اور سنجیدگی نظر آتی ہے، ہرم، حارث اور حصن کی مدح میں زہیر نے ان کی شجاعت و سخاوت کے ساتھ ہی ان کے حلم و عفو، فقراء کی ہمدردی اور گناہ و بے حیائی سے ان کے اجتناب کی بھی تعریف کی ہے، اور اس ضمن میں اس کے اشعار میں حکیمانہ اقوال اور مکارمِ اخلاق کی دعوت بھی آ گئی ہے، حکیمانہ اقوال پر مشتمل زہیر کے بہت سے اشعار کافی مشہور ہوئے ہیں، ایک قصیدہ میں کہتا ہے:

وكنتُ اذا ما جئتُ يوماً لحاجة مضتْ وا جمّتْ حاجةُ الغدِ ما تخلو

(میں جب کسی دن ضرورت کے لئے آتا ہوں تو وہ پوری ہو جاتی ہے اور آئندہ کی ضرورت سامنے آ جاتی ہے۔)

ایک دوسرے شعر میں کہتا ہے:

وهل يُنبِتُ الخطِّيَّ الا وشيجُه وتُغرسُ الا فی مَنابتها النخلُ

(خطی نیزہ اس کے درخت ہی سے بنتا ہے اور کھجور کے درخت اپنے مقام ہی پر اُگتے ہیں۔)

ایک دوسرے قصیدہ کا شعر ہے:

كذلك خِيمهُم ولكلّ قومٍ اذا مسّتهم الضَّراءُ خِيمُ

(یہی ان کی عادت ہے، اور تکلیف کے وقت ہر قوم کی ایک عادت ہوتی ہے۔)

ایک دوسرے شعر میں کہتا ہے:

فلو كانَ حمدٌ يُخلِدُ النّاسَ لم تمتْ ولكنّ حمدَ النّاسِ ليس بمُخلِدِ

(اگر تعریف کسی کو دوام عطا کرتی تو تم مرتے نہیں، لیکن تعریف سے دوام نہیں ملتا ہے۔)

AsliAhleSunnet.com

ایک جگہ کہتا ہے:

فان الحق مقطعہ ثلاث   یمین او نفار او جلاء

(حق کا مقطع تین ہیں، قسم یا قبائل کے سرداروں کے پاس فیصلہ کیلئے جانا اور معاملہ کا واضح ہو جانا۔)

حضرت عمرؓ نے یہ آخری شعر سنا تو اسے بیحد پسند کیا اور صحت تقسیم کی خوبی پر اظہار تعجب کرتے ہوئے کہا کہ اگر زہیر زندہ ہوتا تو میں اسے قاضی بناتا کیونکہ وہ معرفت کی خوبی اور فیصلہ میں دقتِ نظر سے متصف تھا۔[1]

گزشتہ سطور سے جاہلی شاعری میں زہیر کا مقام واضح ہو جاتا ہے، وہ اپنی نوعیت کا ممتاز شاعر اور زندگی و اخلاق کے بارے میں مخصوص نظریے کا حامل تھا، فن میں کمال کی وجہ سے جب زہیر کو شہرت حاصل ہوئی تو بعض نو آموز شعراء نے زہیر سے استفادہ و تلمذ شروع کیا اور اس کے بیٹوں میں کعب و بجیر نے بھی فنِ شاعری میں اپنے باپ کی اقتداء کی اور اس کے فن کو بعد کی نسلوں تک پہونچایا۔

زہیر فنِ شاعری کا ماہر اور اس کے اسالیب سے بخوبی واقف تھا، اسی وجہ سے اس نے خیالات کو حسین قالب میں پیش کیا اور متقدمین نے اسی فنی کمال کو محسوس کرتے ہوئے یہ توضیح کی کہ زہیر اپنے قصائد کو منظرِ عام پر لانے سے قبل عرصے تک اس پر غور کرتا تھا اور اس کی ترمیم و تہذیب کیا کرتا تھا[2] کبھی کبھی پورے ایک سال تک قصیدہ شاعر کے زیرِ نظر رہتا، اور اسی وجہ سے ایسے قصائد کو "حولیات" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور ظاہر ہے اس تسمیہ کی وجہ شاعر کی دیدہ ریزی اور فن کو جلا دینے کے لئے اس کا ریاض تھا۔

زہیر کی شاعری میں لفظی صنعت اور استعارہ و کنایہ کا کمال بھی نمایاں ہے، معلقہ میں جنگ کا جب تذکرہ آیا ہے تو اس موقع پر استعارہ کی مدد سے شاعر نے بڑی حسین تعبیرات

---

[1] الصناعتین للعسکری ص ۲۴۲۔ [2] البیان والتبیین ج ۲ ص ۹۔

AsliAhleSunnet.com

پیش کی ہیں، لیکن اس کا سب سے بڑا کمال اس کی منظر نگاری ہی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زہیر کا فن تمام جاہلی شعراء کی مجموعی کوششوں کا ثمرہ ہے، ایک طرف الفاظ کی مناسبت اور ان میں موسیقی کی رعایت ہے تو دوسری جانب تشبیہ و استعارہ کی مدد سے منظر نگاری کا کمال، اور انہی محاسن نے زہیر کو "شاعر جمال" اور "شاعر حقیقت و خیر" بنا دیا ہے۔

الاَعشیٰ

قبیلہ اعشیٰ کا تعلق قبیلۂ بکر بن وائل سے ہے جس کی شاخیں جزیرہ کے مشرقی حصہ میں وادیٔ فرات سے یمامہ تک پھیلی ہوئی تھیں، ان شاخوں میں شیبان، یشکر، جشم، عجل، حنیفہ اور قیس بن ثعلبہ زیادہ اہم ہیں، قیس کی شاخوں میں مالک بن ضبیعۃ کی شاخ اہم ہے جس کے ذیل میں بنو عبدان، بنو کعب اور ربیعہ بن ضبیعۃ آتے ہیں، انہی میں بنو جحدر اور سعد بن ضبیعۃ کا گھرانہ ہے اور اسی آخر الذکر گھرانے سے اعشیٰ کا تعلق ہے۔

اعشیٰ کے گھرانے سعد بن ضبیعۃ کی تاریخ کو اس کے بڑے قبیلے کی تاریخ سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا، بنو سعد کے لوگ بسوس کی طویل لڑائی میں قبیلۂ بکر کے ساتھ تھے، اسی طرح یوم کلاب و یوم ذی قار میں بھی ان کی شرکت تھی، قیس بن ثعلبہ کے لوگ بنو حنیفہ کے ساتھ تمیم اور دوسرے قبائل کے خلاف جنگ میں شریک تھے۔

قبیلہ قیس بن ثعلبہ میں شعر و شاعری کی کثرت تھی، ممکن ہے اس کا سبب جنگ کی کثرت ہو کیونکہ یہ قبیلہ جنگ و جدال میں زیادہ الجھا ہوا تھا، اور جنگی کارناموں کے تذکرے اور طبیعتوں کو ابھارنے کے لئے شاعری کا سہارا لیا جاتا تھا، اس قبیلہ میں کئی ایک مشہور شعراء کا نام ملتا ہے مثلاً مرقش اکبر، مرقش اصغر، متلمس، طرفہ اور مسیّب بن علس وغیرہ۔

زندگی اعشیٰ کا نام میمون بن قیس اور کنیت ابو بصیر ہے، نظر کی کمزوری کی وجہ سے "اعشیٰ" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، اسے "صناجۃ العرب" کا لقب بھی دیا گیا تھا،

AsliAhleSunnet.com

کیونکہ یہ اپنے اشعار گایا کرتا تھا۔

اعشیٰ کو جاہلی دور کا آخری حصہ ملا، اس کی زندگی سے متعلق واضح معلومات ہمارے پاس نہیں ہیں، راویوں کا بیان ہے کہ وہ یمامہ کے ایک گاؤں منفوحہ میں پیدا ہوا، اعشیٰ کے باپ کو قتیل الجوع یعنی کشتۂ گرسنگی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی موت کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ دھوپ سے بچنے کے لیے اس نے ایک غار میں پناہ لی، اچانک اوپر سے ایک چٹان لڑھکی اور غار کا منہ بند ہوگیا اور یہ اس میں بھوکا پیاسا مر گیا، جاہلی شاعر جُہنّام ہجو کرتے ہوئے اعشیٰ کو یوں مخاطب کرتا ہے:

اَبُوکَ قَتِیلُ الجُوعِ قَیسُ بنُ جَندَلٍ　　وَخَالُکَ عَبدٌ مِن خُمَاعَةَ رَاضِعُ[1]

(تمہارا باپ قیس بن جندل بھوک کا مارا اور تمہارا ماموں خماعہ کا کمینہ غلام ہے۔)

اعشیٰ کی ماں مسیب بن علس کی بہن تھی، مسیب ہی سے اعشیٰ کو شاعری ملی کیوں کہ اس کے اور قبیلہ کے دوسرے شعراء کے اشعار کی اعشیٰ روایت کرتا تھا۔

روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعشیٰ جزیرہ عرب کے مختلف حصوں کا بکثرت سفر کیا کرتا تھا اور قبیلہ کے اشراف و سربراہ اشخاص کی مدح کرتا تھا، حیرہ، یمن، حضرموت، نجران وغیرہ علاقوں میں اس کی آمد کا ذکر ملتا ہے، اسود بن منذر، نعمان بن منذر، ایاس بن قبیصہ طائی، قیس بن معدیکرب کندی، امیر یمن سلامۃ، بنو عبد المدان سادات نجران اور ہوذہ بن علی وغیرہ اشخاص اعشیٰ کے ممدوح رہے ہیں، سوق عکاظ میں شرکت کے لئے جاتے ہوئے عرب شیوخ و اشراف کی بھی اعشیٰ مدح کرتا تھا[2]۔

اعشیٰ عرب اشراف و سادات کی مدح کے ذریعہ عطایا اور تحائف حاصل کرنے کے ساتھ ہی قبیلہ کے مسائل سے بھی دلچسپی رکھتا تھا، اس کے اشعار میں ایرانیوں اور ان کے حامی عرب قبائل کو دھمکی ہے، اسی طرح معلقہ میں یزید بن مسہر شیبانی کو بھی تہدید آمیز انداز

---

[1] الاغانی ج ۹ ص ۱۰۸ مطبوعہ دار الکتب۔ [2] ایضاً ج ۹ ص ۱۱۳۔

AsliAhleSunnet.com

میں مخاطب کیا گیا ہے۔

کتب تاریخ و ادب میں یہ روایت بھی مذکور ہے کہ اعشیٰ نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور آپ کی کامیابیوں کا تذکرہ سنا تو اسے آپ سے ملاقات اور آپ کی مدح کا خیال پیدا ہوا اور وہ مکہ آیا، قریش کو جب اس کا علم ہوا تو اسے باز رکھنے کی کوشش کی گئی، چنانچہ ابوسفیان بن حرب نے اعشیٰ کے پاس آکر کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو تمہیں زنا، جوا، شراب اور سود سے روک دیں گے، یہ سن کر اعشیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کا ارادہ ترک کردیا، قریش نے اسے ایک سو اونٹ کا ہدیہ دیا جنہیں لے کر اپنے گھر روانہ ہوا، راستے میں اونٹ سے گر کر ہلاک ہوگیا۔[1] یہ ۶۲۹ء کا واقعہ ہے۔ اس روایت میں ابوسفیان نے جن چند امور و خصائل کا ذکر کیا ہے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعشیٰ بت پرستی کے مذہب پر قائم تھا، خود اس کے اشعار میں بھی وثنیت کا نمایاں تذکرہ موجود ہے۔ ابن سلام نے بے حیائی اور لذت کوشی کے باب میں امرؤ القیس اور اعشیٰ دونوں کو ایک درجہ پر رکھا ہے۔ لویس شیخو اور بعض دیگر مستشرقین کا خیال ہے کہ اعشیٰ عیسائی مذہب پر عامل تھا، لیکن یہ خیال صحیح نہیں، کیونکہ اعشیٰ کے اشعار اور خود اس کی زندگی کے حالات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

دیوان اعشیٰ کا ضخیم دیوان لندن سے ۱۹۲۸ء میں "گائر" نے شائع کیا تھا، اس دیوان میں دو ضمیمے بھی ہیں، ایک میں اعشیٰ کے وہ اشعار مندرج ہیں جو کتب ادب میں اس کی جانب منسوب ہیں، اور دوسرے میں "اعشیٰ" کے لقب سے ملقب دیگر تمام شعراء کے اشعار شامل ہیں۔

گائر نے اپنے ایڈیشن میں ثعلب (۲۹۱ھ) کی روایت پر مشتمل پر اسکوریال کے مخطوطہ پر بنیادی اعتماد کیا ہے، اس مخطوطے کے آخری کچھ اوراق غائب ہیں، اس میں موجودہ

---

[1] اغانی ج ۹ ص ۱۲۵، الشعر والشعراء ج ۱ ص ۱۱۲۔

AsliAhleSunnet.com

قصائد وقطعات کی تعداد ستتر ہے جن میں گائر نے دیگر مخطوطات کی مدد سے مزید پانچ قصائد کا اضافہ کیا ہے، ۱۹۵۰ء میں مکتبۃ الآداب قاہرہ سے محمد حسین نے اس دیوان کی شرح شائع کی تھی، اس دیوان میں بصری روایت پر مشتمل صرف دو قصیدے ہیں، بقیہ کا دارومدار کوفی روایت پر ہے جس میں دقت پسندی کم اور اضافہ و انتحال کا دخل زیادہ ہے، اسی وجہ سے دیوان کے قصائد کی نسبت کو تسلیم کرنے میں ناقدین نے احتیاط سے کام لیا ہے، شبہ کی تقویت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اعشیٰ کا راوی یحییٰ یا یونس بن متی نصرانی تھا جس نے بعض عیسائی معتقدات کو پیش کرنے کے لئے دیوان میں اپنی جانب سے اضافہ کیا ہے[۱] ابن قتیبہ نے اعشیٰ کے ان تمام قصائد کے بارے میں شبہ کا اظہار کیا ہے جن کے اندر عیسائی یا اسلامی افکار وخیالات کی ترجمانی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں دالیہ قصیدہ کی نسبت بھی اسی لئے مشکوک ہے، کیونکہ اس میں خالص اسلامی افکار و تعلیمات کی ترجمانی اور قرآنی آیات سے صراحۃً اقتباس ہے جب کہ تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا موقع اعشیٰ کو نہیں ملا تھا، دالیہ قصیدہ کے علاوہ اور بھی مختلف قصائد کی نسبت پر شبہ کا اظہار کیا گیا ہے، دیوان میں اعشیٰ کے مندرجہ نمبرات والے قصیدوں پر ناقدین نے اپنے اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ ۱، ۳، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۶، ۱۸، ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۲۶، ۲۷، ۲۹، ۳۰، ۳۲، ۳۴، ۳۸، ۴۰، ۶۸، ۷۰، ۷۳۔

شاعری طویل قصائد کی کثرت اور مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کے لئے اعشیٰ مشہور ہے، اس کی شاعری میں مدح، ہجو، فخر، وصف، خمریات اور غزل کے نمونے موجود ہیں، قدماء نے وضاحت کی ہے کہ سب سے پہلے اعشیٰ ہی نے شاعری کو کسب زر کا وسیلہ بنایا[۲] اور اپنے ممدوحین کے عطیات حاصل کرنے کے لئے مختلف شہروں کا سفر کیا۔[۳]

---

[۱] الاغانی ج ۹ ص ۱۱۲، مصادر الشعر الجاہلی ص ۲۳۵۔ [۲] ابن سلام ص ۵۴۔

[۳] العمدۃ ج ۱ ص ۴۹۔

AsliAhleSunnet.com

اعشیٰ سے پہلے بھی زہیر و نابغہ وغیرہ شعراء نے مدحیہ شاعری پر توجہ دی تھی لیکن کسی نے شعر کو اعشیٰ کی طرح مال و زر کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا تھا، مدحیہ شاعری میں اعشیٰ کے یہاں بھی مفہوم و تخیل کی نوعیت وہی ہے جو دیگر جاہلی شعراء کے یہاں ہمیں ملتی ہے، اس نے بھی عام طور پر کرم و شجاعت اور کمزوروں کی مدد کے جذبہ کو سراہا ہے، کسی حاکم یا قبیلہ کے سردار کی تعریف کی ہے تو اس کے جنگجو افراد اور دشمنوں کو ان کے ذریعہ پہونچنے والے نقصانات وغیرہ کا ذکر کیا ہے، کہیں کہیں دشمنوں پر ہونے والے حملوں کا طویل ذکر کرتے ہوئے ممدوح کی مبالغہ آمیز تعریف کی ہے۔

اعشیٰ کی مدحیہ شاعری کی اہم خصوصیت اس کا غلو و اسراف ہے، عباسی دور میں مدح کے اندر شعراء نے جو مبالغہ آرائی کی اس کا نمونہ جاہلی دور میں ہمیں اعشیٰ کے یہاں مل جاتا ہے، اس مبالغہ کا سبب عطایا سے اعشیٰ کی شدید محبت کو قرار دیا جا سکتا ہے یا پھر مختلف تہذیبوں سے اس کی واقفیت کو، ایک جگہ قیس بن معدیکرب کی تعریف میں کہتا ہے:

وسعیٰ لِکِندۃ سعیَ غیرِ مُواکلٍ — قیسٌ فضرّ عدوّھا وبنیٰ لھا

(قیس نے کندہ کیلئے مخلصانہ کوشش کی، اسکے دشمنوں کو نقصان پہونچایا اور قبیلہ کیلئے تعمیری کام کیا)

واھانَ صالحَ مالہ لِفقیرِھا — واسیٰ و اَصلحَ بینھا وسعیٰ لھا

(اپنا مال قبیلہ کے فقراء پر خرچ کیا، غم خواری کی اور صلح و صفائی کے لئے کوشش کی۔)

فتری لہ ضُرّاً علی اَعدائہ — وتری لنعمتہ علی مَن نالھا

(دشمنوں پر اس کے نقصان اور عطیہ پانے والوں پر اس کی سخاوت کا اثر نمایاں ہے۔)

اثراً من الخیرِ المزیّنِ اَھلَہ — کالغیثِ صاب ببلدۃ فاَسالھا

(بھلائی کے اس اثر سے اسے زینت حاصل ہوتی ہے جیسے بارش سے زمین کو فائدہ پہونچتا ہے۔)

واذا تجیءُ کتیبۃ ملمومۃٌ — خرساءُ یخشی الذّارعون نِزالھا

(جب زرہ پوش لشکر اکٹھا ہو کر آتا ہے جس کے مقابلہ سے زرہ پوش بہادر ڈرتے ہیں۔)

AsliAhleSunnet.com

كنتَ المقدّمَ غيرَ لابسٍ جُنّتَهُ　　　　بالسّيفِ تضربُ مُعلِماً أبطالَها

(تو تم زرہ پہنے بغیر آگے بڑھ جاتے ہو اور تلوار سے بہادروں کو مارتے ہو۔

وعلمتَ انّ النفسَ تلقىٰ حتفَها　　　　ماكانَ خالقُها المليكُ قضىٰ لها

(تمہیں یقین ہے کہ انسان کی موت ضرور آئے گی، یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے جو انسانوں کا خالق ہے۔

ان اشعار میں سہل الفاظ اور معانی کے مابین تقابل کے ساتھ ساتھ رقتِ ذوق کی وجہ سے عباسی دور کی روح نظر آتی ہے، اس رقتِ ذوق نے کلام میں مبالغہ بھی پیدا کر دیا تھا، چنانچہ شاعر نے ممدوح کی تعریف میں یہاں تک کہہ دیا کہ وہ بغیر ڈھال لئے ہوئے میدانِ جنگ میں گھس جاتا ہے اور تلوار کے ذریعہ دشمنوں پر حملہ کرتا ہے۔

اعشیٰ کا چونکہ متمدن حلقوں سے تعلق تھا اس لئے اس کی ہجو میں ہمیں استہزاء و تمسخریہ کے نمونے ملتے ہیں، ہجو میں مبالغہ کے بجائے استہزاء کے سہارے اعشیٰ اپنے مخالفین کو زیر کرنا چاہتا ہے، ایک موقع پر بنو قیس بن ثعلبہ کے ایک شخص نے قوم کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا، یزید بن مسہر شیبانی نے مقتول کے انتقام کے لئے قبیلہ کو ابھارنا شروع کیا، اعشیٰ نے تہدید آمیز لہجے میں اس کی ہجو کرتے ہوئے کہا:

أبلِغْ يزيدَ بني شيبانَ مألُكَةً　　　　أبا ثُبيتٍ أما تنفكُّ تأتكِلُ

(بنو شیبان کے یزید کو یہ پیغام پہنچا دو کہ تم کب تک غصہ میں اپنے آپ کو کھاتے رہو گے۔

ألستَ منتهياً عن نحتِ أثلتِنا　　　　ولستَ ضائرَها ما أطّتِ الإبلُ

(کیا تم ہماری عیب جوئی سے باز نہیں آؤ گے، جان لو کہ ہمیں تم کبھی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

كناطحٍ صخرةً يوماً ليوهِنَها　　　　فلم يضِرْها وأوهىٰ قرنَهُ الوعِلُ

(چٹان پر ضرب لگانے والا پہاڑی بکرا اپنے سینگ ہی کو نقصان پہونچاتا ہے۔

اس قصیدہ میں تمسخریہ و استہزاء کا انداز بالکل واضح ہے، اعشیٰ اپنے مخالف سے کہتا ہے کہ تمہاری معاندانہ کوششوں سے ہمارے اعلیٰ و ارفع مقام اور قوی ترین عزت و شرافت پر کوئی آنچ نہیں آسکتی، نقصان جو کچھ بھی ہو گا تمہیں کو ہو گا۔

AsliAhleSunnet.com

اعشیٰ نے علقمہ بن عُلاثہ کی ہجو میں بھی چند قصیدے کہے ہیں اس کے ہجو میں اعشیٰ کا ایک شعر ہے جس کے متعلق مذکور ہے کہ علقمہ نے جب اس کو سنا تو شدت تاسف والم سے رو پڑا، اعشیٰ کہتا ہے:

تَبِیتُونَ فی المَشتیٰ مِلاءً بُطونُکم　　وجاراتکم غرثیٰ یبتن خمائصا

(تم جاڑے میں آسودہ سوتے ہو جب کہ تمہاری پڑوسن بھوکے اور سوکھے پیٹ والی ہوتی ہیں۔)

اس شعر میں اعشیٰ نے صرف بُخل ہی کا طعنہ نہیں دیا ہے بلکہ اس مفہوم کی تاثیر میں یہ کہکر اضافہ کر دیا ہے کہ علقمہ کے قبیلے والے جاڑے کے ایام میں خوب پیٹ بھر کر کھاتے ہیں لیکن ان کے پڑوسی بھوکے سوئے رہتے ہیں۔

اعشیٰ کے یہاں فخریہ اشعار کی بھی کثرت ہے، جاہلی دور میں عظمت ومنقبت کے تمام پہلوؤں اور جود وسخا کے تمام اوصاف کو وہ اپنے قبیلے والوں کے لئے ثابت کرنا چاہتا ہے، معلقہ میں جہاں پر اس نے یزید بن مسہر کو دھمکی دی ہے اسی جگہ اپنے قبیلہ کی بہادری وفتحیابی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

سَائِل بنی اَسَدٍ عنّا فقد علموا　　اَن سوفَ یاتِیك من اَنبائنا شَکَلُ

(ہمارے متعلق بنو اسد سے پوچھو جنہیں معلوم ہے، پھر تمہیں مختلف طرح کی خبروں کا علم ہوگا۔)

واسْأَلْ قُشَیراً وعبدَ اللہ کُلَّھُمُ　　واسألْ ربیعةَ عنّا کیف نفتعِلُ

(اور قشیر، عبد اللہ اور ربیعہ سے پوچھو کہ ہمارے کارنامے کیسے ہیں۔)

انا نقاتِلُھم حتی نُقَتِّلھم　　عند اللقاء وھم جاروا وھم جَھِلوا

(ہم لڑائی میں انھیں قتل کرتے ہیں، وہی ظالم و نادان تھے۔)

لئن مُنِیتَ بنا عَن غِبِّ معرکۃ　　لم تُلفِنا مِن دماءِ القومِ ننتَفِلُ

(اگر ہم سے کسی معرکہ کے بعد ملوگے تو لوگوں کے خون سے بچنے والا نہ پاؤگے۔)

قد نخضِبُ العَیرَ من مکنون فائلہ　　وقد یشیط علی ارماحِنا البَطَلُ

(ہم تہسوار کو اس کے خون سے رنگین بنا دیتے ہیں اور ہمارے نیزوں سے بہادر ہلاک ہو جاتے ہیں۔)

AsliAhleSunnet.com

نحن الفوارسُ یومَ العَینِ ضاحیۃً　　جَنْبی فُطَیمۃَ لا مِیلٌ ولا عُزُلُ

(فطیمہ کے قریب یوم العین کے شہسوار ہم ہی ہیں، نہ کوئی بزدل ہے نہ غیر مسلح۔)

قالوا الرّکوبَ فقلنا تلک عادتُنا　　او تنزِلون فانا معشرٌ نُزُلُ

(لوگوں نے سواری کا نام لیا تو ہم نے کہا کہ یہ ہماری عادت ہے، اور اگر تم تلوار سے جنگ کرو تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں۔)

اعشیٰ نے صحرار، اونٹنی اور وحشی جانوروں کے تذکرے میں اختصار سے کام لیا ہے لیکن خمریات اور غزل کے اصناف میں اس کے یہاں اشعار کی کثرت ہے، جاہلی دور کے بیشتر شعرار کے یہاں شراب کا ذکر ملتا ہے، لیکن اعشیٰ نے اپنے اکثر قصائد کی ابتدار میں اس انداز سے شراب کا ذکر کیا ہے کہ گویا وہ دنیا کی لذیذ ترین شئے ہے، شراب پر اعشیٰ کی فریفتگی کا یہ عالم تھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اسے یہ علم ہوا کہ آپ شراب سے منع فرماتے ہیں تو اعشیٰ نے آپ سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا اور واپس چلا گیا۔[1]

خمریات کے باب میں اعشیٰ کی مہارت ہی کی بنیاد پر متقدمین کا یہ فیصلہ ہے کہ: انہ اَشعَرُ الجاھلیین اذا طرب[2] یعنی شراب نوشی کے بعد جب اعشیٰ اس کا تذکرہ کرتا ہے تو کوئی دوسرا جاہلی شاعر اس کی ہمسری نہیں کر سکتا، اعشیٰ نے اپنے خمریات میں شراب کی مجلسوں، اس میں بچھائے ہوئے گلاب و یاسمین، خوبصورت ساقی و مغنی، لونڈیوں اور آلات غنار و موسیقی کا جاندار تذکرہ کیا ہے، معلقہ میں کہتا ہے:

وقد غدوتُ الی الحانوت یتبعُنی　　شاوٍ مِشَلٌّ شَلُولٌ شُلْشُلٌ شَوِلُ

(میں شراب کی دوکان پر گوشت بھننے والے چست و سرگرم ساتھی کے ساتھ گیا۔)

---

[1] الاغانی ج ۹ ص ۱۲۵۔

[2] الاغانی ج ۹ ص ۱۰۸۔

AsliAhleSunnet.com

فی فتیۃٍ کسیوفِ الهندِ قد علموا   ان لیس یدفع عن ذی الحیلۃِ الحِیَلُ

(ان جوانوں میں جو ہندی تلواروں کی طرح تھے اور یہ جانتے تھے کہ تدبیر آدمی سے مصیبت دور نہیں کر سکتی)

نازعتهم قضبَ الریحانِ مُتّکئاً   وقهوۃً مُزّۃً راووقها خضِلُ

(میں نے ان کے ساتھ ریحان کی شاخوں اور مزیدار شراب کا تبادلہ کیا جس کا برتن سوکھا نہ تھا۔)

لا یستفیقون منها وهی راهنۃٌ   الا بهاتِ وان علّوا وان نهلوا

(ان کا نشہ ابھی اترتا نہیں کہ پھر دوسرا جام طلب کر لیتے ہیں۔)

یسعی بها ذو زجاجاتٍ له نُطَفٌ   مُقلّصٌ اسفلَ السربالِ مُعتمِلُ

(اس کو پلانے والا کان میں بالیاں ڈالے چھوٹی قمیص پہنے سرگرم رہتا ہے۔)

ومستجیبٍ تخالُ الصنجَ یسمعه   اذا ترجّعُ فیه القینۃُ الفُضُلُ

(بربط کا نغمہ چنگ سے اس طرح ہم آہنگ ہے کہ گویا اسے سن رہا ہے جب لونڈی اسے بجا کر گاتی ہے۔)

والساحباتُ ذیولَ الخزِّ آونۃً   والرافلاتُ علی اعجازها العِجَلُ

(اس کے پیچھے عورتیں ریشمی دامن گھسیٹتی ہوئی چلتی ہیں گویا ان کے سرین پر پانی کی مشکیں ہیں۔)

مِن کلِّ ذلک یومٌ قد لهوتُ به   وفی التجاربِ طولُ اللهوِ والغزلُ

(اس دن ان تمام چیزوں سے میں لطف اندوز ہوا اور لہو و غزل کا میرا تجربہ طویل ہے۔)

اعشیٰ نے اپنے اشعار میں صرف شراب کی مجلسوں ہی کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ شراب کے برتن، اس کے مختلف رنگ اور پینے والوں کی طبیعت پر اس کی تاثیر اور کیف کا دقت پسندی سے ذکر کیا ہے جس سے شراب پر اس کی فریفتگی کا اندازہ ہوتا ہے، اس کے اس نوعیت کے اشعار کو دیکھ کر عباسی دور میں ابونواس اور دوسرے ہوا پرست شعراء کی یاد آجاتی ہے، ایک قصیدہ میں کہتا ہے:

وکأسٍ شربتُ علی لذّۃٍ   واُخری تداویتُ منها بها

(میں نے ایک جام لذت کے لئے پیا اور دوسرا اس کے علاج کے لئے۔)

لکی یعلمُ الناسُ انّی امرؤٌ   اتیتُ المعیشۃَ من بابها

(تاکہ لوگ جان لیں کہ میں زندگی میں اس کے دروازہ سے داخل ہوا ہوں۔)

AsliAhleSunnet.com

غزلیہ شاعری میں اعشیٰ دیگر جاہلی شعراء کی طرح کھنڈرات پر زیادہ توجہ نہیں دیتا بلکہ اس کے بجائے محبوبہ اور اس کے بارے میں اپنے تاثرات وجذبات کا ذکر کرتا ہے، عاشقانہ مہم، شادی شدہ عورتوں سے تنہائی میں ملاقات اور غزل میں مکالماتی انداز وغیرہ میں اعشیٰ اور امرؤالقیس دونوں تقریباً متحد ہیں:

فظلِلتُ اَرعاھا و اُ یحوطھا حتیٰ دنوتُ اذا الظلامُ دنالھا

(میں محبوبہ کی تاک میں تھا اور اس کا شوہر اس کو گھیرے تھا، جب تاریکی ہوئی تو میں اسکے قریب گیا)

فرمیتُ غفلۃَ عینِہ عن شاتِہ فاصبتُ حبۃَ قلبہ وطِحالَھا

(غفلت کے وقت میں اس کی عورت کے پاس پہنچا تو اس کے دل اور عورت کے جگر تک پہنچا۔)

حَفِظا النھارَ وباتَ عنھا غافِلاً فخلتْ لصاحِبِ لذۃٍ وخلالَھا

(دن میں اس کی حفاظت کی اور رات کو غافل ہوگیا، پھر وہ اور عاشق دونوں لذت اندوز ہوئے)

اعشیٰ کے یہاں شراب نوشی اور لہو ولعب میں مصروفیت کی وجہ سے غزل میں عریانیت ملتی ہے، لیکن ساتھ ہی رقت اور محبوبہ سے والہانہ تعلق بھی نمایاں ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فرطِ غم اور عشق سے اس کی روح نکل جائے گی، خصوصاً الوداع کے وقت کا ذکر انتہائی اثر انگیز ہوتا ہے، معلقہ کا مطلع ہے:

وَدِّعْ ھُرَیرۃَ اِنّ الرَّکبَ مُرتحِلُ وھل تُطیقُ وداعًا اَیُّھا الرَّجلُ

(ہریرہ کو رخصت کرو، قافلہ کوچ کر رہا ہے، اور کیا تمہیں الوداع کہنے کی طاقت ہے۔)

عشق وغم کے اظہار میں یہ رقت دوسرے جاہلی شعراء کے یہاں موجود نہیں ہے، اعشیٰ کا تعلق چونکہ متمدن ماحول سے بھی تھا اس لئے اس کے ذوق میں یہ رقت اور احساس میں نزاکت پیدا ہوئی تھی۔

جاہلی دور کے دوسرے شعراء کے مقابلہ میں اعشیٰ کے یہاں الفاظ بھی سہل وسلیس استعمال ہوئے ہیں، تمدن سے قربت نے مفہوم وتخیل میں جسطرح رقت پیدا کی اسی طرح الفاظ پر بھی اپنا اثر چھوڑا چنانچہ اعشیٰ نے غزل، خمریات اور دیگر اصناف میں عام طور پر سہل الفاظ

AsliAhleSunnet.com

کا استعمال کیا ہے، تمدن کی تاثیر کا نمونہ اعشیٰ کے یہاں سبک اوزان اور آہنگ و موسیقی کے جمال میں نظر آتا ہے۔ مغنیوں کی نغمہ سرائی سے متاثر ہو کر اعشیٰ نے اپنے اشعار کو بھی لحن و نغمہ کا انداز دینے کی کوشش کی ہے۔

گزشتہ سطور سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ جاہلی دور کی شاعری میں اعشیٰ کی حیثیت ایک اہم کڑی کی ہے، اس نے اپنی فنی کوششوں سے شاعری میں موضوع، مفہوم، احساس و تخیل، سہولت الفاظ اور خفت وزن ہر لحاظ سے اضافہ کر کے ایک عمدہ نمونہ پیش کیا۔

ان چار شعراء کا ہم نے کچھ مفصل جائزہ اس لئے لیا ہے کہ ان سے بڑی حد تک جاہلی شاعری کے عام رجحانات اور فنی حیثیت کا اندازہ ہو جاتا ہے معلقات کے بقیہ شعراء کا مختصر تذکرہ بھی پیش کیا جاتا ہے تاکہ یہ سلسلہ مکمل ہو جائے۔

حارث بن حلّزہ یشکری

ابوالظلیم الحارث بن حلّزہ کا تعلق قبیلہ بکر سے ہے، اسے قبیلہ میں اہم اور معزز حیثیت حاصل تھی۔ اس کا سال وفات جرجی زیدان کے مطابق ۵۸۰ء ہے۔ حارث کی اصل شہرت اس کے معلقہ سے ہوئی جس کے متعلق مذکور ہے کہ حیرہ کے بادشاہ عمرو بن ہند کے سامنے فی البدیہہ کہا تھا اور اپنی قوم کے حق میں اس کی معافی و توجہ طلب کی تھی، کیونکہ ابن ہند کے دربار میں جب بکر و تغلب کے دونوں قبیلوں کے مابین اختلاف و سخت کلامی ہوئی تو ابن ہند کا میلان قبیلہ تغلب کی جانب نظر آیا، حارث کو اس جانب داری پر سخت غصہ و افسوس ہوا اور اس نے کمان پر ٹیک لگا کر اسی جگہ اپنا قصیدہ پڑھنا شروع کیا، روایت میں مذکور ہے کہ کمان پر ٹیکنے کی وجہ سے حارث کا ہاتھ زخمی ہو گیا تھا لیکن غصہ کی شدت میں اسے اس کا احساس نہ ہوا۔ اس قصیدہ میں حارث نے بادشاہ کی اس قدر تعریف کی کہ اس کی جانب مائل ہو گیا۔

AsliAhleSunnet.com

حارث کا شمار کم گو شعراء میں ہوتا ہے، معلقہ کے علاوہ اس کی جانب بعض قطعے منسوب ہیں، یہ معلقہ سبک و آہنگ کے لحاظ سے بہت اعلیٰ حیثیت کا مالک ہے، اسے حارث نے برجستہ کہا تھا لیکن اس کی فنی خوبیوں کی بنا پر ابو عمرو شیبانی کا قول ہے کہ: اگر ایسا عمدہ قصیدہ ایک سال کی مدت میں کہا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس قصیدہ میں مختلف اصنافِ سخن موجود ہیں۔ مذکور ہے کہ حارث اپنا قصیدہ پردہ کے پیچھے سے بادشاہ کو سنا رہا تھا کیونکہ وہ مبروص تھا، اور ایسے لوگوں کو بادشاہ کے سامنے آنے کی اجازت نہ تھی، لیکن بادشاہ کو قصیدہ اس قدر پسند آیا کہ اس نے پردہ ہٹانے کا حکم دے دیا اور شاعر کی بے حد تکریم کی۔

حارث نے معلقہ کی ابتداء میں تشبیب کے اشعار ذکر کئے ہیں، پھر اونٹنی کا ذکر کیا ہے، اور اس کے بعد ان لڑائیوں کا ذکر کیا ہے جن میں بکر کو تغلب پر فتح ہوئی تھی، ساتھ ہی بہت سی عرب لڑائیوں کا بھی ذکر کیا ہے، اس میں عمرو بن ہند کی تعریف کا حصہ بھی شامل ہے اور حارث کی قوم کے مفاخر کا اظہار بھی[1]

معلقہ کے چند اشعار درج ہیں:

انّ اخواننا الاراقم یغلوُ	نَ علینا فی قیلهم احفاءُ
یخلطون البریءَ منّا بذی الذّنـ	ـب ولا ینفع الخلیّ الخلاءُ
مَلِکٌ مُقسطٌ وافضلُ مَن یمـ	ـشی ومن دون مالدیه الثّناءُ
ایّما خطّة اردتم فادّوُ	ها الینا تسعیٰ بها الاملاءُ
فاترکوا الطّیخَ والتعاشی واِمّا	تتعاشوا ففی التّعاشی الدّاءُ
واذکروا حِلفَ ذی المجازِ وما قدّ	مَ فیه العهودُ والکفلاءُ

---

[1] حارث کے اشعار و حالات کے لئے ملاحظہ ہو: اغانی ۹ / ۱۷۷، شرح القصائد العشر ص ۱۲۵، الشعر والشعراء ص ۹۶، شعراء النصرانیہ ص ۴۱۶، طبقات الشعراء از ابن سلام، المفضلیات، معجم المرزبانی، فی الادب الجاہلی از طہ حسین۔

AsliAhleSunnet.com

عَمرو بِن کلثوم

اس کا تعلق قبیلۂ تغلب سے ہے، ماں کا نام لیلیٰ بنت مہلہل ہے، جو اپنی غیرت و حمیت اور خاندانی فخر کے لئے مشہور ہے۔ عمرو کو پندرہ سال ہی کی عمر میں قبیلہ کی سرداری کا فخر حاصل ہو گیا تھا، اس کا سالِ پیدائش معلوم نہیں لیکن یہ مذکور ہے کہ طویل عمر پاکر سنہ ء میں فوت ہوا۔ عزتِ نفس اور غیرت وحمیت وغیرہ اوصاف کے ساتھ ہی شاعرانہ صلاحیتیں فطری تھیں۔ اسے زیادہ شہرت معلقہ سے حاصل ہوئی جس میں حماسی و فخریہ شاعری کا رنگ نمایاں ہے۔ معلقہ کے اشعار کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ بتائی جاتی ہے لیکن تمام اشعار محفوظ نہ رہ سکے۔

روایتوں سے اور خود معلقہ کے موضوع سے اندازہ ہوتا ہے کہ عمرو نے اسے دو موقعوں پر دو مختلف اسباب کی بنا پر نظم کیا تھا۔ پہلا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ حیرہ کے بادشاہ عمرو بن ہند نے ایک روز اپنے ہم نشینوں سے سوال کیا کہ: تم عربوں میں کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جس کی ماں میری ماں کی خدمت میں عار محسوس کرے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں عمرو بن کلثوم کی ماں ایسی ہے۔ عمرو نے سوال کیا کہ کیوں؟ جواب ملا کہ اس لئے کہ وہ مہلہل کی بیٹی اور کلیب بن وائل کی بھتیجی ہے جسے عربوں میں سب سے زیادہ عزت حاصل ہے، اس کا شوہر کلثوم مشہور شہسوار اور اس کا بیٹا عمرو اپنے قبیلہ کا سردار ہے۔ یہ سن کر عمرو بن ہند کو ملال ہوا، اور اس نے ابن کلثوم اور اس کی ماں کو اپنے یہاں ملاقات کے لئے بلایا۔ جب ابن کلثوم اپنی ماں اور قبیلہ کے معزز اشخاص کے ساتھ حیرہ پہونچا تو عمرو بن ہند کے خیمہ میں قیام کیا اور اس کی ماں عمرو بن ہند کی ماں کے خیمہ میں ٹھہری۔ اس موقع پر حیرہ کے معزز اشخاص بھی موجود تھے۔ ابن ہند نے اپنی ماں سے کہہ کر تمام خدام کو ہٹا دیا تھا اور یہ اشارہ کر دیا تھا کہ کسی طرح ابن کلثوم کی ماں سے کوئی خدمت لے لے۔ جب دسترخوان لگا تو ابن ہند کی ماں نے ابن کلثوم

AsliAhleSunnet.com

کی ماں سے ایک تھالی مانگی۔ اس نے جواب دیا کہ ضرورت مند اپنا کام خود انجام دے۔ ابن ہند کی ماں نے اصرار کیا، ابن کلثوم کی ماں نے یہ دیکھ کر احتجاج کیا اور دہائی دی، ابن کلثوم نے اس کی دہائی سنی اور غصہ میں آکر خیمہ میں لٹکی ہوئی تلوار اتار لی اور ابن ہند کا سر اڑا دیا، اور قبیلہ والوں کو للکار کر خیمہ کا سامان لوٹ لیا اور اونٹنیوں کو لے کر چلے گئے۔

اس واقعہ کے بعد ابن کلثوم نے معلقہ کا ایک حصہ نظم کیا، پھر ایک دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ قبیلۂ تغلب اور قبیلۂ بکر کے مابین کچھ اختلاف رونما ہوا، عمرو بن ہند نے دونوں قبیلوں کے مابین صلح کرادی اور چند شرائط کا پابند بنا دیا۔ تغلب کی سربراہی عمرو بن کلثوم کر رہا تھا اور بکر کی سربراہی نعمان بن ھرم۔ دونوں سربراہوں کے مابین کسی معاملہ میں اختلاف ہوا تو عمرو بن ہند نے نعمان بن ہرم کو اپنے دربار سے نکال دیا، اس موقعے پر ابن کلثوم نے کھڑے ہو کر اپنا معلقہ سنایا۔

اس طرح قرین قیاس یہ ہے کہ ابن کلثوم نے دونوں واقعات کے بعد اپنا معلقہ مکمل کیا، اسی وجہ سے معلقہ میں دونوں واقعات کی جانب اشارہ موجود ہے۔ اس معلقہ کو ابن کلثوم نے سوق عکاظ میں بھی سنایا تھا۔ قبیلۂ تغلب کے لوگ اس معلقہ کو بے حد عزت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اپنے بچوں کو سنایا کرتے تھے۔

ابن کلثوم نے اس معلقہ میں سب سے پہلے شراب، اس کے پینے والوں اور اس کی تاثیر کا ذکر کیا ہے، پھر لیلیٰ کے اوصاف بتائے ہیں، اس کے بعد عمرو بن ہند کو مخاطب کر کے فخر و مباہات کا اظہار کیا ہے، اور اپنی والدہ کی تحقیر کی کوشش کی جانب بھی اشارہ کیا ہے، اس کے بعد فخر کے موضوع کی جانب گریز کیا ہے۔

ابن کلثوم کم گو شاعر تھا، لیکن اس کے اشعار میں برجستگی، اسلوب میں رونق اور مقاصد میں بلندی ہے۔ معلقہ کے علاوہ اس کی جانب چند قطعات منسوب ہیں جن کا مضمون معلقہ سے بہت زیادہ مختلف نہیں، معلقہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

أَبَا هِنْدٍ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْنَا — وَأَنْظِرْنَا نُخَبِّرْكَ الْيَقِينَا

AsliAhleSunnet.com

(ابو ہند! ہمارے ساتھ جلدی نہ کرو بلکہ مہلت دو تاکہ تم کو صحیح خبر دے سکیں)

بانا نورد الرایات بیضا　　ونصدرھن حمراً قد روینا

(کہ ہم سفید جھنڈوں کو لے کر جاتے ہیں اور سرخ و سیراب کرکے واپس لاتے ہیں)

الا لا یجھلن احد علینا　　فنجھل فوق جھل الجاھلینا

(ہمارے ساتھ کوئی نادانی نہ کرے ورنہ ہم اس سے بڑھ کر نادانی کریں گے۔)

اذا بلغ الفطام لنا صبیٌّ　　تخر لہ الجبابر ساجدینا

(ہم میں جب بچہ دودھ چھوڑتا ہے تو اسی وقت سرکش اس کے سامنے سرنگوں رہتے ہیں)

عمرو بن کلثوم کا دیوان حارث بن حلزہ کے دیوان کے ساتھ مجلۃ المشرق (ص ۶۹۱ تا ۷۱۱) جلد بیس ۱۹۲۲ء میں شائع ہو چکا ہے [1]

طرفۃ بن العبد

حالاتِ زندگی طرفہ کے لقب سے مشہور اس جواں مرگ شاعر کا نام عمرو بن العبد بن سفیان ہے، قبیلہ بکر بن وائل سے تعلق کی وجہ سے البکری کی نسبت سے یاد کیا جاتا ہے، یہ متلمس کا بھانجہ تھا۔

اس نے صرف ۲۶ سال کی عمر پائی لیکن فن شاعری میں اس کے کمال نے اسے بہت سے معمر افراد پر بھی فوقیت عطا کردی۔

اپنے قبیلہ وخاندان کی برتری کے باعث طرفہ لوگوں کی ہجو میں بڑا جری تھا۔

طرفہ جب جوان ہوا تو عمرو بن ہند نے اس کے شاعرانہ کمال کے باعث اسے بھی

---

[1] عمرو کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: اغانی ۹/۱۸۱، الشعر والشعراء ص ۱۱۷، الجمہرہ ص ۱۴۷، شعراء النصرانیہ ۱۹۷، شرح القصائد العشر ص ۱۰۸۔

AsliAhleSunnet.com

متلمس کے ساتھ اپنا ہم نشین بنالیا، اور طرفہ ایک مدت تک اس کے پاس رہا۔ شراب کی ایک مجلس میں طرفہ نے عمرو کی بہن کو دیکھ لیا اور اپنے اشعار میں اس کا ذکر کر دیا، عمرو نے اس واقعہ کے بعد ہی طرفہ اور متلمس دونوں کے قتل کا عزم کر لیا۔

ایک موقع پر طرفہ اور متلمس دونوں عمرو بن ہند کے پاس پہونچے، عمرو نے ان کی بڑی عزت کی اور دونوں کو اپنے بحرین وہجر کے گورنر مکعبر کے نام خط دے کر بھیجا اور کہا کہ وہاں جاکر اپنے انعامات حاصل کر لیں۔

دونوں وہاں سے روانہ ہوئے، راستہ میں متلمس کو خط کے مضمون پر شبہ ہوا، ایک لڑکے کے ذریعہ متلمس نے اپنا خط پڑھوایا، اس میں مکعبر کو مخاطب کر کے لکھا تھا کہ: جب متلمس یہ خط لے کر تمہارے پاس پہونچے تو اس کے ہاتھ پیر کاٹ کر زندہ دفن کر دو۔

یہ مضمون سن کر متلمس نے خط پھاڑ کر پھینک دیا اور بحرین کے بجائے شام کی طرف چلا گیا۔

متلمس نے طرفہ سے بھی خط کھول کر پڑھنے کو کہا اور بحرین جانے سے منع کیا، لیکن طرفہ نے اس کی بات نہ سنی اور مکعبر کے پاس ہجر پہونچا، مکعبر نے خط پڑھنے کے بعد طرفہ کو اس کا مضمون بتایا اور ازراہ ہمدردی یہ کہا کہ راتوں رات یہاں سے نکل جاؤ، طرفہ نے جواب دیا کہ تم انعام کی رقم بچانے کے لئے یہ بات کہہ رہے ہو، میں یہاں سے ٹل نہیں سکتا۔ صبح کو مکعبر نے طرفہ کو قید کر دیا اور عمرو کو لکھا کہ میں اسے قتل نہیں کر سکتا، کسی دوسرے کو بھیج کر قتل کرا دو، چنانچہ اس نے عبد ھند کو بحرین کا گورنر بنا کر بھیجا اور اس نے آکر طرفہ کو قتل کیا۔ یہ واقعہ ۵۵۰ء یا ۵۵۲ء کا ہے۔

شاعری طرفہ بچپن ہی سے روشن دماغی اور فطانت کے لئے مشہور تھا، شاعری کا ملکہ اس میں فطری تھا، بیس ہی سال کی عمر سے اس کا شمار نامور شعراء میں ہونے لگا تھا۔ اس کے تخیل میں لطافت اور جذبات میں سچائی تھی، منظر نگاری میں غلو نہیں کرتا تھا، البتہ اس کے یہاں ترکیب میں الجھاؤ، مفہوم میں ابہام اور لفظ میں غرابت موجود تھی۔

AsliAhleSunnet.com

طرفہ کے معلقہ پر نظر ڈالنے سے مذکورہ باتوں کا اندازہ ہوتا ہے، اس نے معلقہ کی ابتدا غزل سے کی ہے، پھر ۳۰ شعروں میں اونٹنی کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد فخر کا حصہ ہے، اپنی قوم کا شکوہ بھی اس نے معلقہ میں کیا ہے۔

طرفہ کے اشعار کی تعداد زیادہ نہیں لیکن فنی کمال کی وجہ سے اہل زبان اس کو مستند مانتے ہیں۔ اس کے بہت سے اشعار کو ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہے۔

طرفہ کے معلقہ نظم کرنے کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کے بھائی معبد کے اونٹ گم ہو گئے تھے، طرفہ اپنے چچازاد بھائی مالک کے پاس گیا اور اونٹ کی تلاش میں مدد کی درخواست کی، مالک نے کہا کہ پہلے لاپرواہی کرتے ہو پھر تلاش میں پریشانی اٹھاتے ہو۔ یہ سن کر طرفہ کی طبیعت برانگیختہ ہوئی اور اس نے معلقہ نظم کیا، جس میں اپنے بھائی اور چچا وغیرہ کے ظلم اور بدسلوکی کی مذمت کی۔

معلقہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ولستُ بحلّالِ التِّلاعِ مخافۃً ولکن متی یسترفدِ القومُ اُرفِدِ

(میں ڈر کے باعث غیر معروف جگہ پر نہیں اترتا بلکہ قوم جب مرا عطیہ طلب کرتی ہے تو میں اسے دیتا ہوں)

فانْ تبغنی فی حَلْقَۃِ القومِ تَلْقَنی وان تلتمسنی فی الحوانیتِ تَصْطدِ

(اگر مجھے لوگوں کی مجلس میں ڈھونڈھو گے تو وہاں پاؤ گے اور اگر شراب کی دکان پر تلاش کرو گے تو وہاں پاؤ گے۔)

وقت کے گزرنے اور موت کے آنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

اریٰ الموتَ یعْتامُ الکرامَ ویَصْطفی عقیلۃَ مالِ الفاحشِ المتشدِّدِ

(میں دیکھتا ہوں کہ موت اچھے لوگوں اور بخیل کے اچھے مال کو منتخب کرتی ہے۔)

اریٰ العَیْشَ کنزاً ناقصاً کلَّ لیلۃٍ وما تنقصُ الأیّامُ والدھرُ ینفدِ

(عمر ہر روز گھٹنے والا خزانہ ہے۔ زمانہ جس چیز کو کم کرتا ہے وہ کم ہو جاتی ہے۔)

AsliAhleSunnet.com

وظلمُ ذوی القربیٰ اَشدُّ مضاضۃً — علی المرءِ مِن وقعِ الحُسامِ المُھنّدِ

(قرابت داروں کا ظلم زیادہ الم انگیز ہوتا ہے، انسان اسے تلوار کی ضرب سے بھی زیادہ مشکل اور سخت محسوس کرتا ہے۔)

ستُبدِی لک الایامُ ما کنتَ جاھلاً — ویأتیک بالاَخبارِ مَن لم تُزوِّدِ

(جو نہیں جانتے ہو اسے زمانہ تمہیں بتا دے گا، اور جسے توشہ نہیں دیا ہے وہ تمہارے پاس خبر لائے گا۔)

عَبید بن الاَبرُص

حالاتِ زندگی عَبید بن الاَبرُص اسدی کا نسب معد بن عدنان کی اولاد میں ایک شخص دُودان بن اسد سے ملتا ہے۔ جاہلی دور کا یہ شاعر بڑے شعراء میں شمار کیا جاتا تھا، اور حکمت و تجربہ کے لئے مشہور تھا، بنو اسد میں اس سے بڑا دوسرا شاعر نہ تھا، محتاجی کے باوجود سخی تھا اور قبیلہ میں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

بنو اسد نے امرؤ القیس کے باپ حُجر کو تاوان کی رقم ادا کرنے سے انکار کیا اور اس کے محصّل کو زد و کوب کیا تو حجر نے ان پر چڑھائی کر کے کچھ لوگوں کو قتل کیا اور کچھ کو قید کر لیا، ان قیدیوں میں عبید بھی تھا، اس نے اپنا قصیدہ سنا کر قیدیوں کو رہائی دلائی۔

عبید نے لمبی عمر پائی، ۵۵۵ء میں یا دوسرے قول کے مطابق ۶۰۵ء میں اسے نعمان بن منذر نے قتل کر دیا۔ عبید کے بعض اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے دو سو سال عمر پائی۔

شاعری عبید کا شمار ان شعراء میں ہوتا ہے جو حکمت و دانائی کے لئے مشہور تھے، اس کے اشعار میں حسن و فصاحت، رونق و جاذبیت اور حکمت و نصیحت کا عنصر غالب ہے، اس کے بیشتر اشعار ضائع ہو گئے لیکن جو موجود ہیں ان سے اس کی بلاغت اور شاعرانہ تفوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے معلقہ میں حکمت و نصیحت کی باتوں اور منظر نگاری

AsliAhleSunnet.com

کا حصہ زیادہ ہے، سبک بھی عمدہ ہے۔

معلقہ کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں:

مَنْ یَسْأَلِ النَّاسَ یَحْرِمُوہُ ۔۔۔ وَسَائِلُ اللّٰہِ لَا یَخِیبُ

(انسان سے سوال کرنے والا محروم رہتا ہے اور اللہ سے مانگنے والا ناکام نہیں ہوتا۔)

بِاللّٰہِ یُدْرَکُ کُلُّ خَیْرٍ ۔۔۔ وَالْقَوْلُ فِی بَعْضِہِ تَلْغِیبُ

(اللہ کے ذریعہ ہر خیر حاصل ہو سکتا ہے، اور بعض باتیں رنج دہ ہوتی ہیں۔)

وَاللّٰہُ لَیْسَ لَہُ شَرِیکٌ ۔۔۔ عَلَّامُ مَا أُخْفِتِ الْقُلُوبُ

(اللہ کا کوئی شریک نہیں، وہ سینہ کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے۔)

لَا یَعِظُ النَّاسُ مَنْ لَا یَعِظُ ۔۔۔ الدَّہْرُ وَلَا یَنْفَعُ التَّلْبِیبُ

(جو زمانے کے حوادث سے نصیحت اندوز نہ ہو اسے لوگوں کی نصیحت کا فائدہ نہیں اور نہ بہ تکلف عقلمند بننے سے کوئی نفع۔)

وَالْمَرْءُ مَا عَاشَ فِی تَکْذِیبٍ ۔۔۔ طُولُ الْحَیَاۃِ لَہُ تَعْذِیبُ

(آدمی جب تک زندہ رہے تکذیب میں ہے، اور لمبی زندگی اَلم انگیز ہوتی ہے۔)

عبید کا دیوان لائل کی تصحیح کے ساتھ انگلینڈ سے شائع ہوا ہے۔

AsliAhleSunnet.com

آٹھویں فصل

کچھ دوسرے شعرار

شہسوار شعرار جاہلی دور میں قبائل کی زندگی سپاہیانہ انداز کی تھی، روزی و چارے کی تلاش میں جب کوئی قبیلہ کسی مقام پر خیمہ انداز ہوتا تھا تو اپنی سپاہیانہ تیاریوں کا سلسلہ بھی جاری رکھتا تھا، تاکہ دشمنوں کا مقابلہ اور چراگاہ کی حفاظت ہو سکے، دوسرے قبائل پر حملوں اور شبخون کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا' اور ان حملوں میں سواری کے لئے اونٹ اور گھوڑے استعمال کئے جاتے تھے، چونکہ گھوڑے تیز رفتار ہوتے تھے اس لئے ان پر عربوں کی توجہ زیادہ تھی، ان کی پرورش پر وہ لوگ خاصا دھیان دیتے تھے' ان کے اشعار میں گھوڑوں کا بکثرت تذکرہ ہوا ہے اور شعرار نے ایک ایک عضو کو مخصوص طور پر نمایاں کیا ہے، امرؤ القیس ابو دُواد الایادی طُفیل الغنوی، اور سلامۃ بن جَندل تمیمی نے خصوصیت کے ساتھ گھوڑے کا ذکر کیا ہے' اس صنف میں ابو محجن ثقفی، الاغلب العجلی، زید الخیل، حاتم طائی' علقمہ الفحل، عمرو بن معدیکرب اور قیس بن خطیم وغیرہ شعرار کے نام بھی آتے ہیں۔[1]

اسی طرح کچھ شعرار فن شہسواری میں نمایاں مقام کے حامل تھے، عربوں کی مشہور لڑائیوں میں ان کا بار بار تذکرہ ہوا ہے، مشہور شہسواروں میں عامر بن طفیل، مہلہل تغلبی اور بجیر بن الحارث وغیرہ کے نام آتے ہیں' اس میدان میں سب سے زیادہ شہرت عنترہ بن شداد عبسی کو حاصل ہوئی۔

---

[1] تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ج ۱ ص ۱۴۲۔

AsliAhleSunnet.com

عنترہ عنترہ کا باپ شداد (یا عمرو بن شداد) قبیلہ عبس کا ایک معزز فرد تھا، اور اس کی ماں حبشی نسل سے تعلق رکھتی تھی، اس کا نام زبیبہ تھا، عنترہ اپنی ماں کی طرح سفید فام اور پھٹے ہونٹ والا تھا، جاہلی دور میں عربوں کا دستور تھا کہ وہ لونڈیوں کی اولاد کو کسی غیر معمولی شجاعت ونجابت کا اظہار کئے بغیر اپنے نسب میں شامل نہیں کرتے تھے، عنترہ کا بھی یہی حال ہوا تھا، داحس وغبراء کی جنگ میں عنترہ نے جب غیر معمولی شجاعت کا اظہار کیا تو شداد نے اس کو اپنا بیٹا تسلیم کیا، اسی واقعہ سے متاثر ہو کر عنترہ نے کہا تھا:

انّی امرُؤٌ مِنْ خیرِ عبسٍ مَنْصِباً　　　شَطْرِی واَحْمِی سائرِی بالمُنْصَلِ

(میں نصف اصل کے لحاظ سے بنو عبس کا بہترین شخص ہوں، اور بقیہ نصف کا تلوار سے تحفظ کرتا ہوں۔)

واذا الکتیبۃُ اجحمَتْ وتلاحظتْ　　　اُلفِیتُ خیراً من مُعَمٍّ مُخْوَلِ

(جب لشکر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اقدام کرنے والے کا منتظر رہتا ہے تو میں ان لوگوں سے بہتر ثابت ہوتا ہوں جن کے چچا اور ماموں سردار ہیں۔)

اسی قصیدہ میں اپنی شجاعت وجرأت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

بکرتْ تخوِّفنی الحُتوفَ کاَنّنی　　　اَصْبَحْتُ عن غرضِ الحُتوفِ بمَعْزِلِ

(میری بیوی مجھے موت سے ڈراتی ہے، گویا میں موت کے نشانہ سے محفوظ ہوں۔)

فاَجَبْتُھا اِنّ المنیّۃَ مَنْھَلٌ　　　لا بُدّ اَنْ اُسقٰی بکاْسِ المنھَلِ

(میں نے اسے جواب دیا کہ موت ایسا گھاٹ ہے جس کا پانی مجھے ضرور پینا پڑے گا۔)

فاقْنیْ حیاءَکِ لا اباَلکِ واعلمی　　　اَنّی امرُؤٌ ساموتُ اِنْ لم اُقْتَلِ

(تم اپنی حیا کا تحفظ کرو، میں اگر قتل نہ کیا گیا تو بھی ضرور مروں گا۔)

انّ المنیّۃَ لو تُمثّلُ مُثّلتْ　　　مِثْلی اذا نزلوا بضَنْكِ المنزِلِ

(اگر موت کو محسوس شکل میں پیش کیا جائے تو میدانِ جنگ میں گھستے ہوئے میری جو شکل ہوتی ہے ویسی ہی اس کی بھی شکل ہوگی)

والخیلُ ساھمۃُ الوجوہِ کاَنّما　　　تُسْقٰی فوارسُھا نقیعَ الحنظلِ

(جب کہ گھوڑوں کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہو گویا ان کے سواروں کو اندرائن کا پانی پلایا جا رہا ہے)

AsliAhleSunnet.com

عنترہ کی شجاعت اور فن شہسواری میں اس کا شہرہ جاہلی دور سے آج تک برابر باقی ہے جانبازی و جنگی مہارت کے لئے عنترہ کی ذات نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس کی زندگی سے متعلق واقعات کی بنیاد پر مشہور جنگی داستان تیار ہوئی جسے عربوں میں وہی مقام حاصل ہے جو الیاذہ کو یونانیوں کے یہاں یا شاہنامہ کو ایرانیوں کے یہاں۔

افسانوی رنگ سے قطع نظر عنترہ کی زندگی پر غور کرنے سے، اس کی غیر معمولی شجاعت اور اخلاقی بلندی سامنے آتی ہے، وہ ظلم و زیادتی کا مخالف اور فضائل و محاسن کا طالب نظر آتا ہے، البتہ جب کوئی اس پر ظلم کرنا چاہتا ہے تو ظالم کے حق میں وہ سراپا تباہی و مصیبت بن جاتا ہے، اپنی چچازاد بہن اور محبوبہ عبلۃ کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

اَثنِی عَلَیَّ بما علمت فاننی — سَمحٌ مُخالقتی اذا لم اُظلَمِ

(میری تعریف ان اوصاف سے کرو جنہیں تم جانتی ہو، اگر مجھ پر ظلم نہ ہو تو میرے اخلاق نرم رہتے ہیں)

فاذا ظُلِمتُ فانّ ظلمی باسلٌ — مُرٌّ مذاقتہُ کطعمِ العلقمِ

(اور جب مجھ پر ظلم ہوتا ہے تو میرا ظلم مکروہ ہو جاتا ہے اور اس کا مزہ بے حد کڑوا ہوتا ہے)

واذا شرِبتُ فاننی مُستھلِکٌ — مالی وعِرضی وافرٌ لم یُکلَمِ

(میں جب شراب پی لیتا ہوں تو اپنا مال خرچ کرتا ہوں لیکن میری آبرو محفوظ رہتی ہے۔)

واذا صحوتُ فما اُقصِّرُ عن ندًی — وکما علمتِ شمائِلی وتکرّمی

(جب ہوش میں آتا ہوں تو سخاوت سے کوتاہی نہیں کرتا، جیسا کہ تمہیں میری خصلتوں اور میرے کرم کا علم ہے)

اپنی عفت و پاکدامنی اور عورتوں کے احترام کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

ما استمتُ اُنثی نفسَھا فی موطنٍ — حتی اُوفّی مَھرَھا مولاھا

(میدانِ جنگ میں کسی عورت کے قریب مہر دیئے بغیر نہیں جاتا۔)

اَغشٰی فتاۃَ الحیِّ عندَ حلیلِھا — واذا غزا فی الحربِ لا اَغشاھا

(میں محلہ کی عورت سے اس کے شوہر کے سامنے ملاقات کرتا ہوں، اور جب شوہر جنگ میں ہو تو ملنے نہیں جاتا۔)

AsliAhleSunnet.com

واغضُّ طرفی ما بدتْ لی جارتی حتی یواری جارتی مأواها
(پڑوسن پر میری نظر نہیں پڑتی ــــ)

انی امرؤٌ سمحُ الخلیقۃِ ماجدٌ لا اُتبع النفسَ اللّوجَ هواها
(میں نرم خلق اور شریف ہوں، نفس کی خواہشات میں اس کا ساتھ نہیں دیتا۔)

عنترہ کے یہاں محبت میں پاکیزگی و بلندی نظر آتی ہے، اموی دور میں اس نوعیت کی محبت کے نمونے متعدد شعراء کے یہاں ملتے ہیں، لیکن جاہلی دور میں اس کا نمونہ صرف عنترہ کے یہاں نظر آتا ہے، عنترہ کو چچا زاد بہن عبلۃ سے محبت تھی، لیکن اس کے چچا نے عبلۃ کی شادی اس کے ساتھ کرنے سے انکار کر دیا، اس انکار کے بعد عنترہ کی محبت میں حزن و یاس کا غلبہ ہو گیا، وہ اپنے غم کو چھپاتا تھا لیکن آنسو درد دل کا اظہار کر دیا کرتے تھے:

اَفَمِنْ بُکاءِ حمامۃٍ فی اَیکۃٍ ذرفتْ دموعُك فوق ظهرِ المحملِ
(کیا کبوتری کے پیلو کے درخت پر رونے سے تمہارے آنسو پرتلے پر بہہ رہے ہیں؟)

معلقہ میں کہتا ہے:

حُیّیتَ من طَلَلٍ تقادم عهدُهٗ اَقوی واَقفر بعد امِّ الهیثمِ
(تجھے سلام ہو پرانے کھنڈروں سے جو ام ہیثم کے بعد ویران و سنسان ہو گئے ــــ)

ولقد نزلتِ فلا تظنّنی غیرہٗ منّی بمنزلۃِ المحبِّ المکرَّمِ
(میرے نزدیک تمہارا مقام باعزت دوست کا ہے، اس کے سوا کچھ اور نہ سوچو۔)

عنترہ کے معلقہ اور دوسرے اشعار میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی تمام جنگی مہموں کا مقصد محبوبہ کو قرار دیتا ہے، اسی کے لئے جانبازی کے جوہر دکھاتا ہے اور قوم و قبیلہ کی مدافعت کرتا ہے، میدانِ جنگ میں جب لڑائی شباب پر ہوتی ہے تو محبوبہ کا خیال اس کے دل میں آتا ہے پھر وہ شعر کی طرح بپھر کر دشمنوں پر حملہ آور ہوتا ہے:

ولقد ذکرتُكِ والرماحُ نواهلٌ منّی وبیضُ الهندِ تقطرُ من دمی
(میں نے تم کو اس وقت یاد کیا جبکہ نیزے اور تلواریں میرے خون سے سیراب ہو رہی تھیں۔)

AsliAhleSunnet.com

فَوَدِدتُ تَقبِیلَ السُّیوفِ لِاَنَّھَا لَمَعَت کَبَارِقِ ثَغرِكِ المُتَبَسِّمِ

(تلواروں کو چومنا اس لئے پسند کیا کہ وہ تمہارے چمکیلے دانتوں کی طرح چمک رہی تھیں۔)

اس طرح عنترہ کی زندگی جنگی و اخلاقی دونوں لحاظ سے ممتاز و اعلیٰ زندگی تھی اور اس کی محبت میں جسمانی و مادی اغراض و لذت کوشی کا کوئی شائبہ نہیں تھا، عنترہ کا انتقال طویل عمر کے بعد ۶۱۵ء میں ہوا، کہتے ہیں کہ بنی ذبہان پر حملہ کے دوران وہ مارا گیا اور ایک روایت کے مطابق بستر پر اس کی موت واقع ہوئی، عنترہ کے دیوان کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

مفلس و راہزن شعراء

جاہلی دور میں شعراء کی ایک جماعت صَعالیک کے نام سے مشہور رہے، صَعالیک جمع ہے صُعلوک کی، جس کا لغوی معنی ہے فقیر جس کے پاس کچھ نہ ہو، لغوی معنی پر مستزاد اس لفظ کا اطلاق ان لوگوں پر ہونے لگا تھا جو راہزنی اور لوٹ مار کے لئے وقف ہو جاتے تھے اور اسی طرح اپنی روزی کا سامان حاصل کرتے تھے، راہزنوں کی اس جماعت میں مختلف قسم کے لوگ شامل تھے، مثلاً ایسے افراد جنہیں ان کے قبیلوں نے جرائم کی کثرت کے سبب قبیلہ سے علیحدہ کر دیا تھا، حاجز الازدی، قیس بن الحدادیہ اور ابوالطمحان القینی اسی قسم کے لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں، کچھ افراد سیاہ فام لونڈیوں کے بطن سے پیدا ہونے کی بنا پر مجہول النسب مانے جاتے تھے مثلاً السلیک بن السلکہ، تابط شرا اور شنفری، تیسرا مجموعہ ان افراد کا تھا جو راہزنی و غارتگری کو بطور پیشہ اختیار کئے ہوئے تھے مثلاً عروہ بن الورد العبسی اور قبیلۂ ہذیل و فہم کے بہت سے افراد۔

ان راہزن شعراء کے اشعار میں فقر و فاقے کا ذکر اور مالداروں نیز بخیلوں کے خلاف رنج و غصہ کا پتہ ملتا ہے، دوسری طرف ان شعراء کے یہاں غیر معمولی شجاعت و بہادری اور صبر و جانبازی کا بھی پتہ چلتا ہے، یہ لوگ سرسبز و شاداب علاقے میں رہ کر وہاں کے اپنے والوں اور مکہ آنیوالے لوگوں کو لوٹا کرتے تھے، طائف، مدینہ اور شمالی یمن کے علاقوں میں ان راہزن شعراء کی کثرت تھی، اپنے اشعار میں انہوں نے قتل و غارتگری کے اپنے کارناموں

AsliAhleSunnet.com

کا تذکرہ فخریہ انداز میں کرتے ہوئے حسن سلوک اور اخلاقی بلندی و احساس مروت کی جانب بھی اشارہ کیا ہے، فاقہ مست شعراء کی اس جماعت میں تابط شرا، شنفری اور عروہ بن الورد کو زیادہ شہرت حاصل ہے۔

تابط شرا قبیلۂ فہم کے اس شاعر کا نام ثابت بن جابر بن سفیان ہے حبشی نسل سے تعلق رکھنے والی اپنی ماں کی طرح یہ بھی سیاہ فام تھا، "تابط شرا" کے لقب سے ملقب ہونے کی توجیہ میں تذکرہ نگاروں کے بیانات مختلف ہیں، ایک قول یہ ہے کہ یہ لقب اسے اس کی ماں سے ملا تھا، تلوار بغل میں دبا کر یہ گھر سے نکلا تھا، ماں سے اس کے متعلق کسی نے سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ "تابط شرا ومضی لوجہہ" یعنی تلوار بغل میں دبا کر کسی طرف گیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سانپوں سے بھری ہوئی تھیلی بغل میں دبا کر اپنی ماں کے پاس آیا، اس حالت کو دیکھ کر ماں نے اسے یہ لقب دیا، تیسرا قول یہ ہے کہ اس کے قبیلہ نے یہ لقب اسے دیا تھا، کیونکہ وہ برابر کوئی نہ کوئی جرم کرتا اور شر اٹھاتا تھا، گویا اس کے پہلو میں شر کی کوئی نہ کوئی اسکیم ہر وقت موجود رہتی تھی جسے وہ نافذ کرنے کی فکر میں رہا کرتا تھا، بظاہر بچپن ہی میں اس کے باپ کا انتقال ہو گیا تھا، اور ماں نے ابو کبیر الہذلی سے شادی کر لی تھی، تابط شرا کو راہزنی و بہادری کی تربیت ابو کبیر ہی سے ملی تھی، شنفری اور عمرو بن براق وغیرہ اس کے ہم پیشہ و رفیق تھے، اس کا کوئی مطبوعہ دیوان نہیں لیکن ادب کی جملہ اہم کتابوں میں اس کے اشعار بکھرے ہوئے ہیں، مفضلیات میں اس کا ایک طویل قصیدہ ابتدا ہی میں منقول ہے جس میں اپنی راہزنی کی مہم کا ذکر کیا ہے اور تیز رفتاری کا نقشہ کھینچا ہے:

لَیْلَۃَ صَاحُوْا واغرَوْا بی سِراعَھُمْ ۔۔۔ بالعَیْکتینِ لدیٰ مَعْدَیٰ ابن براقِ

(جس رات وہ چیخے اور تیزی سے تعاقب کیا مقام عیکتین میں ابن براق کے دوڑنے کے وقت)

کانما حَثْحَثُوا حُصًّا قَوادِمُہٗ ۔۔۔ اَوْ اُمَّ خِشْفٍ بذی شَثٍّ وطُبّاقِ

(گویا انھوں نے ہرن اور اس کے بچے کو برانگیختہ کر دیا ہے۔)

لَاشَیْءَ اَسْرَعُ منّی لیس ذا عُذَرٍ ۔۔۔ وذا اجناحٍ بجَنْبِ الرَّیْدِ خفّاقِ

(دوڑنے میں میری تیز رفتاری گھوڑے بلکہ پرندہ سے بھی زیادہ تھی۔)

AsliAhleSunnet.com

حتی نجوت ولما ینزعوا سلبی — بوالہ من قبیص الشد غیداق

(میں بچ کر نکل آیا، وہ میرا سامان چھین نہ سکے، میں خود فراموشی میں تیزی سے بھاگ آیا۔)

اپنی بہادرانہ صفات کے تذکرے کے بعد تابط شرا نے کرم وسخاوت کا بھی ذکر کیا ہے، جود وعطا پر ملامت کرنیوالوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

بل من لعذالۃ خذالۃ اشب — حرق باللوم جلدی ای تحراق

(کون مددگار ہے ملامت کرنیوالے مدد چھوڑنے والے معترض کے خلاف جسنے میرے جسم کو ملامت سے جلا ڈالا ہے)

یقول اھلکت مالا لو قنعت بہ — من ثوب صدق ومن بز واعلاق

(کہتا ہے کہ تم نے مال خرچ کر ڈالا، کاش تم کپڑے، ہتھیار اور عمدہ مال پر قانع ہوتے)

عاذلتی ان بعض اللوم معنفۃ — وھل متاع وان ابقیتہ باق

(اے ملامت گر بعض ملامت میں زیادتی ہوتی ہے، کیا کوئی سامان باقی رکھنے سے باقی رہ سکتا ہے)

تابط شرا کے تقریباً تمام اشعار میں اس کی شہسواری اور اخلاقی بلندی کا اشارہ ملتا ہے، اپنی راہزنی کی مہم ہی کے دوران ۵۳۰ء میں قبیلہ ہذیل پر چڑھائی میں تابط شرا کا قتل ہوا۔

عروۃ بن الورد العبسی

راہزن شعراء میں عروۃ بن الورد بھی کافی مشہور ہے، اس کے باپ کا شمار اپنے قبیلے کے مشہور بہادروں اور شرفا میں کیا جاتا تھا، داحس وغبراء کی جنگ میں اس نے نمایاں کارنامے انجام دیئے تھے، عروہ کی ماں کا تعلق قبیلہ قضاعہ کی شاخ نہد سے تھا جسے کوئی خاص اہمیت وعزت حاصل نہیں تھی، ماں کی جانب سے نسب کی اس پستی کا عروہ کو بہت شدید احساس تھا اور اسی احساس نے اسے مالداروں کا مخالف بنا دیا تھا لیکن وہ خونریزی یا بادیہ نوردی کا خوگر نہیں ہوا تھا، اسکے قبیلہ میں اسے عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، مفلس شعراء کی جماعت میں شریک ہوتے ہوئے بھی اس نے حسن سلوک وباہمی تعاون کی روش اختیار کی تھی، اپنے قبیلہ کے شعراء او ضعیفوں کو جمع کرتا اور انکی دیکھ بھال کیا کرتا تھا، اسی لئے اسے "عروۃ الصعالیک" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، ابو الفرج الاصفہانی نے نقل کیا ہے کہ ایام قحط میں لوگ عروہ کے مکان کے سامنے ڈیرہ ڈال دیتے تھے اور جب وہ نظر آتا تو چلا کر کہتے تھے کہ "یا ابا الصعالیک اغثنا" یعنی اے مفلسوں کے باپ ہماری مدد فرما، عروہ انکی پکار کو سنکر متاثر ہو جاتا اور جو کچھ ممکن ہوتا ان کیلئے مہیا کر دیتا تھا[1]، اس قسم کے بیان سے عروہ کی عالی ہمتی کا اندازہ ہوتا ہے، اس کی سپاہیانہ مہم

---

[1] الاغانی ج۳ ص ۸۱۔

AsliAhleSunnet.com

کا مقصد لوٹ مار نہیں تھا بلکہ وہ ضرورت مندوں اور کمزوروں کی مدد کے لیے لڑائی میں شریک ہو جاتا تھا۔ اسی طرح عروہ کبھی ان مالداروں سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا جو سخاوت کے لیے معروف ہوتے تھے۔ بلکہ وہ ہمیشہ بخیلوں اور زر پرستوں کو اپنا نشانہ بنایا کرتا تھا۔ عروہ کے یہاں اس کی افلاس و فقیری کی زندگی بھی اعلیٰ اصول و اخلاق کی حامل ہے اور اس میں کسی طرح کا سماجی جرم یا مال و دولت کی حرص محسوس نہیں ہوتی۔

ابن السکیت کی روایت پر مشتمل عروہ کا دیوان گوٹھمن، الجزائر، قاہرہ اور بیروت میں متعدد بار شائع ہو چکا ہے، دیوان کے بیشتر اشعار میں اس نے جود و سخا اور اعلیٰ اخلاق کی تعریف کی ہے جس کی وجہ سے اس کے معاصرین اور بعد کے ادبار و تنقید نگاروں نے بھی اسے عزت کی نظر سے دیکھا ہے، عبد الملک بن مروان کہا کرتا تھا کہ عربوں میں اپنے باپ کے علاوہ اگر کسی کو میں اپنا باپ مان کر خوشی محسوس کر سکتا ہوں تو وہ عروہ بن الورد کی ذات ہے[1]. اور اس کا سبب اس کے درج ذیل اشعار ہیں:

انّی امرؤٌ عافِی انائِی شِرْکَۃٌ   وانْتَ امرؤٌ عافی انائِكَ واحِدٌ

(میرے یہاں ایک جماعت سخاوت کی طالب رہتی ہے، لیکن تم اپنے برتن میں تنہا کھاتے ہو۔)

أتھزأُ منّی انْ سمنتَ وانْ تری   بجسمی شحوب الحقّ، والحقُّ جاھِدٌ

(اپنے موٹاپے کے بعد میرے دبلے پن کا تم مذاق اڑاتے ہو، حقوق کی ادائیگی میں اسی طرح مشقت رہتی ہے۔)

أُقَرِّقُ جسْمی فی جُسومٍ کثیرۃٍ   وأحْسُو قَراحَ الماءِ والماءُ بارِدٌ

(میں اپنے جسم (کھانا وغیرہ) کو بہت سے جسموں میں تقسیم کر دیتا ہوں، اور جاڑے میں صرف پانی پر گزارا کر لیتا ہوں۔)

ان اشعار میں عروہ اپنی سخاوت و ہمدردی اور فقرار کی خبر گیری کے جذبہ کا تذکرہ

---

[1] الاغانی ج ۳ ص ۷۴۔

AsliAhleSunnet.com

کر رہا ہے اور بتاتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ ہمدردی و حسن سلوک اور ان کی غم خواری ہی کے وجہ سے میرا جسم کمزور اور چہرہ بے رونق ہو گیا ہے۔

عروہ کے کلام میں پست ہمت و مادہ پرست مفلسوں کی ہجو ملتی ہے اور بلند ہمت و بہادر مفلس شعراء کی مدح، تعریف کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

وللّٰہ صعلوکٌ صحیفۃُ وجہہ　　　کضوءِ شہابِ القابسِ المتنوّرِ

(قابل تعریف ہے وہ فقیر جس کا چہرہ آگ کے شعلہ کی مانند چمکتا ہے۔)

مطلّاً علیٰ اعدائہ یزجرونہٗ　　　بساحتِہم زجرَ المنیحِ المشہّرِ

(دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہے جو اسے دیکھ کر اس تیر کی طرح آواز نکالتے اور چیختے ہیں جس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔)

وان بعُدوا لایامنون اقترابہ　　　تشوّفَ اہلِ الغائبِ المتنظّرِ

(وہ اگر دور ہوں تو بھی اس کے حملہ سے مامون نہیں رہتے جیسے مسافر کے گھر والے اس کے منتظر رہتے ہیں۔)

فذلک ان یلقَ المنیّۃ یلقَہا　　　حمیداً، وان یستغنِ یوماً فاجدرِ

(اس طرح کا فقیر اگر مرے تو بھی لوگ اس کی تعریف کریں گے اور اگر مستغنی ہو تو وہ اسکا اہل ہے۔)

عروہ کے ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے فقیر و مفلس شعراء کو اونچا اٹھا کر اصحاب مروت و سیادت کے برابر پہونچانے کی کوشش کی تھی اور باہمی تعاون کی مثال قائم کرنا چاہتا تھا۔

AsliAhleSunnet.com

نویں فصل

جاہلی دور کی نثر

جاہلی نثر کے مظاہر

روزمرہ کی گفتگو میں جو نثر استعمال ہوتی ہے اس سے ادیب کو بحث نہیں ہوتی اور نہ یہ نثر ادبی شہ پاروں میں شمار کی جاتی ہے، ادبی حیثیت صرف اس نثر کلام کو حاصل ہوتی ہے جس سے متکلم کا مقصد یہ ہو کہ اس سے سامع متاثر ہو، اور جس میں ساخت و ترکیب اور طرز ادا میں خوبصورتی ملحوظ ہو، اس نوعیت کے نثر کلام میں کہانیاں، ادبی خطوط اور تقریریں شامل ہیں، ادبی خطوط کو بعض محققین نے فنی نثر کا نام بھی دیا ہے۔

جاہلی دور میں ادبی رسائل کے وجود کی کوئی معتبر روایت یا ثبوت موجود نہیں، اس دور میں کچھ لوگ فن تحریر سے واقف ضرور تھے، لیکن وسائل کی کمی کی بنا پر صرف سیاسی و تجارتی مقاصد کے لئے کتابت سے کام لیا جاتا تھا، اس دور میں چند مکتوب صحائف کا ضرور پتہ چلتا ہے، لیکن ان کے وجود سے یہ نہیں ثابت کیا جاسکتا کہ اس کا استعمال شاعرانہ اور دیگر ادبی مقاصد میں کیا جاتا تھا، خطوط کے علاوہ قصے، امثال، خطبات اور کاہنوں کے سجع کے نمونے البتہ اس دور میں موجود تھے۔

قصے کہانیوں کے عرب لوگ بڑے دلدادہ تھے، رات کے وقت مجلسوں میں قصے خوانی ہوتی تھی اور بڑے بوڑھے اس میں حصہ لیتے اور سنتے تھے۔

قصہ خواں حضرات سامعین کو متاثر کرنے کے لئے کہانیوں میں ندرت پیدا کرتے تھے تاکہ لوگوں کی دلچسپی برقرار رہے اور وہ توجہ سے سنیں۔

AsliAhleSunnet.com

عباسی دور میں راویوں اور علماء لغت نے جاہلی دور کی کہانیوں کو مدون کر کے ایک ادبی خدمت انجام دی ہے، ان کہانیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں زیادہ قبائلی جنگوں اور ان میں بہادرانہ کارناموں کا ذکر ہے، اسی طرح ان میں مناذرۃ اور غسانیوں کی حکومتوں کا بھی تذکرہ ہے، ایرانی بادشاہوں کے واقعات بھی قصوں کا موضوع ہیں، جاہلی دور کے کاہنوں، شاعروں اور سرداروں کا ذکر بھی کہانیوں میں آیا ہے، اغانی میں شخصیات کے تراجم کے ضمن میں ان کہانیوں کے اچھے خاصے مواد موجود ہیں، مرقش اکبر کا واقعہ اس کی مثال ہے۔ ؎

جاہلی دور میں جن، شیطان اور بھوت سے متعلق کہانیوں کا وجود بھی ملتا ہے، اس دور کے لوگوں کا خیال تھا کہ جن اور بھوت وغیرہ جس شکل میں چاہیں ظاہر ہوتے ہیں، جن عام طور پر بیل، کتے، شتر، مرغ اور گدھے کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، عام طور پر اس نوعیت کی کہانیوں میں عباسی دور میں اضافے بھی کئے گئے ہیں۔

ان قصوں کی تاریخی حیثیت سے قطع نظر ان کی فنی حیثیت قابل توجہ ہے، یہ مختصر اور تیز گام نظر آتے ہیں، ان میں طفلانہ شیرینی وسادگی اور جوش ہے جس سے دلوں میں اشتیاق پیدا ہوتا ہے، بداہت و روانی کے باعث ان عیوب کا احساس نہیں ہوتا جو بھدے ناموں، ترتیب کے ضعف اور لمبے شعری اقتباسات سے پیدا ہوتے ہیں۔

جاہلی دور کے قصوں کہانیوں کی صحت کے بارے میں ہم مطمئن نہیں ہیں کیونکہ یہ قصے عام طور پر زبانی منقول ہوئے ہیں اور اس لئے ان کی صحت مشکوک ہے، لیکن اس شبہ کے باوجود ان قصوں سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ ان کے قصے کہانیوں کی نوعیت اور مزاج و روح کیسی ہوتی تھی۔

؎ دیکھئے الاغانی ج ۶ ص ۱۲۹ (مطبوعہ دار الکتب)

AsliAhleSunnet.com

امثال مثل نام ہے ایسے کلام کا جو جوامع الکلم سے مرکب ہو، اس کی ظاہر میں کوئی حقیقت نہ ہو اور باطن میں شفا بخش حکمت ہو۔ مثل میں اگر گفتگو اور کردار انسان کی طرف منسوب ہو تو اسے فرضی و ممکن کہیں گے، اور اگر انسان کی رہنمائی میں انھیں حیوانات و جمادات کی طرف منسوب کیا گیا ہو تو اسے اختراعی و محال کہیں گے، اور اگر انسان و غیر انسان دونوں کی جانب گفتگو و کردار کو منسوب کیا گیا ہو تو اسے مخلوط کہیں گے۔ علمار ادب مثل اور حکمت میں بنیادی فرق نہیں مانتے لیکن مثل کا کوئی نہ کوئی پس منظر ہوتا ہے، اور حکمت کسی دانشور کے تجربہ کا خلاصہ و نتیجہ ہوتی ہے۔

جاہلی دور کی طرف منسوب قصے کہانیوں سے اس دور کی نثر کا صحیح اندازہ لگانے میں اس لئے دشواری پیش آتی ہے کہ ان کہانیوں کی تدوین عرصہ بعد وجود میں آئی لیکن ضرب الامثال کی حیثیت اس سے مختلف ہے کیونکہ امثال میں تبدیلی نہیں ہوتی، مختصر اور زباں زد ہونے کی وجہ سے ان کی اصلی صورت عرصہ تک باقی رہتی ہے، دوسری طرف ان کی تدوین کا عمل بھی پہلی صدی ہجری کے وسط سے شروع ہو گیا تھا جس سے انھیں اصلی صورت میں محفوظ رکھنے میں کافی مدد ملی۔ اس سلسلہ میں جو قابلِ ذکر خدمت انجام پذیر ہوئی اس میں ماہر انساب صُحار العبدی کی کتاب کا تذکرہ ملتا ہے جس نے معاویہ بن ابی سفیان کے عہد میں امثال پر کتاب تصنیف کی، صُحاری کے ہمعصر عبید بن شریہ نے بھی ایک کتاب اس موضوع پر تصنیف کی تھی جس کے بارے میں ابن ندیم کا بیان ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو دیکھا تھا، تقریباً پچاس اوراق پر مشتمل تھی [1]

دوسری صدی ہجری میں امثال کے موضوع پر بہت سی کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے کیونکہ اس دور میں کوفہ و بصرہ کے علمار نے اس موضوع پر کافی توجہ دی تھی۔ مفضل ضبی کی کتاب امثال العرب اسی دور کی یادگار ہے، تیسری صدی ہجری میں ابو عبید القاسم بن سلام نے امثال پر ایک کتاب تصنیف کی جس کی شرح ابو عبید البکری نے "فصل المقال فی شرح کتاب الامثال لابی عبید

---

[1] الفہرست ص ۱۳۲۔

AsliAhleSunnet.com

القاسم بن سلام" کے نام سے لکھی، اس کے بعد اس موضوع پر تصنیفات کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر ہمارے سامنے ابو ہلال العسکری کی کتاب جمہرۃ الامثال اور المیدانی کی کتاب مجمع الامثال کا نام آتا ہے۔ المیدانی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں بتایا ہے کہ انہوں نے اس موضوع کی پچاس سے زائد کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

عام مصنفین نے لغات کی طرح امثال کو بھی حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے۔ اس لئے زمانہ کی رعایت نہ ہوسکی اور جاہلی و اسلامی دور کی امثال کے مابین خلط ملط ہوگیا ہے۔ اور دونوں دور کی مثالوں کو باہم ممتاز کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ امثال کی ترتیب میں مؤلفین نے دو طریقہ اختیار کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ مثل کے بعد جاہلی دور کے کسی قصہ کا تذکرہ کیا ہے جس سے مثل کے مفہوم کی توضیح ہو جاتی ہے۔ یا کسی قصہ کے ضمن میں مثل کا تذکرہ وارد ہوا ہے، زبّاء اور نعمان لخمی کے قصوں میں بہت سی امثال کا ذکر ہوا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ مثل کو جاہلی دور کے لوگوں کی جانب منسوب کر دیتے ہیں اور ایسی صورت میں مثل کا زمانہ متعین ہو جاتا ہے۔

امثال اور حکم کے لئے دور جاہلیت میں بہت سے لوگ مشہور ہوئے مثلاً اکثم بن صیفی، ربیعہ بن حذار، ہرم بن قطبہ، عامر بن الظرب اور لبید بن ربیعہ وغیرہ۔ زیادہ شہرت اکثم بن صیفی اور عامر بن الظرب کو حاصل ہوئی۔

اکثم کی جانب جو امثال منسوب ہیں ان میں چند یہ ہیں: رُبَّ عَجلةٍ تَهَبُ رَيثاً، بسا اوقات عجلت سے تاخیر ہوتی ہے۔ المرءُ يعجزُ لا محالةَ، آدمی لامحالہ عاجز ہو جاتا ہے۔ لا جماعة لمن اختلف، اختلاف کرنے والے کی کوئی جماعت نہیں۔ اسرعُ العقوباتِ عقوبةُ البغيِ، سب سے پہلے ظلم کی سزا ملتی ہے۔ شرُّ النُّصرةِ التعدّي، بدترین مدد زیادتی ہے۔ آلَمُ الاخلاقِ اضيقُها، سب سے تکلیف دہ تنگ اخلاق ہے۔ اَسوءُ الآدابِ سُرعةُ العقابِ، بدترین ادب فوری سزا ہے۔ رُبَّ قولٍ اَنفذُ مِن صولٍ، بہت سی باتیں حملہ سے زیادہ مؤثر ہوتی ہیں۔ حافِظْ على الصديقِ ولو في الحريقِ

AsliAhleSunnet.com

دوست کا تحفظ آگ میں جل کر بھی کرو۔ لیس من العدلِ سرعۃُ العذلِ ، فوری ملامت انصاف نہیں۔ لا تطمعْ فی کلِّ ما تسمعُ ، ہر سنے ہوئے کی طمع نہ کرو۔ لو انصفَ المظلومُ لم یبقَ فینا ملومٌ ، اگر مظلوم کو انصاف مل جاتا تو کسی کو ملامت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

امثال میں عام طور پر سجع اور کلمات کے مابین توازن و موسیقی کا لحاظ بھی کیا گیا ہے، امثال میں تخیل کی بھی کار فرمائی نظر آتی ہے کیونکہ اس سے مفہوم میں وضاحت و قوت پیدا ہوتی ہے، امثال کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جاہلی دور میں عربوں کو کلام کے جمال و تاثیر پر پوری توجہ تھی اور انھیں عبارت کو خوبصورت شکل میں پیش کرنے کا فطری سلیقہ تھا۔

خطابت

جاہلی دور اور عہد تدوین کا باہمی فاصلہ خاصا طویل ہے، اس لئے اس دور کی جانب جو خطبے منسوب ہیں ان پر مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا، کتاب الامالی اور العقد الفرید میں جاہلی دور کے جو خطبات مذکور ہیں ان میں سے اکثر کا انتساب صحیح نہیں ہے لیکن اس کے باوجود جاہلی دور میں خطابت کی ترویج و ترقی سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس دور کے حالات، سماجی نظام، خصومت و اختلافات کی کثرت باہمی جنگ و جدال اور روزمرہ کی مجلسوں میں فصاحت و بلاغت اور زبان آوری کے جوہر دکھانے کا جذبہ ان تمام چیزوں نے خطابت کے لئے انتہائی سازگار ماحول فراہم کیا تھا، فطری طور پر عربوں میں زبان و بیان پر قدرت اور بدیہہ گوئی کے ملکہ سے بھی اس صنف کو فروغ حاصل ہوا۔

خطابت کو اہل عرب مختلف مقاصد کیلئے استعمال کرتے تھے، باہمی منافرت اور حسب و نسب نیز مناقب و مآثر پر فخر خطابت ہی کے ذریعہ ہوتا تھا، خطباء جس طرح اپنے زور بیان شعلۂ جنگ کو ہوا دیتے تھے اسی طرح وہ صلح اور باہمی اصلاح و اتفاق کے لئے بھی قوم کو آمادہ کرتے تھے، ربیعہ بن مقروم ضبی کہتا ہے:

ومتی تقُمْ عند اجتماعِ عشیرۃٍ — خطباءُ نا بین العشیرۃِ یُفْصَلِ

AsliAhleSunnet.com

(جب قبیلہ کے اجتماع کے وقت ہمارے خطیب کھڑے ہوتے ہیں تو قبیلہ کے مابین فیصلے کیے جاتے ہیں۔)

کسی حاکم یا بادشاہ کے دربار میں جب کوئی وفد جاتا تھا تو اس وقت بھی وفد کا سربراہ دربار میں کھڑا ہوکر تقریر کرتا اور قوم کے افکار و خیالات کی ترجمانی کرتا تھا، سیرت نبوی میں اس طرح کے وفود اور ان کے خطبات کے نمونے مذکور ہیں۔

جاہلی دور میں جو بازار یا قومی میلے منعقد ہوا کرتے تھے وہاں بھی خطباء قوم کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے، سوق عکاظ میں قس بن ساعدہ کی تقریریں مشہور ہیں، قبیلے کی نصیحت کے لئے عامر بن ظرب اور اکثم بن صیفی کے خطبات کا بھی تذکرہ ملتا ہے، شادی بیاہ کی محفلوں میں بھی تقریروں کا رواج تھا، دونوں فریق کے لوگ تقریر کیا کرتے تھے لیکن لڑکے والے خطیب کی تقریر نسبتۃً طویل ہوتی تھی۔

جاہلی دور میں خطباء کے نام اور ان کے کلام کا بڑا حصہ جاحظ نے البیان والتبیین میں نقل کیا ہے، اس دور کے چند مشہور خطیب یہ ہیں: مدینہ میں قیس بن شماس، ان کے بیٹے ثابت بن قیس، انصار میں سعد بن الربیع، مکہ میں ہاشم، امیہ، نُفَیل بن عبد العزیٰ، مکہ میں دار الندوۃ کے وجود سے خطباء کی اور زیادہ کثرت تھی، ان کے خطیبوں میں عتبہ بن ربیعہ اور سُہیل بن عمرو زیادہ مشہور تھے۔

قبائل میں بھی الگ الگ خطیب ہوا کرتے تھے، قبیلہ عَدوان میں عامر بن ظرب، اسد میں ربیعہ بن حُذار، ضَبّہ میں حنظلہ بن ضرار، تغلب میں عمرو بن کلثوم، شیبان میں ہانی بن قبیصہ، کلب و قضاعہ میں زہیر بن جناب، طی میں ابن عمار، لبید بن ربیعہ عامری کا بھی مشہور خطباء میں شمار ہوتا تھا۔

قبیلۂ تمیم کے خطباء میں اکثم بن صیفی، ضَمرۃ بن ضَمرۃ، عطارد بن حاجب، عمرو بن الاہتم المنقری اور قیس بن عاصم وغیرہ مشہور ہیں۔

قبیلۂ ایاد کے خطباء میں قس بن ساعدہ کو غیر معمولی شہرت حاصل ہے، خطباء کی اس کثیر تعداد کے پیش نظر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس دور میں اس فن کو بہت زیادہ اہمیت و رواج

AsliAhleSunnet.com

حاصل تھا، اور مختلف اسباب ومحرکات کی وجہ سے عرب قوم خطابت کے میدان میں دوسروں سے آگے تھی، اس دور میں خطیب کا درجہ شاعر سے بھی بڑا تھا کیونکہ شعراء نے جب شاعری کو کسبِ زر کا ذریعہ بنا لیا تو پھر ان کا درجہ خطیبوں سے کم ہو گیا۔

جاہلی دور میں خطباء کی کچھ عادات و روایات تھیں، مثلاً وہ بازاروں اور بڑے بڑے مجمعوں میں سواریوں پر تقریر کیا کرتے تھے، سروں پر عمامے اور ہاتھوں میں چھڑی یا کمان ہوتی تھی، عام طور پر اونچے مقام پر کھڑے ہوتے تھے۔

خطیب کی دل جمعی، برجستگی، عدمِ التفات اور آواز کی بلندی وقوت باعثِ تعریف تھی اور اثناءِ کلام میں کھانسنا، کانپنا اور اٹکنا باعثِ مذمت۔

جاہلی دور کے خطبات کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف اسباب و وسائل سے کلام کی تاثیر و قوت میں اضافہ کرتے تھے، کبھی سجع سے کبھی تشبیہ واستعارہ سے اور کبھی عام تزئین و تحسین سے۔

عربوں کو اپنے خطباء اور ان کی زبان آوری و شعلہ بیانی پر ہمیشہ فخر رہا کرتا تھا، قیس بن عاصم مِنقَری اپنی اور اپنے قبیلہ کی تعریف میں کہتا ہے:

انّی امرؤٌ لا یَعْتَرِی خُلُقِی — دَنَسٌ یُفَنِّدُہٗ ولا أَفَنُ

(میں ایسا شخص ہوں جس کے اخلاق میں کوئی خرابی یا کمزوری نہیں۔)

مِن مِنْقَرٍ فی بیتِ مکرمۃٍ — والاصلُ ینبتُ حولہ الغُصُنُ

(میرا تعلق قبیلۂ منقر کے باعزت لوگوں سے ہے، شاخ کا وجود جڑ ہی سے ہوتا ہے۔)

خطباءُ حین یقوم قائلھم — بِیضُ الوجوہِ مصاقعٌ لُسُنُ

(وہ اپنی قوم کے زبان آور و فصیح خطباء ہیں —)

قس بن ساعدہ کا درج ذیل خطبہ کتبِ ادب میں مذکور ہے:

"اَیُّھا النّاس، اسمعوا وعُوا، من عاشَ ماتَ، ومَن ماتَ فاتَ، وکلُّ ما ھو آتٍ آتٍ، اِنّ فی السّماءِ لخبرا، وانّ فی الارضِ لعِبرا،

AsliAhleSunnet.com

آیاتٌ محکماتٌ، و مطرٌ ونباتٌ، ونجومٌ تَزْهر، وبحارٌ تَزْخر، ولیلٌ داجٌ، وسماءٌ ذات ابراج، مالی أری النّاس یذهبون ولا یرجعون؟ أرضوا فاقاموا، ام تُرکوا فناموا، یامعشر ایاد این ثمود وعاد، واین الآباء والاجداد؟ واین الفراعنة الشداد؟ (لوگو! سنو اور یاد رکھو، جو زندہ ہے مرے گا، اور جو مرے گا ختم ہوگا، ہر آنیوالا آئے گا، آسمان میں خبر ہے، اور زمین میں عبرتیں ہیں، محکم آیات ہیں، بارش اور پودے ہیں، روشن تارے، موجزن سمندر، تاریک رات اور برج والا آسمان ہے، کیا وجہ ہے کہ جانیوالے آتے نہیں، کیا راضی ہو کر مقیم ہو گئے یا چھوڑنے پر سو گئے؟ اے قبیلۂ ایاد والو! قومِ ثمود و عاد کہاں ہے؟ آبار و اجداد اور طاقتور فراعنہ کہاں ہیں؟)

اکثم بن صیفی کا درج ذیل خطبہ بھی علمار ادب نے نقل کیا ہے، جسے اس نے کسریٰ کے دربار میں سنایا تھا:

"انّ افضل الاشیاء اعالیها، واعلی الرجال ملوکها، وافضل الملوک اعمّها نفعًا، وخیر الأزمنة أخصبها، وافضلُ الخطباء اصدقُها، الصدقُ منجاةٌ، والکذب مهواة، والشرّ لجاجة، والحزمُ مرکب صعبٌ والعجزُ مرکب وطیءٌ، آفةُ الرأی الهوی، والعجز مفتاحُ الفقر، وخیر الامور الصبرُ، حسنُ الظنّ ورطة، وسوءُ الظن عصمة، اصلاح فسادِ الرّعیة خیرٌ من اصلاح فساد الراعی، مَنْ فسدتْ بطانته کان کالغاص بالماء، شرّ البلاد بلادٌ لا امیرلها، شر الملوک من خافه البریءُ، المرء یعجز لا محالة."

(اچھی چیز اونچی ہے، بلند لوگ بادشاہ ہیں، اچھے بادشاہ زیادہ نفع بخش ہیں، بہترین زمانہ شادابی کا ہے، اچھا خطیب سچا ہے، سچائی میں نجات ہے، جھوٹ ہلاکت کی جگہ ہے، برائی عناد ہے، احتیاط مشکل امر ہے، عاجزی آسان سواری ہے، رائے کی آفت خواہش ہے، عاجزی محتاجی کی کنجی ہے، بہترین امر صبر ہے، حسن ظن بھنور ہے، بدگمانی حفاظت ہے، رعیت کے فساد کی اصلاح حاکم کے فساد کی اصلاح سے بہتر ہے، برے ہم نشینوں والا

AsliAhleSunnet.com

آدمی پانی میں غوطہ لگانے والے کی طرح ہے، برا ملک وہ ہے جس میں حاکم نہ ہو، بدترین بادشاہ وہ ہے جس سے بے گناہ ڈرے، انسان لامحالہ عاجز ہو جاتا ہے۔)

سابقہ سطور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جاہلی دور میں فن خطابت کو عروج حاصل تھا، اور خطباء ہر موقع پر آزادانہ طور پر اظہارِ خیال کرتے تھے، باہمی فخر و مباہات، صلح یا جنگ کے لئے قوم کی آمادگی، عام نصیحت و رہنمائی اور شادی بیاہ کی تقریبات وہ مناسبتیں تھیں جن میں قبیلہ کا خطیب اپنی زبان دانی کے جوہر دکھاتا تھا، خطباء کے پیش نظر ہمیشہ یہ چیز ہوا کرتی تھی کہ وہ سامعین کو اپنے زورِ بیان سے زیادہ سے زیادہ متاثر کریں اور اپنی فصاحت و بلاغت کا سکہ ان کے دلوں پر بٹھائیں۔

وصیت وصیت سے وہ کلام مراد ہے جسے انسان اپنے کسی قریب و عزیز کے لئے کہتا ہے، اس میں حکمت و تجربہ کی باتیں ہوتی ہیں اور اس سے خیر خواہی مقصود ہوتی ہے۔ علماء ادب نے اسے بھی خطابت ہی کی ایک قسم مانا ہے، البتہ فرق یہ ہے کہ خطابت مجمع عام میں اور جنگ و فخر وغیرہ کے موقع پر ہوتی ہے، اور وصیت عام طور پر سفر یا موت کے قربت کے احساس کے بعد کی جاتی ہے، اور اس کے مخاطب خاندان کے افراد ہوتے ہیں۔

وصیت میں جملے مناسب اور اسلوب استوار ہوتا ہے، کلام میں رقت و عمدگی ہوتی ہے، دانائی کی باتیں، تعبیر کی صداقت اور نظر کی گہرائی بھی پائی جاتی ہے۔

ذوالاصبع عدوانی جاہلی دور میں وصیت کے لئے مشہور ہے، اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے کہتا ہے:

"اَلِنْ جانبك لقومك يحبوك، وتواضع لهم يرفعوك، وابسط لهم وجهك يطيعوك، ولا تستأثر عليهم بشئ يسوّدوك، واكرم صغارهم كما تكرم كبارهم، يكرمك كبارهم ويكبر على مودتك صغارهم۔"

AsliAhleSunnet.com

(اپنی قوم کے لئے پہلو نرم رکھو تو تم سے وہ محبت کریں گے، ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ تو تمہیں بلند کریں گے، اور کشادہ روی سے پیش آؤ تو تمہاری اطاعت کریں گے، اور ایثار کرو تو تمہیں سردار مانیں گے، چھوٹوں کی عزت کرو جس طرح بڑوں کی عزت کرتے ہو تو بڑے تمہاری عزت کریں گے اور چھوٹے تم سے محبت رکھیں گے۔)

کاہن اور ان کا سجع

جاہلی دور میں ایک جماعت ایسے افراد کی تھی جو علم غیب کے مدعی تھے، اور آئندہ وقوع پذیر ہونیوالے امور کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا کہ جنوں کے ذریعہ انہیں معلوم ہو جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو "کاہن" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، یہ طبقہ چونکہ عام طور پر بتوں کی خدمت کا فرض انجام دیا کرتا تھا، اس لئے اسے ایک گونہ تقدس حاصل تھا، لوگ پیچیدہ مسائل اور باہمی اختلاف وخصومت میں ان کی جانب رجوع کیا کرتے تھے، لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ کاہنوں پر وحی کا نزول ہوتا ہے اسی لئے لوگ دور دور سے اپنے مسائل لے کر ان کے پاس آیا کرتے تھے۔

جاہلی دور کے اواخر میں جن کاہنوں کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی ان میں بعض کے نام یہ ہیں: سواد بن قارب الدوسی انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا، مامور الحارثی، خنافر الحمیری، عزّی سلمہ۔

کہانت کے پیشہ میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی شہرت حاصل تھی، شعثاء، کاہنۃ ذی الخلصۃ، کاہنۃ السعدیہ، زرقاء بنت زہیر اور غیطلۃ القرشیۃ۔

بنو رئام کی کاہنۃ زبراء نے اپنی قوم کو دشمن کے حملہ سے ڈراتے ہوئے یہ سجع استعمال کیا تھا:

"واللوح الخافق واللیل الغاسق والصباح الشارق والنجم الطارق والمزن الوادق، ان شجر الوادی لیأرو ختلا، ویحرق انیابا عصلا، وان صخر الطود لینذر ثکلا، لا تجدون عنہ معلا"

(قسم ہے چلنے والی ہوا کی، اور تاریک رات کی، اور روشن صبح کی، اور رات

کے تارے کی، اور برسنے والی بدلی کی، وادی کا درخت اکھاڑ ڈالے گا، اور ٹیڑھے دانتوں کو جلا دے گا، اور پہاڑ کی چٹان تباہی سے ڈرا رہی ہے، اس لئے تمہارے لئے پناہ کی جگہ نہیں۔)

تاریخ وادب کی کتابوں میں کاہنوں کی جانب منسوب اقوال وعبارات کی صحت کے بارے میں مکمل اطمینان کا اظہار مشکل ہے کیونکہ عرصہ تک زبانی روایت کے بعد انکی تدوین عمل میں آئی ہے، لیکن اس کے باوجود اس نوعیت کے نمونوں سے ان کے کلام کے بارے میں ایک عام تصور قائم کیا جا سکتا ہے۔

کاہنوں کا کلام عام طور پر مسجع ومقفیٰ ہوا کرتا تھا، اس کا ثبوت حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت سے ملتا ہے جس میں قبیلۂ ہذیل کی دو عورتوں کے باہمی جھگڑے لڑائی کا مقدمہ دربارِ رسالت میں پیش ہوا تھا، ایک عورت نے دوسری حاملہ عورت کو اسکے جنین سمیت مار ڈالا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین کی دیت بھی ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا، اس فیصلہ کو سُن کر حمل بن نابغہ ہذلی نے کہا تھا: یا رسول اللہ کیف اغرم من لا شرب ولا اکل، ولا نطق ولا استہل، فمثلُ ذلک یُطل۔

یہ کلام سن کر آنحضورؐ نے فرمایا تھا کہ: انما ھٰذا من اخوان الکہّان، من اجل سجعہ الذی سجع[1] کاہنوں کی طرف منسوب کلام کو صحیح ماننے کی صورت میں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ لوگ اپنی عبارتوں میں پیچیدہ ومشکل الفاظ استعمال کیا کرتے تھے، اور کلام میں اتنی لچک دانستہ طور پر باقی رکھتے تھے کہ اس کو ہر شخص اپنی سمجھ اور حالات کے مطابق معنی پہنا سکے، اسی وجہ سے ان کے سجع میں رمز وکنایہ زیادہ اور صراحت وتعیین بہت کم ہے، اسی طرح ان کے کلام میں قسمیہ جملے بھی بہت زیادہ ہیں، وہ لوگ ستاروں، ہواؤں، بادلوں، رات ودن، شجر وحجر اور پرندوں وغیرہ کی قسم کھایا کرتے تھے، اس سے

---

[1] صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۱۰ طبع استانبول۔

AsliAhleSunnet.com

ان کے دلوں میں مذکورہ اشیاء کی عظمت و تقدس کا پتہ چلتا ہے۔

جاہلی دور میں نثر کے مختلف اصناف کے مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ لوگ منثور کلام پر بھی پوری توجہ دیا کرتے تھے اور اس کی ساخت و نشست سے اس کی موسیقی کا تحفظ کیا کرتے تھے۔

(حصہ اوّل ختم ہوا)

AsliAhleSunnet.com

فہرست مضامین "تاریخ ادب عربی" جلد ۱

مضمون	صفحہ
انتساب	۳
مقدمہ طبع ثانی	۴
پیشِ لفظ	۵
تمہید ۷ ـ ۱۳	
لفظ ادب	۷
ادب کے عناصر	۱۰
تاریخ ادب	۱۱
تاریخ ادب عربی کے ادوار	۱۲
پہلی فصل ۱۴ - ۲۸	
جزیرۂ عرب کی قدیم تاریخ	
جزیرۂ عرب کے جغرافیائی حالات	۱۴
تہامہ	۱۵
حجاز	//
نجد	//
عروض	۱۶
یمن	//
سامی لوگ	۱۷
اہلِ جنوب	۲۰
اہلِ شمال	۲۲
کتبات اور عربی کتابت کی ابتداء	۲۵
دوسری فصل ۲۹ - ۴۵	
جاہلی دور	
زمانہ کی تعیین	۲۹
شمال کی عرب ریاستیں	۳۱
مکہ اور حجاز کے شہر	۳۷
بدوی قبائل	۴۱
دائمی لڑائیاں	۴۲
تیسری فصل ۴۶ - ۶۰	
جاہلی زندگی	
اجتماعی حالات	۴۶
اقتصادی حالت	۵۰
علوم و معارف	۵۲
دینی حالت	۵۵
یہودیت و عیسائیت	۵۸
چوتھی فصل ۶۱ - ۷۱	
عربی زبان	
قدیم سامی عناصر	۶۱
قدیم عربی لہجات	۶۲

AsliAhleSunnet.com

فصحیٰ کی ابتداء	۶۴
جاہلی لہجات	۶۵
لہجۂ قریش کا غلبہ	۶۷

پانچویں فصل ۷۲-۱۰۵
جاہلی شاعری کی روایت و تدوین

جاہلی اشعار کی روایت	۷۲
پیشہ ور رواۃ	۷۶
اشعار کی تدوین	۷۷
مسئلہ انتحال	۸۱
جاہلی شاعری کے اہم مآخذ	۹۵
معلقات کی تاریخی و فنی حیثیت	۹۶
مفضلیات	۱۰۰
اصمعیات	۱۰۱
جمہرۃ اشعار العرب	۱۰۲
مختارات ابن الشجری	؍؍
حماسہ	۱۰۳

چھٹی فصل ۱۰۶-۱۳۶
جاہلی شاعری کی خصوصیات

جاہلی شاعری کی ابتداء	۱۰۶
جاہلی شاعری غنائی ہے	۱۰۹
موضوعات	۱۱۳
معنوی خصوصیات	۱۲۴
لفظی خصوصیات	۱۲۹
شعراء کے طبقات	۱۳۲
اصحاب المعلقات	۱۳۳
اصحاب الجمہرات	؍
اصحاب المنتقیات	۱۳۴
اصحاب المذھبات	؍
اصحاب المراثی	۱۳۵
اصحاب المشوبات	؍
اصحاب الملحمات	۱۳۶

ساتویں فصل ۱۳۷-۱۹۴
شعراءِ معلقات

امرؤ القیس	۱۳۷
قبیلہ و خاندان	۱۳۷
حالاتِ زندگی	۱۴۰
دیوان	۱۴۲
شاعری	۱۴۴
نابغہ ذبیانی	۱۵۱
قبیلہ	؍
حالاتِ زندگی	۱۵۲
دیوان	۱۵۴
شاعری	۱۵۶
زہیر بن ابی سلمیٰ	۱۶۴

AsliAhleSunnet.com

قبیلہ	۱۶۴
حالاتِ زندگی	۱۶۵
دیوان	۱۶۷
شاعری	۱۶۸
الاعشیٰ	۱۷۶
قبیلہ	"
زندگی	"
دیوان	۱۷۸
شاعری	۱۷۹
حارث بن حلزہ یشکری	۱۸۶
عمرو بن کلثوم	۱۸۸
طرفہ بن العبد	۱۹۰
حالاتِ زندگی	"
شاعری	۱۹۱
عبید بن الابرص	۱۹۲
حالاتِ زندگی	"
شاعری	۱۹۳

آٹھویں فصل ۱۹۵ ـ ۲۰۳
کچھ دوسرے شعراء

شہسوار شعراء	۱۹۵
عنترہ	۱۹۶
مفلس و راہزن شعراء	۱۹۹
تابط شرا	۲۰۰
عروۃ بن الورد	۲۰۱

نویں فصل ۲۰۴ ـ ۲۰۵
جاہلی دور کی نثر

جاہلی نثر کے مظاہر	۲۰۴
امثال	۲۰۶
خطابت	۲۰۸
وصیت	۲۱۲
کاہن اور ان کا سجع	۲۱۲
فہرستِ مضامین	۲۱۷

AsliAhleSunnet.com

MUKHTASAR

TARIKH-E-ADAB-E-ARABI

★

VOL. 1

★★

BY

DR. MUQTADA HASAN AZHARI

★★★

PUBLISHER

IDARATUL-BUHOOTH-IL ISLAMIA
JAMIA SALAFIA, VARANASI
(INDIA)

AsliAhleSunnet.com

AsliAhleSunnat.com